قسط نمبر اٹھارہ

# سرگمتا

ماورا طلحہ

## گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہسپتال کی تاریک اور سرد راہ داری میں عورت کی چیخیں گونج رہی ہیں جو تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ اس کا شوہر بچی کو لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

لامیہ سڈنی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوتی ہے۔ اذلان اس کا پھوپوزاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی ہوتا ہے۔ دوسری طرف طیبہ حیدر شاہ کو ان دونوں کی دوستی ناپسند ہوتی ہے اور وہ انہیں دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔

سفید حویلی میں احمد علی چٹھہ کا حکم چلتا ہے۔ نور بی بی مزاج کی نرم ہونے کے باعث علاقے کی عورتوں کے مسائل حل کرنے میں مصروف رہتی ہیں اور نور العین اکثر ان کے ساتھ رہتی ہے۔

عبدالودود علی چٹھہ سفید حویلی کا بگڑا ہوا سپوت ہوتا ہے جو اپنی من مانی کرنے کا قائل ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف تاشفین علی چٹھہ وکالت کے شعبے میں نام پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔

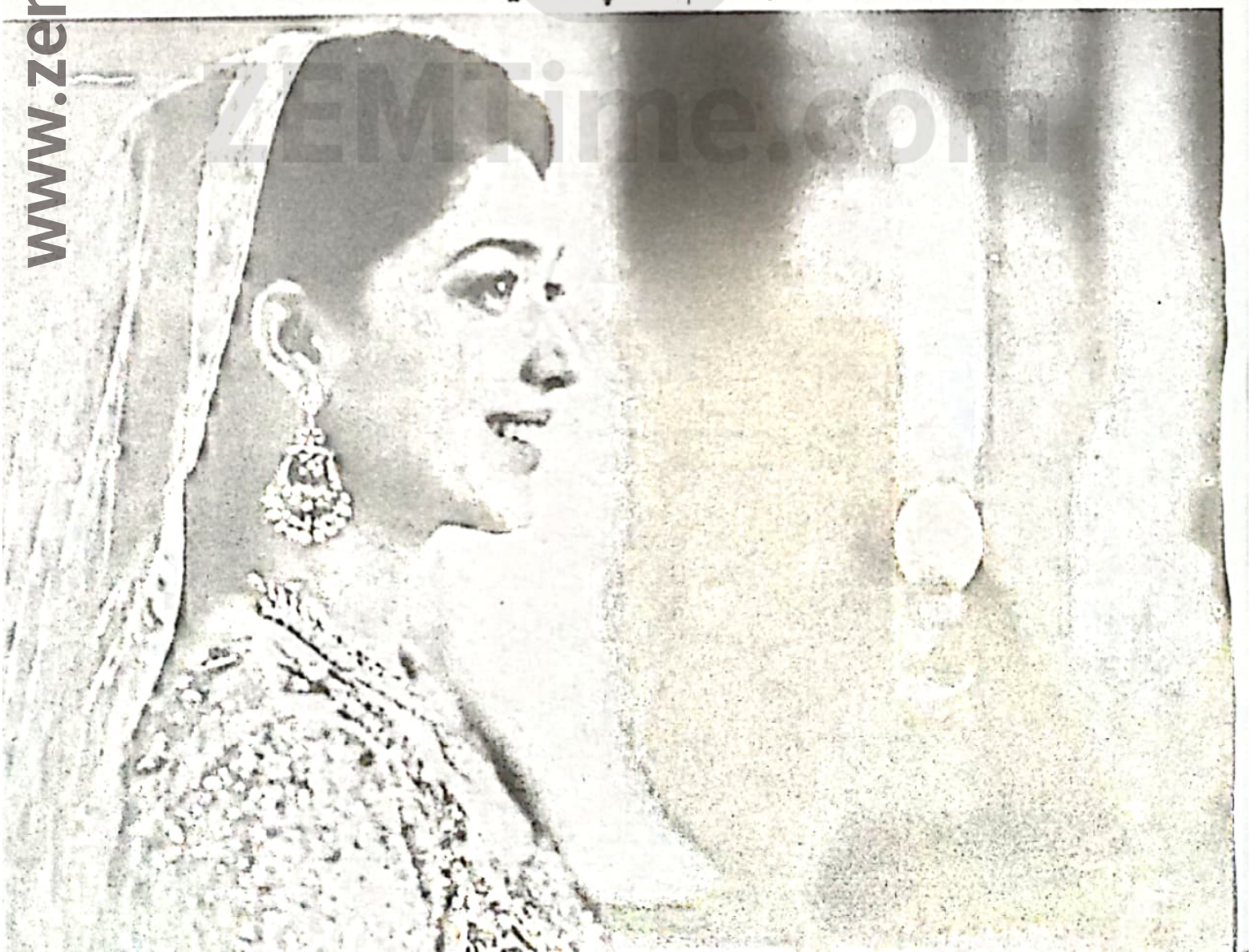

www.zemtime.com

مجتبیٰ شہر سے سفید حویلی آتا ہے اور راستے میں عزت نامی لڑکی سے گاڑی ٹکرا جاتی ہے۔ عزت لاہور کی اندرونی گلیوں میں اپنی ماں رشیدہ بی بی کے ساتھ رہتی ہے اور ان کے تعلقات صرف میمونہ خالہ تک ہی محدود رہتے ہیں۔
حازم شفیق عزت کے لیے نرم جذبات رکھتے ہیں لیکن یہ راز ابھی ان کے سینے میں ہی دفن رہتا ہے۔

**اب آگے پڑھیے**

☆.....☆.....☆

زندگی اپنے معمول کی جانب لوٹ رہی تھی۔ یونیورسٹی کی چھٹیاں اختتام پذیر ہوئیں اور وہ سوالوں کا بوجھ اٹھائے دوبارہ سے زمانے کی ریل پیل میں شامل ہوگئی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ اس بار وہ تنہا تھی، بچیا اس کے ساتھ نہیں آئی تھیں۔ ان کی منگنی نے کئی دن اسے آزردہ رکھا تھا، ان کے چلے جانے کا خیال دکھ کے سوا کچھ نہیں دیتا تھا۔ دو سال یہاں وہ دونوں اکھٹے رہی تھیں اور اب ایک دم سب ختم ہوگیا تھا، اسے اپنا پہلو خالی محسوس ہونے لگا تھا۔ یونیورسٹی میں سارا دن بولائی بولائی پھرتی رہی تھی۔ اپنے اردگرد سے مکمل انجان اور اب جاننے کے لیے رہ بھی کیا گیا تھا۔ جو سوال اس کے وجود میں کلبلا رہے تھے ان کے جواب جاننے کی چاہ سے زیادہ ایک ڈر تھا کہ اگر سب ویسا ہوا جیسا وہ سوچ رہی تھی تو وہ کیا کرے گی۔ اس لمحے اسے اپنا وجود اس ننھی کلی کی مانند لگ رہا تھا جو خزاں کی آمد پہ کھلنے کی تمنائی رکھتا ہے۔
"یہاں اکیلے بیٹھ کر کیا سوچا جا رہا ہے؟" وہ کلاس کے ایک کونے میں ساری دنیا سے انجان ہوئی بیٹھی تھی جب کوئی بہت آہستگی سے اس کے ساتھ آ بیٹھا تھا۔
"آپ.....!" وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔
"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" اس کی حواس باختگی پہ وہ الجھن کا شکار ہوا اور فوراً سے اس کی کلائی پہ اپنا ہاتھ رکھ کر حرارت محسوس کرنے کی کوشش کی۔ اس کا شک ٹھیک تھا اسے بخار تھا۔
"کلثوم تمہیں بخار ہے۔" اسے تشویش ہوئی۔
"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے نہایت آرام سے اپنے ہاتھ پہ رکھا مسیحائی کا ہاتھ ہٹایا اور وہاں سے جانے کے لیے چیزیں سمیٹنے کی کوشش کی۔
"تم ٹھیک نہیں ہو۔" اس کی حرکات سے جان گیا کہ وہ یہاں سے جا رہی ہے تب ہی فوراً سے اس کی کلائی پکڑ کر اسے واپس بٹھایا اور وہ اس زبردستی پہ بس دیکھتی رہ گئی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں یا نہیں یہ میرا مسئلہ ہے آپ کو میرے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے دوبارہ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ یہ کشمکش اسے تھکانے لگی تھی اور تھکن اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔
"مجھ سے بھاگنا چھوڑ دو کلثوم! یہ کوششیں جان لیوا ثابت ہوں گی۔ تم اس حقیقت کو مان لو کہ تمہارا دل اب میری چاہ کرنے لگا ہے۔" ابراہیم کے حد درجہ یقین نے اس کے سارے شکوک پل میں رفع کر دیے تھے۔ وہ اسے بجا سے منسوب سمجھ رہی تھی لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس وقت وہ سامنے بیٹھا اپنی محبت کا یقین نہ دلا رہا ہوتا۔
"یہ سب بے کار کی باتیں ہیں جو ہماری حویلی کی دیوار پار نہیں کر سکتیں۔" اس ایک جملے میں وہ ساری کہانی چھپی تھی۔
"یہ سب وہم دل سے نکال دو میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔"
"بالکل نہیں۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے سر انکار میں ہلانے لگی۔
"یہ جھوٹ خود سے بولنا چھوڑ دو، تمہاری آنکھوں میں صاف صاف میری محبت تحریر ہے۔" وہ انتہائی پر یقین لہجے



www.zemtime.com

میں بولا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ اس وقت خود کو نہایت بے بس محسوس کر رہی تھی۔

کلاس تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ سختی سے تھامے ہوئے تھا کہ بھاگنے کے سب ارادے ناکام ہوتے نظر آرہے تھے۔ اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ آج اپنی محبت تسلیم کروا کے مانے گا سو اس نے پوری شدت سے انکار کرنے کی کوشش کی۔

''ایک بار اپنے دل سے پوچھو ناں..... مجھے یقین ہے تمہیں اپنے دل کے سب دروازے میرے لیے کھلے ملیں گے۔'' اب کی بار اس کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت نظر آئی۔

''ابراہیم! ہماری حویلی میں دل اور دل سے منسلک باتوں کو بالکل اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس تعلیمی ادارے تک پہنچنے کے لیے ہم بہنوں نے بہت محنت کی ہے۔ روایات کو توڑنا اور ذہنی پسماندگی سے لڑنا آسان نہیں ہے لیکن ہماری بی جان نے ہمارے لیے یہ سب زنجیریں توڑی ہیں تو میں نہیں چاہتی میرا اٹھایا کوئی بھی قدم آنے والی نسلوں کو ایسی ضروریات سے محروم کر دے۔'' اس نے سر اٹھا کر اپنے اردگرد قائم چار دیواری کو دیکھا۔ وہ اسے دل سے پوچھنے کا کہہ رہا تھا لیکن اس نے یہ زحمت نہیں کی کیونکہ وہ جانتی تھی دل تو اس خودسری پہ پہلے ہی آمادہ تھا، اسے یہ بھی معلوم تھا اس خودسری کا انجام کبھی خوشگوار نہیں ہو سکتا۔

''کلثوم! میں تم سے زیادہ تمہاری حویلی اور حویلی کی روایات کو جانتا ہوں لیکن اب جب قدرت ہمارے راستے آسان کر رہی ہے تو تم کیوں ڈر کے پیچھے ہٹ رہی ہو؟ میں ان دو سالوں میں اپنی محبت کا اظہار کرنے تمہارے پاس نہیں آیا کیونکہ میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا لیکن اب ہمارے دلی جذبوں کی تکمیل مشکل نہیں ہے۔ میں صرف تمہارا اظہار چاہتا ہوں۔'' اس کی باتیں نہایت خوش فہم تھیں، خیالوں میں ناممکنات کی سب دیواریں ٹوٹتی نظر آرہی تھیں۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' اس نے شدت سے انکار میں سر ہلایا۔

''ایسا ہو سکتا ہے کلثوم۔ کیا تمہیں تمہاری بجیا نے کچھ نہیں بتایا؟'' اس کے سوال پہ وہ جی جان سے چونکی۔

''بجیا نے..... کیا نہیں بتایا انہوں نے؟'' وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''جب ان کے رشتے میں ان کی پسندیدگی شامل ہو سکتی ہے تو تم ڈر کے کیوں پیچھے ہٹ رہی ہو؟'' اس کے لیے ابراہیم کی سب باتیں نافہم تھیں۔ وہ بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن سمجھ نہیں پا رہی تھی اگر ایسی کوئی بات تھی تو بجیا نے اسے کیوں نہیں بتائی۔

''آپ کو کیسے پتا؟'' وہ اس کی بات پہ شک بھی تو نہیں کر پا رہی تھی کیونکہ اس دن یہ بھی تو ساتھ آیا تھا۔

''حیدر بھائی..... مطلب تمہاری بجیا کی جن سے منگنی ہوئی ہے وہ میری پھوپو کے بیٹے ہیں اور وہ بھی اس یونیورسٹی سے پڑھے ہیں۔'' اب شک کی ہلکی سی رمق بھی کہاں باقی تھی۔

ابراہیم کی بات سے جہاں اسے تھوڑا سکون ملا تھا وہیں بجیا کی جانب سے دل میں غبار آیا۔ اس پہ کڑی نگاہ رکھتیں، جانچتی نگاہوں سے دیکھتی رہتیں، محبت اور پسندیدگی جیسے جذبوں سے کوسوں دور رہنے کی نصیحتیں اور خود اتنی بڑی بات چھپا گئیں۔ انہوں نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا بلکہ پریشان چہرہ لیے پھرتی رہیں۔ بخار سے حالت پہلے ہی خراب تھی اس پہ ابراہیم کی باتیں سن کر اس کی ذہنی حالت مزید بگڑ رہی تھی، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔

''اب بتاؤ کلثوم! اس سفر میں میرا ساتھ دو گی، میری محبت کو قبول کرو گی؟'' وہ اس کے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلائے



www.zemtime.com

بیٹھا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے لیکن ہاتھ دینے کی بجائے وہ توازن کھو گئی۔ اس نے جلدی سے اسے سنبھالا ورنہ وہ گر جاتی۔

اس کی بے ہوشی نے ابراہیم درانی کے حواس سلامت نہیں رہنے دیے اور وہاں کوئی نہیں تھا جسے مدد کے لیے بلاتا، اسے زمین پہ لیٹا تا وہ فوراً باہر بھاگا اور چند لڑکیوں کو بلا لایا۔ وہ لڑکیاں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگیں اور اس دوران اس کی حالت قابل رحم تھی۔

☆.....☆.....☆

دن کا آغاز نہایت بوجھل تھا۔ ہر منظر اداس اور روٹھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تاشفین کو ڈھیروں کام نبٹانے تھے لیکن وہ سب کاموں کو پس پشت ڈال کر آفس آئے تھے، انہیں زارا حسین سے نہایت ضروری بات کرنی تھی۔ آفس میں داخل ہوتے ہی انہیں نبیل نظر آیا، اپنے خراب مزاج کو مسکراہٹ کے لبادے میں چھپاتے ہوئے اس کی جانب بڑھے۔

"یہ چاند صبح سویرے کیسے نظر آ رہا ہے؟" اسلم خان درانی کو صبح خیزی کی عادت نہیں تھی اور اسے چڑانا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

"مجھے حویلی جانا تھا تو زارا میم کو کچھ ضروری فائلز دینے آیا تھا۔" تاشفین بھی اسلم خان درانی دیکھ کر کاؤنٹر سے ٹیک لگائے وہیں کھڑا ہو گیا۔

"یہ معجزہ کب ہوا کہ تم دن کے اجالے میں حویلی جانے کا سوچ رہے ہو؟" وہ اس کا یا پلٹ پہ حیران ہوا تب ہی اس سے سوال بھی کر لیا ورنہ سالوں ہو گئے تھے اسے اس بات پہ آمادہ کرتے ہوئے۔

"رات میں امی کا فون آیا تھا بس اسی وقت سے پریشان ہوں، ساری رات سو بھی نہیں سکا۔" اسلم خان درانی کی آنکھوں سے جھلکتی سرخی بے خوابی کی داستان بخوبی سنا رہی تھی۔

"سب خیریت ہے؟" اسلم خان درانی کی فطرت سے کسی حد تک تاشفین آگاہ تھے سو یہ خیال آنا لازم تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا لیکن ان کی آواز بھیگی ہوئی تھی، وہ مجھے اپنا خیال رکھنے کا کہہ رہی تھیں اور حویلی آنے سے بھی منع کیا۔" اسلم خان درانی ان کے سوا اپنی پریشانی کسی سے نہیں کہہ سکتا تھا سو تفصیل سے بتاتا گیا۔

"پھر تمہیں نہیں جانا چاہیے۔" انہیں معاملہ سیدھا نہیں لگ رہا تھا تب ہی اسلم خان درانی کو منع کیا۔

"میں انہیں وہاں سب کے رحم و کرم پہ نہیں چھوڑ سکتا تاشفین۔ انہوں نے میرے لیے بہت سال مشقت کاٹی ہے اب میرے ہوتے کوئی انہیں دکھ نہیں دے سکتا، میں اب اس قابل ہوں کہ ان کی زندگی سہل بنا سکوں۔" اسلم خان درانی حد درجہ جذباتی ہو رہا تھا اور اس کی حالت وہ اچھے سے سمجھ رہے تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے پریشان مت ہو۔ میں بھی چلوں تمہارے ساتھ؟" اس وقت کوئی خاص کام تاشفین کو یاد نہیں رہا تھا۔

"ہاں چلو..... تمہارا تو وہاں پھولوں سے استقبال ہوگا، وہ لوگ منتظر ہیں کب تاشفین علی چٹھہ صاحب تشریف لائیں اور وہ حویلی کے سارے گلاب ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔" اسلم خان درانی کے جلے انداز پہ ان کی مسکراہٹ بے ساختہ پھیلی۔

"تمہیں شیر کی کچھار میں جانے کا کچھ زیادہ ہی شوق نہیں ہے؟" وہ اپنی پریشانی بھول کر انہیں کڑی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے بھلے کا سوچ رہا تھا تم الٹا مجھ پہ دفعات لگا رہی ہو۔"



www.zemtime.com

"تم اپنے بھلے کا سوچو اس سے پہلے کہ دوسرے نقب لگا جائیں۔" اس کا اشارہ کس طرف تھا تاشفین بخوبی سمجھ رہے تھے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم اپنے دماغ پہ زیادہ زور مت ڈالو۔" وہ اپنے کف لنکس کھولتے سیدھے ہوگئے جو بات ختم ہونے کا اشارہ تھا۔

"ٹھیک ہے واقعی ایسی کوئی بات نہیں ہوگی لیکن تم ایک نہایت ہمدرد طبیعت کے مالک ہو، کیسے ایک بلبل کو شکاری کے جال میں پھنسنے دو گے؟" بات کے اختتام پہ اسلم خان درانی ان سے دور ہٹ گیا کیونکہ جوابی حملہ کسی بھی وقت ہوسکتا تھا۔

"باز آجاؤ۔" تاشفین نے اردگرد اسے مارنے کے لیے کچھ دیکھا لیکن نگاہوں کی گرفت میں ایسا کچھ نہیں آیا۔

"میں جارہا ہوں۔" اسلم خان درانی نے دور سے ہی ہاتھ ہلایا مبادا پاس جانے پہ سزا نا مل جائے۔

"اپنا خیال رکھنا اور کوئی مسئلہ ہوا تو کال کرلینا۔" وہ کتنی ہی دیر اسے وہاں کھڑے دیکھتے رہے۔

انہوں نے اپنے آفس سے فائل لی اور زارا حسین کے آفس کی جانب چل دیئے۔ وہ حسب معمول لیپ ٹاپ کھولے انہماک سے اس پہ جھکی ہوئی تھی۔ وہ کئی لمحے اس کے سامنے بیٹھے توجہ کے منتظر رہے لیکن وہاں مصروفیت کا ہی عالم تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ موبائل پہ حویلی سے فون آگیا۔

"السلام علیکم بڑی امی۔" وہ آفس سے باہر آئے۔

"مصروف تو نہیں تھے بیٹا؟" وہ ان کے فون کرنے پہ پہلے ہی پریشان ہورہے تھے سو فوراً سے فراغت کا بتایا۔

"بیٹا! واپسی پہ کلینک چکر لگا لینا اور وہاں سے حورالعین کی رپورٹس لیتے آنا۔" ان کی بات پہ وہ کافی حیران ہوا۔

"کون سی رپورٹس بڑی امی؟"

"بیٹا! تمہاری چچی کی طبیعت کچھ خراب تھی تو انہیں ہاسپٹل لے کر گئے تھے۔ ٹیسٹ وغیرہ ہوئے تھے تو آج ڈاکٹر کا فون آیا تھا اسی لیے تمہیں کہا کہ تم چکر لگا لو اور ڈاکٹر سے بھی مل لینا۔" انہوں نے مکمل تفصیل بتائی تو وہ مزید حیران ہوا کہ حویلی والوں نے اس کو اتنا غیر اہم سمجھا۔

ان کا فون بند ہوتے ہی وہ واپس آفس میں آیا اب وہ ان کی ہی منتظر تھی سو چند لمحے پہلے والی کوفت ختم ہوگئی تھی۔

"معذرت میں کچھ ضروری کام میں مصروف تھی۔" وہ تاشفین کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اپنے گزشتہ رویے کی معذرت کرگئی۔ وہ چند لمحے اس کے لہجے اور انداز کو غور سے دیکھتے رہے۔ کچھ الگ سا محسوس ہورہا تھا لیکن وہ نئی چیز کیا تھی یہ سمجھ میں نہیں آیا۔

"یونیورسٹی کیس تقریباً حل ہوچکا ہے۔ میں کل ہی عدالت میں تیمور چوہان اور اسلم خان درانی کا نام پیش کردوں گا جس سے کیس فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوجائے گا۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑی سرخ فائل اس کے سامنے رکھی۔

"یہ چال بڑے مہروں کی تھی لیکن اس میں استعمال ان دونوں کو کیا گیا۔ یہ لوگ کتنے کم ظرف اور ظالم ہوتے ہیں، اپنے فائدے کے لیے کسی کی بھی جان لے لینا ان کے لیے عام بات ہے اگر ایسا کوئی کیس یورپ میں ہوتا تو اب تک مجرم سزا پاچکے ہوتے..... نہ جانے ہمارے ملک میں انصاف اتنا مہنگا اور نایاب کیوں ہے؟" وہ فائل بند کرنے کے بعد کافی دیر مسلسل نظام کے خلاف بولتی رہی۔

"مس زارا! نظام کوئی آسمانی چیز نہیں ہے اسے ہم اور آپ جیسے لوگ ہی مل کر بناتے ہیں۔ یہ انفرادی خامیاں ہیں جو اجتماعیت کا روپ دھار کر ہمارے ملک کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہیں۔" اس موضوع پہ وہ خود بلا تکان بول



www.zemtime.com

سکتا تھا۔

''آپ نے اس لڑکی سے بات کی؟''

''وہ بعد کا مرحلہ ہے مس زارا، اس کے علاوہ بھی ان دونوں کو پکڑنے کے لیے ہمارے پاس کافی ثبوت ہیں۔''

''چلیں پھر اللہ کا نام لے کر کام شروع کرتے ہیں، آپ مقتول کے گھر والوں کو بھی خبر کردیں۔'' یہ اس کا پہلا کیس تھا جو کافی مشکل اور اونچے درجے کا تھا سو وہ حد درجہ پر جوش تھی۔

''مس زارا! آپ اپنا خیال رکھیے گا۔'' گفتگو سمٹ چکی تھی زارا کو جانا تھا لیکن تاشفین وہیں بیٹھے تھے۔

''آپ شاید اس کیس کو لے کر پریشان ہیں؟'' وہ مسکرائی۔ ''میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں تاشفین صاحب۔'' اب مسکراہٹ کافی گہری تھی۔

''میں اس کیس کے حوالے سے نہیں کہہ رہا اور بھی بہت سارے لوگ آپ کے گرد ایسے ہیں جو اعتبار کے قابل نہیں۔'' تاشفین کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اسے سمجھائیں۔

''میں بچی نہیں ہوں تاشفین.....'' وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دروازہ ناک کرتے ہی سعد صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

''سعد صاحب! آیئے بیٹھیے۔'' اس نے ایک دم کھڑے ہوکر نہایت پرتپاک طریقے سے ان کا استقبال کیا۔

''ارے تاشفین.....تم یہاں کام کرتے ہو؟ دیکھو مجھے پتا ہی نہیں تھا۔'' ان کے انداز میں کس قدر حقارت تھی یہ صرف تاشفین جانتا تھا۔

''آپ بیٹھیے مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔'' وہ ان کو مکمل نظر انداز کرتے وہاں سے چلا گیا۔

تاشفین کو اپنا دماغ کھولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کس قدر بے وقوف لڑکی تھی، اس کی بات سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ تاشفین کو سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کریں؟ کیسے اس انسان کو وہاں سے باہر کریں جس سے ان کا خونی رشتہ بھی تھا۔ کتنی ہی دیر راہداری میں ٹہلتے رہنے کے بعد وہ اپنے کیبن میں آیا۔ اس نے اپنے سارے ضروری کام چھوڑ دیے، اسے تب تک یہاں سے نہیں جانا تھا جب تک چچا جان یہاں تھے۔

''میں یہ سب کیوں محسوس کر رہا ہوں؟ وہ وکیل ہے، دن میں سینکڑوں لوگوں سے ملاقات ہوتی ہوگی مجھے چچا جان کا آنا اس قدر برا کیوں لگ رہا ہے، یہ سب دیکھنا میرے لیے مشکل کیوں ہو رہا ہے؟'' وہ کتنے ہی لمحے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ان سوالوں کا جواب تلاش کرتا رہا اور ہر سوال کا جواب تاشفین کو حیران کر رہا تھا۔

اس کی زندگی میں لطیف جذبات کی جگہ بالکل نہیں تھی۔ وہ لڑکیوں سے فاصلہ رکھنا پسند کرتا تھا، محبت یا اس جیسے کسی جذبے پہ یقین نہیں تھا لیکن اس لمحے سارے جواب اس کے خلاف تھے۔ اگر اس کے دل میں پنپتے جذبات کو ہی محبت کا نام دیا جاتا تو یہ اس کے لیے ایک انہونا واقع تھا۔ وہ محبت ہوجانے کے اسباب سے ناواقف تھا سو سوچنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ سوچ و بچار میں مصروف تھا جب باہر شور بلند ہوا، وہ ایک دم چونک کر اٹھا اور باہر کی جانب بڑھا۔ دماغ ایک دم اسلم خان درانی کی جانب گیا کہ کہیں ان لوگوں نے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کردیا ہو۔

''کیا ہوا.....یہ شور کیسا ہے؟'' اس نے سامنے سے آتے آفس بوائے سے پوچھا۔

''وہ میم کے آفس میں کچھ ہوا ہے۔'' اس کی بات سنتے ہی وہ فوراً سے اس جانب بڑھا اور سامنے کا منظر خلاف توقع تھا۔ زارا حسین کا چہرہ حد درجہ سرخ اور سامنے تن کے کھڑے چچا جان۔ وہ ایک لمحے کو سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔



www.zemtime.com

"آپ نے سنا نہیں دفع ہو جایئے میرے آفس سے..... گارڈز..... کہاں ہیں سب انہیں نکالوں یہاں سے۔" وہ حلق کے بل چیخی۔

"اس حرکت کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔" چچا جان اس کے سامنے انگلی لہراتے، گارڈ سے اپنا ہاتھ چھڑاتے اسے دھمکی دیتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

وہ لمحے میں سب سمجھ گیا۔ وہ آگے بڑھ کر اسے تسلی دینا چاہتا تھا لیکن شرمندگی کی گہری کھائی تھی جس میں خود کو گرتا محسوس کر رہا تھا۔ وہ خود کو اس کا سامنے کرنے کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا سو خاموشی سے بنا کچھ کہے نکل گیا۔

"چچا جان! کاش آپ اپنے علاوہ بھی کسی کا بھلا سوچ لیا کریں۔" وہ آفس سے نکلتے ہوئے عبدالودود کو کال کرنا نہیں بھولا اور یہاں ہونے والا سارا قصہ اسے کہہ سنایا تھا۔

☆.....☆.....☆

سردیوں کی آمد تھی۔ صبح کی ٹھنڈک میں شرمائی دھوپ کی مدھم کرنیں خوب بھلی محسوس ہو رہی تھی۔ دھوپ کے نرم گرم احساس کے باعث ہی طالبات کی کثیر تعداد گھاس کے وسیع قطعے پہ بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ جہاں دیکھو وہاں چند لوگ دائرہ بنائے اپنے من پسند کام میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ اس ہجوم میں وہ تنہا چنبیلی کے پودے کے پاس بیٹھی مرجھائے پھول چننے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہونے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کنزیٰ کو اپنے قریب پہنچتے دیکھ کر عزت سمٹ سی گئی۔ صبح سے وہ اس ایک لمحے سے بھاگ رہی تھی لیکن کب تک بھاگ سکتی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے خود کو پرسکون کیا لیکن اپنا مشغلہ جاری رکھا۔

"عزت! مجھ سے کیوں ناراض ہو؟" کئی لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" وجود میں چلتے طوفان کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سکون سے جواب دیا۔

"اگر ناراض نہیں ہو تو صبح سے چھپ کیوں رہی ہو؟ مجھ سے بات نہیں کر رہی، کوئی لیکچر نہیں لیا اور یہاں سب سے الگ تھلگ ایک کونے میں بیٹھی ہو۔" اس کا اترا چہرہ کنزیٰ کو تکلیف دے رہا تھا۔

"میں کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ بھیڑ میں سانس گھٹ رہا ہے سو یہاں چلی آئی۔" وہ ڈھیر ساری پتیاں اپنی گود میں اکٹھی کر چکی تھی۔ اسے جواب دیتے ہوئے بھی اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

"عزت! کل جو ہوا اسے بھول جاؤ اگر اتنی گہرائی میں جاؤ گی تو تکلیف میں رہو گی۔ کچھ باتوں کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانے میں بہتری ہوتی ہے۔" اس نے اپنا نرم ہاتھ عزت کے ہاتھ پہ رکھنا چاہا جسے اس نے پوری شدت سے جھٹک دیا۔

"میں اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔

"کل جو کچھ ہوا اس میں میرا قصور نہیں ہے، تم کسی کا غصہ مجھ پہ کیوں اتار رہی ہو؟ ہمارا رشتہ ہی کیوں ناراضی کی بھینٹ چڑھتا ہے؟" وہ اسے ہر حال میں منا لینا چاہتی تھی۔

"تمہارا قصور نہیں ہے؟ میں کیسے مان لوں کہ تم بے قصور ہو، وہ تمہارے بھائی ہیں، تمہیں سب خبر ہے کہ تم دونوں مجھے کب سے بے وقوف بنا رہے ہو۔ میں نے انہیں اپنی زندگی کا سب سے معتبر درجہ دے رکھا تھا، انہیں بھائی، دوست اور جذبات سے وابستہ ہر رشتے سے منسوب کر رکھا تھا اور تم دونوں مجھے کیا سمجھ رہے تھے۔" اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹا تو ایک دم اس کی جانب رخ کرتے ہوئے چیخی۔

"میں قسم کھاتی ہوں عزت مجھے صرف چند دن پہلے علم ہوا۔" اس کی تکلیف پہ اس کی آنکھیں بھرائیں۔



www.zemtime.com

"ایسے کسی کا یقین توڑتے ہیں، ایسے کب کوئی کسی کو بے مول کرتا ہے، میرے اندر میری ذات مر رہی ہے اور تم چاہتی ہو میں تم سے بات کروں، تمہیں ہر الزام سے بری کردوں؟ تم دونوں نے بہت غلط کیا بہت۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"عزت ایسے نہ کرو۔" وہ کچھ اور بھی کہنے والی تھی جب اس کا فون بجنے لگا۔ فون کی اسکرین پہ مجتبیٰ کا نمبر چمک رہا تھا جسے وہ دونوں دیکھ چکی تھیں۔ اس نے نہایت غصے سے کال کاٹ دی۔

"تمہیں غصہ ہے ناں کہ میں نے تمہیں کیوں نہیں بتایا تو اس کی وجہ یہ ہے۔" اس نے ہاتھ سے موبائل کی اسکرین پہ چمکتے نام کی جانب اشارہ کیا۔

"میں جانتی تھی کہ تم انہیں صرف اپنا بھائی سمجھتی ہو، تمہارے اور مجتبیٰ کے درمیان مجھے کچھ الگ سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں بھائی کی وجہ سے تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میرا قصور صرف یہ ہے کہ بھائی کو روک نہیں پائی، انہیں مجتبیٰ کے لیے تمہاری پسند نہیں بتا پائی اور ویسے بھی مجھے کب اندازہ تھا کہ سالوں کا ضبط یوں سر عام ٹوٹ کے بکھر جائے گا۔" اس نے روتے ہوئے ٹوٹے بکھرے لہجے میں وضاحت دی۔

"میں کسی کو پسند کروں یا کوئی مجھے..... وہ میرے متعلق ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں؟ تمہیں پتا ہے مجھے خود سے گھن آرہی ہے، مجھے اب بھی اپنے بازوؤں پہ ان کا لمس محسوس ہو رہا ہے، ان کی گرم سانسوں سے ابھی تک میرا چہرہ جھلس رہا ہے، تم نہیں سمجھ سکتی کنزی..... تم نہیں سمجھ سکتی۔" اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا۔

وہ کتنی ہی دیر بے بسی سے اس کا ہچکولے لیتا وجود دیکھتی رہی۔ ایک ہنستی مسکراتی لڑکی اس وقت بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں بھٹک بھٹک کر موبائل کی جلتی بجھتی اسکرین پہ جا رہی تھیں جہاں ایک ہی نام بار بار جگمگا رہا تھا۔

"عزت خود کو سنبھالو اس طرح تم بیمار پڑ جاؤ گی۔ بھائی بھی کل سے بہت پریشان ہیں ہم آپس میں بات کر کے یہ سب ٹھیک کر سکتے ہیں۔" وہ اس کے مزید قریب ہوئی۔

"نام بھی مت لینا ان کا میرے سامنے ورنہ تم یہاں سے جا سکتی ہو۔" وہ کچھ سخت بولنے والی تھی لیکن نہ جانے کیا سوچ کر چپ کر گئی اور جلدی سے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

"آپ دونوں یہاں بیٹھی ہیں اور ہم دونوں آپ کو سارے ڈیپارٹمنٹ میں ڈھونڈ آئے۔" اویس اور عبدالحنان ان کے پاس بیٹھ گئے جیسے نہ جانے کتنی مشقت کر کے آئے ہوں۔ کنزی سمجھ گئی تھی وہ کیوں آنسو صاف کر رہی تھی اور فوراً گھٹنوں میں منہ دے چکی تھی۔

"یہ آپ کیوں چہرہ چھپائے بیٹھی ہیں؟" عبدالحنان نے اس کی خاموشی کو بروقت محسوس کر لیا تھا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے کئی لمحے جواب نہ دیا تو کنزی بول پڑی۔

"اف خدایا..... میں جس کام سے آیا تھا وہی بھول گیا۔ عزت آپ کو مجتبیٰ نے کئی کالز کی ہیں، اس کی بات نہیں ہوئی تو پریشان ہو رہا تھا۔ آپ پلیز اسے کال کر لیں۔" وہ الجھی نگاہوں سے عزت کے جھکے سر کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ سب لوگ جائیں میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے بنا سر اٹھائے کہا۔ اویس نے سوالیہ نگاہوں سے کنزی کی جانب دیکھا لیکن وہ بھی کندھے اچکا کے رہ گئی۔ وہ بیٹھی رہتی تو ان لوگوں نے نہیں جانا تھا سو وہ بھی مجبوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

چھوٹے سے صحن کے ایک طرف باغیچہ نہایت خوب صورت تھا۔ چھوٹے چھوٹے پودوں کو سنہری کرنوں کے



www.zemtime.com

چھونے کا منظر نہایت دیدہ زیب ہوتا تھا۔ وہ کافی دیر سے باغیچے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ چھوٹا سا احاطہ ان کے گھر کے وسیع و عریض لان کے سامنے کچھ نہیں تھا لیکن ان پودوں بیلوں سے لپٹی محبت سب فرق مٹا رہی تھی۔ وہ پچھلے کئی لمحوں سے ہر چیز کا موازنہ اپنے گھر سے کر رہی تھیں۔ وہ کبھی اس گھر سے کہیں نہیں گئی تھی، اس گھر سے ان کی وابستگی عمر قید کی سزا پانے والے قیدی سی تھی اور یہ سزا خود ان کا انتخاب تھی۔ ان چند دنوں میں ان کے خیال کی پرواز کئی بار زبیر احمد کی جانب گئی لیکن ہر بار خیال کی جڑ کو پرانی باتیں دیمک کی طرح کھا گئی تھی۔

''ماما! کتنی دیر یہاں بیٹھنے کا ارادہ ہے؟'' وہ کافی دیر سے ان کا انہماک دیکھ رہا تھا۔

''کبھی اپنے ساتھ بھی وقت گزارنا چاہیے اور آج تو یوں لگتا ہے سالوں بعد خود سے ملاقات ہوئی ہے۔'' وہ خیالوں کی دیدہ زیب وادی سے واپس نہیں آنا چاہتی تھیں لیکن مجتبیٰ ان کے پہلو میں بیٹھ چکا تھا سو اپنی خواہش ادھوری چھوڑ دی۔

''پھر کیسا وقت گزرا اپنے ساتھ؟'' اس نے گفتگو کو بڑھانا چاہا۔ کئی دنوں کی بھاگ دوڑ اور اعصابی تھکن کے بعد یہ چند خوشگوار لمحے غنیمت تھے۔

''اپنے ساتھ تو سب کا وقت اچھا گزرتا ہے مسائل تو دوسرے پیدا کرتے ہیں۔ کئی باتیں، سوچیں، جذبے، خیال، خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق سوچنے سے ہم ڈرتے ہیں لیکن ایسے لمحوں میں وہ سب کچھ یاد آجاتا ہے۔ سود و زیاں کا حساب کھل جاتا ہے، کیا کھویا کیا پایا یہ معلوم ہو جاتا ہے اور انہی لمحوں میں زندگی کا مقصد واضح ہوتا ہے، اس راستے کا تعین ہو جاتا ہے جس پہ چل کر منزل تک پہنچا ممکن ہو۔''

''اس حساب کتاب سے پھر کیا معلوم ہوا؟'' اسے یہ باتیں دلچسپ محسوس ہو رہی تھیں۔

''میں نے آج اپنی زندگی کو ایک عنوان دیا ہے۔''

''کیا اور کیسا؟'' اس کے لہجے میں جوش نظر آیا۔

''مرگ تمنا.....''

''یہ کیسا عنوان ہوا؟'' چہرے پہ کشمکش پھیلی۔

''آج میں نے سالوں کا موازنہ کیا ہے اور مجھ پہ یہ انکشاف ہوا ہے کہ میں ان سالوں میں مسلسل دوڑتی رہی ہوں، کبھی ایک خواہش کے پیچھے، کبھی دوسری خواہش، کبھی ایک تمنا اور کبھی دوسری لیکن اتنا بھاگنے کے بعد بھی میں خالی دامن رہی ہوں۔ سالوں بعد بھی میری دوڑ ختم نہیں ہوئی اور شاید مرنے تک نہیں ہوگی لیکن میں آج بھی اسی مقام پہ کھڑی ہوں جہاں سے بھاگنا شروع کیا تھا۔'' انہوں نے ایک نظر اپنے اردگرد دیکھا اور اپنی بات کی سچائی پہ یقین آگیا۔

''ایسا تو تقریباً ہر انسان کی زندگی میں ہوتا ہے ماما..... ہر کوئی اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔'' اس نے اپنے مشاہدے کے مطابق بات کی۔

''تو سب غلط کرتے ہیں ناں۔ ہم کیوں بھاگتے ہیں، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس دوڑ میں ہم اپنے مقام سے ہٹ جاتے ہیں اور پھر جب قدموں تلے اپنی زمین نہ ہو تو ہم کسی تنکے سے بھی ہلکے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ ٹک جانا چاہیے، ٹھہر جانا چاہیے اور جو ہماری قسمت میں ہو اسے قبول کر لینا چاہیے۔ یہ بھاگنا اور مسلسل بھاگنا آپ کو تھکا دے گا، مار دے گا لیکن اطمینان نہیں دے گا۔'' آج انہیں سالوں کی محنت اکارت جاتی محسوس ہوئی۔

''آپ کے کہنے کا مطلب ہے ہمیں محنت نہیں کرنی چاہیے؟'' وہ ان کی باتوں سے الجھا۔



www.zemtime.com
ZEMTime.com

''محنت اور مقدر سے لڑائی میں بہت فرق ہے مجتبیٰ۔ ان کے درمیان نہایت باریک سی لکیر ہے اور جب یہ باریک سا فرق ہم پہچان لیں گے تب ہی خواہش اور ضرورت میں کس کا پلڑا بھاری رکھنا ہے یہ جان لیں گے۔'' انہوں نے اسے آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''اگر آپ مقدر پہ اس قدر یقین رکھتی ہیں تو اپنے ماضی کو قبول کیوں نہیں کر لیتیں؟ اپنے ساتھ ہوئے حادثات پہ دوسروں سے ناراض رہنے کی بجائے بھولنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟'' مجتبیٰ نے نیا نقطہ اٹھایا۔

''مجھے آج سے پہلے اس چیز کا احساس کب ہوا تھا مجتبیٰ..... آج ہی تو معلوم ہوا کہ میری زندگی تو زیاں کا دوسرا نام ہے، میں تو خسارے کے راستے پہ چل رہی تھی لیکن دیکھو ناں انسان ہوں زیاں کا احساس تو ہے لیکن اس کے خاتمے کی جانب قدم اٹھانا نہایت مشکل لگ رہا ہے۔'' دھوپ ان کے وجود سے ہٹ چکی تھیں انہوں نے بھی گفتگو کو سمیٹنے کی کوشش کی۔

''سفید حویلی کے اس قدر قریب آ کر بھی کوشش مشکل ہے؟'' جس سوال کا جواب وہ خود کو نہیں دے پا رہی تھیں وہ مجتبیٰ کر بیٹھا تھا۔

''ہاں..... بہت مشکل۔'' انہوں نے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔

''اگر آپ چاہیں تو کئی راستے نکل سکتے ہیں۔'' اس نے انہیں قائل کرنا چاہا۔

''تم یہ سب باتیں چھوڑو یہ بتاؤ عزت سے بات ہوئی؟'' انہوں نے ایک دم موضوع ہی بدل دیا۔

''نہیں..... میں نے بہت کالز کیں پھر اویس کو کہا تو اس نے بتایا کہ عزت کی طبیعت خراب ہے شاید اس وجہ سے کال نہیں اٹھا پائی۔'' اس نے انہیں مکمل تفصیل بتائی۔

''اوہ..... چلو جب بھی گھر کا ایڈریس ملا بتا دینا ہم پہلی فرصت میں جائیں گے۔'' وہ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ماما! یہ سب بہت اچانک ہوگا۔ میری اس سلسلے میں اس سے کبھی بات نہیں ہوئی اور وہ بہت اسٹریٹ فارورڈ ہے منہ پہ انکار مارے گی۔''

''تم اس سے ڈرتے ہو مجتبیٰ؟'' وہ کافی حیرانی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔

''وہ ہے ہی ایسی ماما کہ سب اس سے ڈرتے ہیں۔'' اس نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

''چلو دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔'' اس کی بے بسی پہ مسکراتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئیں۔

☆.....☆.....☆

نبیل انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے حویلی پہنچا تھا۔ اسے حویلی آنے سے امی نے منع کیا تھا لیکن ان کی بھیگی آواز اس کے قدموں کو باندھ نہیں سکی تھی۔ یہ سالوں بعد تھا کہ وہ دن کے اجالے میں اپنے ہی گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس حویلی میں ہونے والی غیر قانونی سرگرمیاں اس کی ایمان دار فطرت کو بارہا مجروح کرتی تھیں اور امی نے اس طرف سے آنکھیں بند کرنے کا کہہ رکھا تھا سو بہتر یہ ہی تھا کہ وہ کچھ نہ دیکھے پر ایسا ممکن نہ تھا۔ حویلی کی پتھریلی راہ داری پہ گاڑی روکتے ہوئے اسے معلوم تھا کہ آج بھی حویلی کے عقب میں چند اوباش لوگ بیٹھے ہوں گے۔ منشیات کا دھندہ عروج پہ ہوگا اور کوئی نا کوئی نسوانی آفت دلربائی کا کام سرانجام دے رہی ہوگی۔ وہاں کثیر تعداد میں رکھے اسلحے پہ کتنے ہی نامعلوم بے قصور لوگوں کے لیے موت کا فرمان درج ہوگا لیکن چونکہ اسے آنکھیں بند رکھنی تھیں سو وہ حویلی کا قدیم طرز کا آرائشی دروازہ پار کرتے ہوئے اندرونی حصے میں داخل ہوا تھا۔

وہ بنا رکے سیدھا عائشہ بیگم کے کمرے میں آیا۔ کئی ملازمین اپنے کام چھوڑ کر حیرانی سے آنے والے کو دیکھ رہے تھے



www.zemtime.com

جو اسی حویلی کا فرد تھا مگر کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ رکھی نے گہری نگاہوں سے اس اونچے لمبے جوان کو دیکھا جس کی نگاہوں میں سرخی رت جگے کی غماز تھی، اس کی چال میں عجب سی بے نیازی تھی جیسے اس حویلی کو اپنی ٹھوکر پہ رکھنا چاہتا ہو اور اس سے زیادہ دیکھنا رکھی کے بس میں نہیں تھا سو بھاگتی ہوئی حویلی کے پچھلے حصے کی جانب بھاگی۔

''نبیل! میرے بچے کیسے ہو؟'' وہ اسے دیکھتے ہی والہانہ اس کی طرف بڑھیں۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟ ساری رات میں سو نہیں سکا، آپ کی بھیگی آواز نے مجھے بے چین کر رکھا امی۔'' وہ گہری نگاہوں سے ان کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جیسے کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''میں نے تمہیں آنے سے منع کیا تھا ناں نبیل۔'' کچھ لمحے گزرنے کے بعد ہی خیال آیا کہ وہ کیا حماقت کر بیٹھا ہے۔

''یہ ہی میں پوچھنے آیا ہوں کہ ایسا کیا ہوا ہے جو آپ مجھے یہاں آنے سے روک رہی ہیں۔'' ان کے چہرے پہ ایک دم جھلکنے والے خوف نے اسے مزید بے چین کیا۔

''یہ تم فون پہ بھی پوچھ سکتے تھے۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا اسے ہوا میں تحلیل کر دیں یا سلیمانی ٹوپی پہنا کر نظروں سے اوجھل۔ ''تمہیں کسی نے نہیں دیکھا ہوگا تم فوراً سے بھی پہلے یہاں سے چلے جاؤ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے بھی اٹھانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''سب مجھے دیکھ چکے ہیں امی خاص طور پہ رکھی۔'' اس کی بات سن کر ڈھیلے انداز میں واپس بیٹھ گئیں۔

''تم کبھی میری بات نہیں سنتے۔''

''ابھی میں آپ کی بات ہی سننے آیا ہوں۔'' اس کا پختہ لہجہ یہ بتانے کو کافی تھا کہ وہ جانے بنا یہاں سے ہٹنے والا نہیں۔

انہوں نے چند لمحے سوچا اور آخر کار نپے تلے انداز میں وہ سب کہہ سنایا جو ان کے اور اسلم خان درانی کے مابین بات ہوئی تھی۔ ان کی بات کے اختتام تک نبیل کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا، بند مٹھیاں ضبط کی کوشش کی گواہ تھیں لیکن اس سے زیادہ حقیقت کو دفنانا ان کے بس میں نہیں تھا۔ یہ قانون فطرت ہے غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں اور گناہ خاموش کرا دیے جانے کے باوجود سالوں بعد بھی چیخ پڑتے ہیں، ظلم اپنا حساب مانگتا ہے اور حساب دینا ازل سے ابد تک کبھی آسان نہیں ہوا کرتا۔

''وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان کے ٹکڑوں پہ پل رہے ہیں، اس جائیداد میں میرے باپ کا حصہ بھی ہے۔'' ضبط کے باوجود اس کی آواز بلند ہوئی۔

''ہاں وہ باپ جوان کی دشمنیوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔'' سالوں گزر گئے تھے اس غم کو روتے ہوئے لیکن غم اب بھی تازہ تھا۔

''میں اب آپ کو یہاں نہیں رہنے دوں گا، کب سے آپ کو کہہ رہا ہوں میرے ساتھ لاہور چلیں لیکن آپ مانتی ہی نہیں، اب میں آپ کی ایک نہیں سنوں گا، آپ کو ہر حال میں ابھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

آج وہ خود مخمصے میں پڑ گئی تھیں۔ یہاں ان کے قیام کا مقصد صرف اسے مصیبتوں سے بچانا تھا لیکن اب یہاں رہنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں رہا تھا۔

''اوئے لڑکے! تجھے چودھری صاحب بلا رہے ہیں۔'' رکھی دروازے کھٹکائے بنا اندر داخل ہوئی۔ اس کے تیور نبیل کا پارہ مزید بلند کر گیا۔



www.zemtime.com

"آپ تیاری کیجیے میں ابھی آتا ہوں۔" وہ انہیں تسلی دیتا کمرے سے نکل گیا جب کہ وہ تیاری کرنے کی بجائے جائے نماز پہ حاجت کے نفل پڑھنے کے لیے کھڑی ہوگئیں۔ وہ ان کی زندگی بھر کی کمائی تھا اور ان کے پاس فقط اس کے لیے دعائیں ہی تھیں۔

حویلی کی پشت پہ ویسا ہی ماحول تھا جیسے سالوں پہلے اس نے دیکھا تھا، بس کئی چہرے بدل گئے تھے۔ اس نے طائرانہ نگاہ چاروں طرف ڈالی اور ایک کونے میں بنے چند کمروں کی جانب بڑھ گیا۔ وہ چند اسلحہ بردار لڑکوں کے گھیرے میں وہیں بیٹھے تھے، انداز میں وہی تفاخر اور تکبر تھا، وقت کی رفتار ان کی کرختگی کو کم نہیں کر پائی تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا؟" نہ جانے کتنے سال بعد سامنا ہوا تھا لیکن ان کے ملاپ میں خون کی کشش نام کی نہیں تھی۔

"ہاں..... بیٹھو۔" انہوں نے اشارے سے سب لڑکوں کو باہر بھیج دیا سوائے ایک کے اور اس انسان کو نبیل جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا شاید پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یقیناً تمہاری ماں نے تمہیں ہمارے مطالبات بتا دیے ہوں گے؟" وہ بنا کسی تکلف میں پڑے اپنے مدعا پہ آئے۔

"جی بتا دیے لیکن آپ غلط انسان کے سامنے اپنے مطالبات رکھ رہے ہیں۔" اگر وہ سب رشتے بھلانے پہ آمادہ تھے تو اس نے بھی لگی لپٹی رکھنے کی کوشش نہیں کی۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں، وہ سب جانتی ہے۔" اس کا دوٹوک رویہ برداشت کرنا مشکل تھا سو لہجہ بلند ہوا۔

"وہ کچھ نہیں جانتی اور اگر جانتی بھی ہیں تو آپ کو کیوں بتائیں؟" ان کا سرخ ہوتا چہرہ اسے سکون دے رہا تھا۔ اس نے آرام سے پیچھے ہو کر ٹیک لگائی اور بائیں ٹانگ پہ دائیں ٹانگ چڑھا کر مطمئن انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کا یہ انداز آگ لگانے کے لیے کافی تھا۔

"تم سب لوگ آستین کا سانپ ہو، جس کو بھی سہارا دیا اس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور اب یہ ہی کام تم اور تمہاری ماں کر رہے ہیں۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں نبیل مجھے ان لوگوں کے متعلق معلومات چاہیے، وہ حرام خور ملک کے کس کونے میں چھپے ہوئے ہیں۔ تمہاری ماں کے پاس چند دنوں کا وقت ہے مجھے بتا دے ورنہ ذمہ دار تم لوگ خود ہوگے۔" ان کا انداز بے لچک تھا۔

"میں انہیں یہاں سے لے جا رہا ہوں اور اگر کبھی مجھے ان کے متعلق علم ہوا تو آپ کو آگاہ کر دوں گا۔" اس نے ترش لہجے میں جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"وہ یہاں سے نہیں جا سکتی۔" اس کے انکار نے ماحول میں تناؤ پیدا کیا۔

"وہ میری ماں ہیں اور میں انہیں کہیں بھی لے جا سکتا ہوں۔" وہ واپس مڑا اور فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں، لے جا سکتے ہو لیکن میری بات ماننے کے بعد۔" وہ بڑی گہری نگاہوں سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ ان کا وارث ضرور تھا لیکن اس پہ بھی کڑی نگاہ رکھنا ضروری تھی۔ ایک ذرا سی لغزش بادشاہوں کے تخت الٹ دیتی ہے اس لیے وہ ایسی کوئی غلطی نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔

"یہ آپ غلط کر رہے ہیں۔" اس نے ان کے پیچھے کھڑی اسلحہ بردار کو دیکھا۔

"اب ہی تو صحیح کر رہا ہوں، تم غلط ٹھیک کا فرق چھوڑو اور میری مدد کرو آخر کار اس سب کا فائدہ تمہیں ہی ہونا ہے یہ سب تمہارا ہی تو ہے۔" وہ اس کے سامنے دانہ ڈال رہے تھے جو وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔



www.zemtime.com

"آج نہیں تو کل میں انہیں یہاں سے لے جاؤں گا لیکن آپ کے ہاتھ کیا آنے والا ہے یہ آپ کو وقت بہت جلد بتائے گا۔" وہ مزید کچھ کہے وہاں سے لمبے ڈگ بھرتا نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

افشین کتنی ہی دیر سے ڈیپارٹمنٹ کی راہداریوں میں گھومتے ہوئے حازم کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ انہیں کتنی بار کال کر چکی تھی لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ممی کا پریشر اس پہ بڑھ رہا تھا، اس کے لیے فیصلہ کن صورت حال بنی ہوئی تھی لیکن کتنی بار کوشش کے باوجود حازم سے بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں یہ بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات نہیں کرنا چاہتے یا موقع نہیں مل رہا۔ وہ مایوس ہو کر تلاش کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کیفے کی جانب چلی آئی۔ وہ کیفے کاؤنٹر کے قریب کھڑی تھی جب اسے کچھ دور ایک کونے میں وہ بیٹھے دکھائی دیے، انہیں وہاں دیکھ کر اس کے بے چین دل کو قرار آیا۔ اس نے چائے کا کپ لیا اور مسکراتے ہوئے اسی جانب چلی آئی۔

"تم یہاں بیٹھے ہو اور میں تمہیں ہر جگہ ڈھونڈ آئی۔" افشین نے بڑے پرجوش انداز میں کہا۔ انہوں نے اسے دیکھ کر زبردستی مسکرانے کی کوشش کی لیکن وہ لمحے میں مسکراہٹ کی حقیقت کو جان گئی تھی۔

"کیا تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا؟"

"ایسی بات نہیں۔" وہ اپنے خیالوں کو جھٹکتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

وہ جو بات کرنے آئی تھی وہ بھول ہی گئی۔ کتنے ہی لمحے اسے سمجھ میں نہیں آئی کہ ایسے سرد تاثرات پہ وہ کیا ردعمل دے گا۔ وہ خود کو جان محفل سمجھتی تھی، اس کی اداؤں کے سامنے کسی اور خیال میں کھویا رہنا آسان نہیں تھا لیکن وہ کہیں اور گم تھے۔ یہ نظر اندازی سہنا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" ان کی جگہ کوئی اور ہوتی تو وہ کب کی اٹھ کر چلی گئی ہوتی لیکن نہ جانے ان میں کیا سحر تھا کہ وہ چاہ کر بھی ان سے دور نہیں جا پاتی تھی۔ ان کے مدار میں گردش کرنا اس کی خواہش تھی۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں افشین۔ ایسی باتیں مت سوچو۔"

"پھر اتنے خاموش کیوں ہو؟"

"بس ایک چھوٹی سی پریشانی ہے۔" انہوں نے دائیں ہاتھ سے پیشانی کو مسلنا شروع کیا جس سے صاف ظاہر تھا کہ پریشانی چھوٹی نہیں ہے۔

"ایسی کون سی پریشانی ہے جو مجھے دیکھ کر بھی غائب نہیں ہوئی۔" اس نے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے ادائے بے نیازی سے پوچھا۔

انہوں نے جواب دینے کے لیے لب کھولے لیکن نگاہیں کسی اور زاویے پہ مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔ افشین نے ان کے ساکت انداز پہ اسی سمت دیکھا لیکن اچھا بھلا مزاج لمحے میں غارت ہو گیا تھا۔ ان سے کچھ فاصلے پہ عزت کھڑی تھی۔ وہ اسے مسلسل گھورنے میں مصروف تھی کہ اسی پل ان کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں۔ افشین کو اپنے لیے اس کی آنکھوں میں حقارت کا دریا بہتا نظر آیا تھا۔ اس کی نفرت محسوس کر کے افشین کی رگیں سلگنے لگی تھیں۔

"بتاؤ ناں حازم کون سی پریشانی ہے؟" اس نے عزت کی جانب ایک مکار مسکراہٹ اچھالی اور اپنا نازک ہاتھ ایک ادا سے حازم کے ہاتھ پہ رکھ دیا جو اب بھی اسی جانب متوجہ تھا۔ اس کے ہاتھ پکڑنے کی دیر تھی عزت لمحہ ضائع کیے بنا وہاں سے چلی گئی۔ اس نے مطمئن ہو کر دوبارہ حازم کی جانب نگاہیں کیں لیکن وہ اب بھی اسی جانب دیکھ رہے تھے۔



www.zemtime.com

''وہ جا چکی ہے حازم۔'' اس نے ہاتھ ہلا کر جمود توڑنے کی کوشش کی۔ ''تم نے بتایا نہیں کیا پریشانی ہے؟'' اس نے دوبارہ سوال دہرایا۔

''عزت.....'' اس نام سے اسے نفرت تھی لیکن حازم کے منہ سے سننا اس سے بھی برا تجربہ تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا کہ شاید وہ دوبارہ آ گئی ہے لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

''وہ جا چکی ہے۔'' ان کے کھوئے ہوئے انداز کو دیکھتے ہوئے اس نے تقریباً چبا چبا کر بتایا۔

''میری پریشانی کی وجہ وہ ہے۔'' وہ تھک چکے تھے۔ سالوں اپنی محبت کو دل میں دباتے وہ اب ٹوٹنے لگے تھے، اپنے جذبات کا بوجھ اٹھا کر تھک چکے تھے، اس کے روٹھے رہنے کے خوف سے ڈرنے لگے تھے۔ اب وہ پذیرائی چاہتے تھے، اس کی نظر کرم کے تمنائی تھے، اپنی محبت کے خواب کی تعبیر اس کی نگاہوں میں چمکتے دیکھنا ان کی اولین خواہش تھی۔ اب وہ سہارا چاہ رہے تھے، اب تکلیف رونے کو کندھے کی تمنا تھی اور اس لمحے انہیں اپنا رفو گر اس کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔

ان کی آنکھوں کی سرخی اور چہرے پہ رقم بے بسی نے اسے کئی لمحے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے سوالوں کا جواب عزت ہوگا۔ وہ اس لڑکی کے متعلق بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس وقت مجبور تھی کیونکہ اس نے کئی بار خود وجہ جاننے کی کوشش کی تھی۔

''تم بھی ناں بلاوجہ سب کی پریشانیاں پال لیتے ہو۔ اس کے گھر والے ہوں گے اس کا اچھا برا سوچنے کے لیے، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے حازم کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر سہلانا شروع کر دیا۔ وہ انہیں اپنا لمس محسوس کرانا چاہتی تھی۔ سوچوں کا رخ بدلنا اسے نہایت آسان لگتا تھا۔

''مسئلہ یہ نہیں ہے افشین کہ اس کا ہمارے علاوہ کوئی ہے یا نہیں۔''

''پھر.....؟''

''مسئلہ یہ ہے کہ میرا اس کے سوا کوئی نہیں۔'' کیسا درد چھپا تھا اس بات میں کہ وہ ساری نفرت بھول بھال کر حازم کا چہرہ دیکھنے لگی جہاں آج وہ باتیں رقم تھیں جن کا گزر کبھی اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

وہ حازم شفیق کو اپنا دیوانہ سمجھتی تھی، اس کے لیے دیے انداز کو شرافت سمجھنے کی بجائے اپنی وجود کی برتری سمجھتی رہی لیکن آج اپنے حسن کا علم اس کے دل پہ سجا دینے کا فخر نہایت شدت سے زمین بوس ہوا تھا۔ وہ اپنی موجودگی میں کسی مرد کا خیال کہیں اور بھٹکنے نہ دینے کی روادار تھی اور سامنے بیٹھا انسان اس کی سنگت میں رہتے ہوئے دل کسی اور کو پکڑا آیا تھا۔

''میرے سب راستے اس تک جاتے ہیں، میری زندگی اور میرے جینے کا مقصد وہی ہے، میری عمر بھر کی ریاضت وہ ہے۔ میں کسی اور کی پریشانی گلے میں لٹکائے نہیں گھوم رہا، کسی اور کا اچھا برا نہیں سوچ رہا..... میں عزت کے متعلق بات کر رہا ہوں اور وہ میرے لیے کیا ہے یہ میں خود نہیں جانتا اور نہ کسی کو سمجھا سکتا ہوں۔'' انہیں واقعی اس وقت کسی ہمدرد کی ضرورت تھی کیونکہ سب کہہ دینے کے بعد دل میں سکون اتر رہا تھا۔ دل کے بند کمرے میں ہوا آنے کو چھوٹی سی درز بن گئی تھی۔

محبت کوئی معجزہ نہیں جو سالوں نہ ہو بلکہ ایک نرم گداز سا خواب ہے جو ہر آنکھ میں اتر سکتا ہے اور جب محبت ہو جاتی ہے تو وہ بار بار اپنا ذکر مانگتی ہے، ہر سو اپنا نام سننا چاہتی ہے۔ یہ کبھی سرگوشی بنا کر کسی دوسرے کان میں اتاری جاتی ہے اور کبھی سفید کاغذ پہ لفظوں کی صورت بصارت میں محفوظ کی جاتی ہے، کبھی گرم دوپہروں میں دو سہیلیوں کے درمیان دھیمی سی مسکراہٹ میں ڈھل جاتی ہے اور کبھی سرد لمبی راتوں میں جاگتی آنکھوں کے عکس میں بہنے کو آ جاتی ہے۔ کبھی خوشبو بن



www.zemtime.com

کر فضا میں بکھر جاتی ہے اور کبھی ایک آنگن سے دوسرے آنگن سرگوشیوں میں سفر کرتی ہے۔

''تو اس میں..... میرا مطلب ہے پسند کرتے ہو تو پھر یہ..... یہ پریشانی کیوں ہے؟'' اس کے لیے بولنا نہایت مشکل ہو رہا تھا۔ خود پہ شدید قسم کا غصہ آ رہا تھا کہ کیوں ابھی تک یہاں بیٹھ کر اپنی جگہ کسی دوسری کے لیے محبت کا اظہار سن رہی ہے۔

''عزت یہ سب جان گئی ہے، میں نے سالوں اس سے چھپائے رکھا لیکن کل نہ جانے کیسے ضبط ٹوٹ گیا، جذبات میں ایسا بہہ گیا کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز رہنے والی میری آنکھوں میں اپنا وجود دیکھ گئی۔'' خاموشی کسی چیز کا حل نہیں ہوتی۔ انہیں بولنا تھا، اسے منانا تھا اور یہ سوچ اس لمحے افشین سے بات کرتے ہوئے ذہن میں آئی تھی۔

''مطلب اتنے سال وہ نہیں جانتی تھی کہ تم اسے پسند کرتے ہو اور اب جب تم نے بتایا تو وہ ناراض ہو گئی؟'' اسے اب سمجھ میں آیا کہ وہ فوراً وہاں سے چلی کیوں گئی اور اس کی آنکھوں کی جلن اس کے لیے کم اور حازم کے لیے زیادہ کیوں تھی۔ یہ صورت حال اس کے لیے مفید تھی۔

''تمہیں پتا کرنا چاہیے ناں کہ وہ کیوں ناراض ہوئی ہے؟ ہو سکتا ہے وہ کسی اور کو پسند کرتی ہو کیونکہ کوئی بھی لڑکی اتنی انجان نہیں ہوتی کہ کوئی اسے سالوں سے پسند کر رہا ہو اور اسے خبر نہ ہو۔'' اس ناراضی کو طول دینا اس کے لیے فائدے مند تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ میرے لیے کنزیٰ کی طرح سوچتی رہی، اس نے مجھے ایک بھائی کی طرح سمجھا اور مانا اس وجہ سے وہ زیادہ ہرٹ ہوئی۔'' انہوں نے فوراً اس کی بات کی تردید کر دی۔ انہیں یقین تھا عزت کی زندگی میں کوئی دوسرا نہیں تھا ورنہ کنزیٰ انہیں ضرور بتاتی۔

''تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں لیکن مجھے ایسا لگتا نہیں۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جا کر عزت کا منہ نوچ لے جو اس کے ارادوں کے درمیان دیوار کی مانند کھڑی ہو گئی تھی لیکن دیوار توڑی جا سکتی تھی اور یہ ہی خیال اس کی تسلی کے لیے کافی تھا۔

''تم مجھے بتاؤ افشین۔'' انہوں نے آگے ہو کر فوراً اس کا ہاتھ تھاما اور وہ مزید جھلس کر رہ گئی۔

''وہ کیسے مانے گی، مطلب لڑکیاں کیا پسند کرتی ہیں یا اگر تمہارے ساتھ ایسا کچھ ہوتا تو تمہارا ردعمل کیا ہوتا؟'' انہیں اس کی صورت ایک مسیحا مل گیا تھا اور وہ آج ہی سب کہہ دینا چاہ رہے تھے۔

''میری مانو تو کچھ دن اس سے دور رہو مطلب تھوڑا فاصلہ رکھو۔ اسے سوچنے دو، کسی فیصلے پہ پہنچنے دو۔ میں نے تو یہ سن رکھا ہے کہ محبت سچی ہو تو مقابل کے دل تک رسائی پا جاتی ہے تو اظہار تم کر چکے ہو اب اپنی محبت آزما لو۔'' اس نے نہایت سوچ کر اور نپے تلے انداز میں جواب دیا۔ اس کے ارادے، پسندیدگی سب پس پشت چلی گئی تھی، ابھی سب سے ضروری ان دونوں کو دور رکھنا تھا اور اس کوشش کا آغاز اس نے کر دیا تھا۔

''کیا واقعی مجھے ایسا کرنا چاہیے؟'' وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئے۔

''بالکل..... میری رائے تو یہ ہی ہے۔'' اس نے نہایت آہستگی سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ اپنے خیالوں میں دوبارہ مگن ہو گئے۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور پھر کیفے سے نکل گئی۔ اس نے طائرانہ نگاہ سے اردگرد دیکھا اور چند ہی لمحوں میں مطلوبہ چیز دیکھ لی۔ اس نے تیز قدموں سے اس جانب رخ کیا جہاں عزت بینچ پہ اکیلی بیٹھی تھی۔ اس کے وجود میں انگارے سلگ رہے تھے۔ وہ عزت کے بالکل قریب آ کھڑی ہوئی۔ کسی کے پاس آنے کے احساس پہ اس نے سر اٹھا کے دیکھا اور اسے دیکھتے ہی چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس کی سرخ



www.zemtime.com

آنکھوں میں غصہ ہلکورے لینے لگا تھا۔

"ایک بات یاد رکھنا حازم شفیق صرف میرا ہے۔ تمہارے ڈورے اور معصومیت کے ڈرامے اسے مجھ سے چھین نہیں پائیں گے، میں افشین نعیم ہوں جو چیز پسند آجائے اسے ہر قیمت پہ حاصل کرنا چاہتی ہوں اور اگر مجھے نہ ملے تو کسی دوسرے کے قابل بھی نہیں چھوڑتی۔" اس کے قریب ہوتے ہوئے پھنکارتے لہجے میں دھمکی دیتے انداز میں کہا۔

"تو پھر عادتیں بدل لیجیے کیونکہ وہ کوئی چیز نہیں ایک جیتے جاگتے انسان ہیں۔" اپنا دکھ بھولے اس نے منہ توڑ جواب دیا جو بھی تھا وہ آج بھی ان کے متعلق ایسی گھٹیا بات نہیں سن سکتی تھی۔ "آئندہ سوچ سمجھ کر ایسی واہیات باتیں میرے ساتھ کرنا کیونکہ میں بھی ہر بار لحاظ نہیں کرتی اور اگر کوئی ایک بار نہ سمجھے تو دوسری بار بات کرنے کے قابل نہیں چھوڑتی۔" وہ ایک حد میں رہتے ہوئے جتنا سخت بول سکتی تھی بول گئی۔ افشین نعیم وہاں سے جا چکی تھی لیکن اس کا دکھ مزید بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زبیر احمد ایک ضروری میٹنگ کے لیے آفس سے نکل رہے تھے۔ آفس کا دروازہ کھولتے ہی سامنے کھڑے مختار احمد کو دیکھا تو سارے ضروری کام ادھورے نظر آنے لگے۔

"آپ یہاں؟ مجھے بلوالیا ہوتا۔" انہوں نے اپنے قدم واپس موڑ لیے۔

"ہاں جیسے تم تو میرے کہنے پہ دوڑے چلے آتے۔" مختار احمد کے لہجے میں تلخی اور طنز واضح تھا۔

"آج بھی آپ کو مجھ سے شکوے ہیں لیکن اب مجھے دکھ نہیں ہوتا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں آپ کو کبھی خوش نہیں کر سکتا۔" وہ آفس کے سٹنگ ایریا کے جانب چل دیے۔

"تم نے کبھی مجھے خوش کرنے کی کوشش کی ہو تو مجھے خوشی ملے ناں۔"

"جی میری ہی کوتاہی ہوگی۔" زبیر نے ہاتھ سینے پہ رکھتے ہوئے آرام سے غلطی تسلیم کی۔ "کیا پئیں گے؟"

"کچھ بھی منگوالو۔" مختار احمد کے ہر انداز سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔ زبیر احمد نے چائے کے لیے کہا اور ان کے مقابل صوفے پہ بیٹھ گئے۔

"آپ خود یہاں تک آئے ہیں یقیناً کوئی بڑی بات ہوگی۔" زبیر احمد نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ان کو بھی تشویش ہو رہی تھی کیونکہ مختار احمد کی آمد بلاوجہ کبھی نہ رہی تھی۔

"تمہارا اپنی نافرمان بیوی یا بیٹے سے یقیناً رابطہ ہوگا؟" سوال کے ساتھ آنکھیں بھی ان کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔

"نہیں..... میرا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔" زبیر احمد نے ایک لمحے کا توقف کیے بنا جواب دیا۔ مختار احمد کتنی ہی دیر چہرے سے سچائی پرکھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

"میں تمہیں شروع سے کہتا آیا ہوں وہ بہت تیز عورت ہے اس پہ قابو رکھو لیکن تم نے میری ایک نہیں مانی اور اب اپنا بیٹا بھی گنوا چکے ہو۔ تم جیسے کمزور لوگ ہی خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ تم نے کبھی میری کوئی بات مانی ہوتی تو آج یوں چہرہ لٹکائے میرے سامنے نہ بیٹھے ہوتے۔" مختار احمد طنز پہ طنز کر رہے تھے۔

"ابا جان! آپ کی مان کر ہی تو اس حال میں پہنچا ہوں کہ سالوں کی ریاضت کے بعد بھی خالی دل، خالی ہاتھ، خالی دامن ہوں، میں نے آپ کو ایک غلط فیصلے سے بہت باز رکھنے کی کوشش کی لیکن تب بھی آپ نے اپنی من مرضی کی اور اس کے بعد بھی آپ کی باتیں غلط تھیں۔ میں اس تیز عورت کو چھوڑنے کو تیار تھا تب آپ نہیں مانے اور میں آپ کی مان کر اس پہ ظلم نہیں کر سکا، اسے ایک کمزور عورت ہونے کی سزا نہیں دے سکا لیکن آپ کو اس سب سے کیا؟ آپ بس



www.zemtime.com

میری غلطیوں کو شمار کیجیے اور میرا درد بھول جائیے۔" مختار احمد نے مٹھیاں بھینچ کر خود پہ ضبط کیا۔

"اچھا اس عورت کو چھوڑو لیکن کم از کم اپنا بیٹا تو محفوظ رکھتے۔" مختار احمد ہر صورت زبیر احمد کو کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہ رہے تھے۔

"مجتبیٰ محفوظ ہے، اپنی ماں کے ساتھ ہے اور مجھے یقین ہے وہ مجتبیٰ کو کبھی نقصان نہیں پہنچنے دے گی آخر کار میری طرح اس کی زندگی بھر کی کمائی بھی تو وہی ہے۔" وہ ہر طرف سے رقیہ کا دفاع کر رہے تھے جو مختار احمد سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"اس عورت کی تعریفوں سے فرصت ملے تو پیر شاہ کا بھی سوچ لینا جس کے لوگ اپنے بزرگوں کے نئے گدی نشین کا انتظار کر رہے ہیں۔" مختار احمد اب کھل کر موضوع پہ آئے۔

"میں آپ کے مزار اور اس گدی نشینی کے سلسلے سے سالوں پہلے بے دخل ہو چکا ہوں، اس لیے آپ یہ شکایت مجھ سے نہ کیجیے۔" ان کے دوٹوک جواب پہ وہ پہلو بدل کے رہ گئے۔

"زبیر! ہمارے خاندان کا نام مٹ جائے گا کچھ عقل کے ناخن لو۔" مختار احمد اس پل زبیر احمد کو دنیا کا بے وقوف انسان سمجھ رہے تھے۔

"ایک دن سب کچھ مٹ جائے گا، سب ختم ہونے کے لیے ہی ہے اس میں میرا یا آپ کا کیا زور؟"

"زبیر! مجتبیٰ مجھے دے دو ورنہ میں اسلم درانی سے ہاتھ ملا لوں گا۔" اس دھمکی کے وہ منتظر تھے سو انہوں عجیب نہیں لگا۔

"آپ اپنے ہر فیصلے کے لیے آزاد ہیں ابا جان۔" زبیر احمد ان کا پھینکا گیا ہر جال بے اثر کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے اسلم خان درانی کبھی بغیر فائدے کے ان کی مدد نہیں کرے گا۔

"ویسے اس نے آپ سے ایسا کیا مانگ لیا جو آپ کو دھمکی دینے کے لیے یہاں آنے کی زحمت کرنا پڑ گئی۔"

"وہ حیدر اور ابراہیم کا پتا چاہتا ہے، ان دونوں کی خیر چاہتے ہو تو مجتبیٰ مجھے دے دو ورنہ کتنے بے گناہوں کا خون بہے گا۔" یہ ان کا فیصلہ کن وار تھا۔ اپنے اونچے شملے کو درست کرتے ہوئے وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ ان دونوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔" اگر یہ معلوم نہ ہوتا تو اس لمحے ان کے چہرے کا اطمینان رخصت ہو چکا ہوتا۔

"کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا زبیر..... میں نے آج تک انہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی پر اب کروں گا تو یقیناً کوئی نا کوئی سراغ مل جائے گا۔" مختار احمد نے آفس کے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔

وہ کتنے ہی لمحے بے جان سے اپنی جگہ پہ بیٹھے رہے۔ یہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ انہیں کسی میٹنگ پہ جانا تھا اور یہ وہ بھول چکے تھے بس سوچوں کا اژدھام تھا جس نے ان پہ حملہ کر دیا تھا۔ وہ جانتے تھے ان دونوں کو تلاش کرنا یا اسلم درانی کے حوالے کرنا ان کے لیے ناممکن تھا لیکن دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ وہ گدی نشینی کے لیے آخری حد تک جا سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

موسم کے بدلتے رنگوں سے سارا سڈنی محظوظ ہو رہا تھا۔ کرسمس کے دن قریب تھے اس لیے ہر سو ایک چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ وہ کافی عرصے بعد ماما کے ساتھ باہر نکلی تھی اسی وجہ سے شہر کی رونقیں کچھ زیادہ ہی دلچسپ معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کی منزل کوئین وکٹوریہ شاپنگ سینٹر تھا اور یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ کوئین وکٹوریہ کے اردگرد قدرتی مناظر کی



www.zemtime.com

خوب صورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ برطانوی طرز کی عمارت ایک صدی پہلے کی یاد تازہ کرتی محسوس ہوتی تھی۔ کوئین وکٹوریہ میں ہر سال کرسمس کو لے کر نت نئے تجربات کیے جاتے تھے اور اس سال سڈنی کا سب سے بڑا کرسمس درخت کوئین وکٹوریہ میں تھا جسے دیکھنے لوگوں کی کثیر تعداد آرہی تھی۔

''لامیہ یہ تم مجھے کس قدر بھیڑ میں لے آئی ہو۔'' فاطمہ زیادہ تر گھریلو مصروفیات کو اہمیت دیتی تھیں، بھیڑ اور ہجوم سے انہیں ہمیشہ سے کوفت رہی تھی۔

''ماما! آپ پریشان مت ہوں بس لوگوں کے چہروں پہ خوشیوں کے رنگ دیکھیں..... دیکھیں ناں سب کتنے خوش ہیں۔'' وہ ان کا ہاتھ پکڑے چلتے ہوئے ہر ہر منظر کو نہایت دلجمعی سے دیکھ رہی تھی اور انہیں بھی ایسا کرنے کا کہتی جارہی تھی۔

''ہاں سب خوش ہیں، مجھے نظر آرہا ہے، تم بس جلدی سے اپنا کام کرو، میں نے کہا بھی تھا سبین کو اپنے ساتھ لے لو لیکن تم کبھی جب ضد پہ اڑ جاؤ تو آسانی سے مانتی نہیں۔'' وہ گھبراہٹ میں مسلسل بول رہی تھیں۔

''اچھا چلیں بتائیں اذلان کے لیے کیا گفٹ لوں؟'' اس نے ایک دکان کے سامنے رکتے ہوئے پوچھا۔

''اس کی پسند ناپسند تم زیادہ اچھے سے جانتی ہو۔'' انہوں نے کوئی رائے نہیں دی تو اس نے سامنے نظر آتی کپڑوں کی دکان کا رخ کیا۔ اس نے اچھا خاصا وقت صرف کر کے اذلان کے لیے تحفہ لیا اور دکان سے نکل آئی۔

''اب کہاں جارہی ہو؟ میں تھک چکی ہوں لامیہ۔'' اسے مزید آگے بڑھتے دیکھ کر انہوں نے احتجاج کیا۔

''جی مجھے معلوم ہے آپ تھک چکی ہیں اس لیے کہیں بیٹھ کر کچھ کھاتے ہیں۔'' اس کا رخ مال کے نچلے حصے کی جانب تھا جہاں اس کا پسندیدہ ریسٹورینٹ تھا۔ وہ جب بھی کوئین وکٹوریہ آتی چھوٹی رنگ برنگی مچھلیوں کی دکان کا رخ ضرور کرتی تھی۔

ماما کی وجہ سے اس نے تقریباً کونے والا میز منتخب کی اور فش آرڈر کرنے کے ساتھ ان کے لیے جوس منگوالیا۔ آرڈر آنے میں کچھ وقت تھا اس لیے ان کا دھیان بٹانے کے لیے اس نے یونیورسٹی کی باتیں شروع کردیں۔ انہیں وہاں بیٹھے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اس نے طیبہ حیدر کو شاپ میں داخل ہوتے دیکھا۔

''پھوپو یہاں کیا کررہی ہیں؟'' اسے کافی حیرانی ہوئی اور اس کی حیرانی پہ ماما نے بھی چونک کر انہیں دیکھا۔

''کس کے ساتھ ہیں..... کیا اذلان ہے؟'' ان کے ساتھ کوئی لڑکا تھا جس کی پشت ان کی جانب ہونے کی وجہ سے وہ چہرہ نہیں دیکھ پارہی تھیں۔

''نہیں..... اذلان نہیں ہے۔'' ان کا حیران ہونا فطری بات تھی۔ وہ دونوں فیملیز کے سرکل کو اچھی طرح جانتی تھی اور اذلان کے علاوہ کوئی لڑکا ایسا نہیں تھا جس کے ساتھ پھوپو کی اتنی بے تکلفی ہو کہ اس کے ساتھ مارکیٹ آئیں۔

''جو بھی ہے یہ چھوڑو انہیں یہاں انوائیٹ کرلو۔''

''میرے خیال سے انہیں اسپیس دینا چاہیے ہوسکتا ہے کوئی پرسنل میٹر ہو۔'' سب کچھ ٹھیک ہوجانے کے بعد بھی وہ فاصلوں کو محدود نہیں کرپائی تھی۔

وہ ابھی جانے، نہ جانے کی کشمکش میں تھی کہ وہ لڑکا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پھوپو کے ہاتھ سے کچھ لیا اور وہاں سے نکل گیا۔ وہ لوگ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھیں۔ اسی لمحے طیبہ حیدر کی نگاہ ان سے ٹکرائی۔ وہ کئی لمحے وہاں سے اٹھی نہیں، عجیب ساکت سا انداز تھا۔ ماما نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنی طرف بلایا تو ہلکی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پہ نمودار ہوئی۔



www.zemtime.com

''آپ لوگ یہاں کیسے؟'' ان کا لہجہ چند لمحے پہلے کے تاثرات سے برعکس تھا۔
''لامیہ نے اذلان کے لیے گفٹ لینا تھا، میں نے بارہا کہا سبین کو ساتھ لے جاؤ لیکن اس نے میری ایک نہیں مانی لیکن آپ کے ساتھ کون تھا میں پہچان نہیں پائی۔'' انہوں نے کافی تفصیل سے جواب دیا۔
''کیا آپ لوگوں نے اس کا چہرہ دیکھا؟'' نہ جانے کیوں ان کے چہرے کے تاثرات پھر سے بدلے تھے۔
''نہیں..... چہرہ دیکھ لیتی تو شاید پہچان لیتی۔'' اسے ماما کا بار بار اصرار کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن اس وقت انہیں منع بھی نہیں کرسکتی تھی۔
''میں تو یہاں بچوں کی شاپنگ کے لیے آئی تھی ایسے میں ایک دوست کو کچھ پیسے چاہیے تھے تو میں نے اس کے بیٹے کو یہاں ہی بلالیا۔'' انہوں نے مسکرا کر تفصیل سے جواب دیا۔ نگاہیں لامیہ پہ مرکوز تھیں۔
''اسی بہانے ہماری ملاقات ہوگئی۔'' آرڈر آچکا تھا پھوپو نے اسے مزید کچھ بھی منگوانے سے منع کردیا تھا۔
''فاطمہ! میں نے ان دونوں کے لیے شاپنگ شروع کردی ہے۔ اذلان نے آفس جانا شروع کردیا ہے اور اب مجھے زیادہ دیر نہیں کرنی، میں جدا ز جلد اذلان کی دلہن گھر لانا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے تم دونوں کو اعتراض نہیں ہوگا۔''
''لیکن لامیہ کی ڈگری مکمل نہیں ہوئی ابھی۔'' انہوں نے اتنی افراتفری کا کب سوچا تھا۔
''تم پریشان نہیں ہو، میں ابراہیم سے بات کرلوں گی اور ویسے بھی لامیہ اپنی پڑھائی جاری رکھ سکتی ہے۔ ہماری طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں ہوگی اتنا تو تمہیں ہم پہ یقین ہونا چاہیے ناں۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔
''لیکن باجی.....''
''بس فاطمہ میں اب اس معاملے میں کسی کی نہیں سنوں گی۔ میں تمہاری طرف چکر لگاؤں گی اور ابراہیم کے ساتھ کوئی اچھا سا دن فکس کرلوں گی ویسے کرسمس کا دن کیسا رہے گا؟'' وہ خود ہی سارے فیصلے کررہی تھیں۔
''ٹھیک..... آپ ابراہیم سے بات کرلیں۔'' وہ ان کی جلد بازی کو سمجھ نہیں پارہی تھیں لیکن زیادہ اعتراض بحث کو جنم دے سکتے تھے سو انہوں نے فی الوقت خاموشی اختیار کرلی تھی۔
آج کے دن وہ اذلان کو اچھے سے وش کرنا چاہتی تھی، اس کا دن یادگار بنانا چاہتی تھی لیکن اس وقت موڈ بری طرح خراب ہوچکا تھا۔ وہ ایک بار پھر سے اندیشوں کا شکار ہورہی تھی، اذلان کے دیے گئے دلاسے اپنا وجود کھونے لگے تھے۔

☆.....☆.....☆

آج کا دن نہایت تھکا دینے والا تھا۔ صبح سے سہ پہر ہوگئی لیکن میٹنگز ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ بڑے ابا نے اس پہ اعتماد کیا تھا اور اس اعتماد پہ پورا اترنے کے لیے عبدالحنان دن رات محنت کررہا تھا۔ اس لمحے فراغت کے چند پل میسر ہوئے تو صوفے پہ رکھی ڈائری کا خیال آیا، اس نے جلدی سے بیگ کھول کر ڈائری نکال لی۔ وہ کتنے ہی لمحے صرف سرورق دیکھتا رہا، ایسے کام کرنا اس کی فطرت نہیں تھی لیکن وہ کئی بار راتوں کو نوری کے ہاتھ میں یہ ڈائری دیکھ چکا تھا، یہ ہی پکڑے وہ فون کے پاس منڈلاتی نظر آتی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا اس میں ایسا کیا ہے سو نہایت احتیاط سے پہلا صفحہ کھولا۔
اس نے پہلے صفحے پہ لکھا نمبر ملایا لیکن نمبر بند تھا شاید رات میں وہ دونوں اسی کے متعلق بات کررہے تھے۔ اس نے اپنے ایک دوست کو نمبر بھیج کر معلومات نکلوانے کا کہا۔ اس سے آگے کچھ صفحات پہ شاعری لکھی تھی جو اس کے ذوق سے


www.zemtime.com

میل نہیں کھاتی تھی، اس نے صفحات جلدی سے پلٹ دیے اور اسی لمحے دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ اس کی اجازت ملتے ہی جو چہرہ نظر آیا اس نے حال کی دنیا میں واپس کھینچ لیا تھا۔

''خوش آمدید..... میں بالکل بھول گیا تھا کہ آج سے کچھ نئے لوگ ہمارے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔'' اس نے کھڑے ہو کر عزت کو خوش آمدید کہا۔

''لیکن تم جلدی نہیں آگئی؟'' اس نے دیوار گیر کھڑی پہ وقت دیکھ کر کہا۔

''آج کلاسز نہیں تھیں تو وقت ضائع کرنا اچھا نہیں لگا اس لیے یہاں چلی آئی۔'' اس نے اپنے جلدی آنے کی وجہ بتائی۔

''بہت اچھا کیا۔'' اس نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں ابھی تمہیں مجید صاحب کے ساتھ بھیج رہا ہوں وہ تمہیں کام سمجھا دیں گے اور جیسے ہی سب لوگ آجائیں گے تو ہم تفصیلی بات کریں گے۔'' اس نے فون پہ مجید صاحب کو اندر آنے کا کہا۔

''ان شاء اللہ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔'' اس کا بجھا بجھا انداز وہ واضح محسوس کر رہا تھا لیکن کچھ کہنے سے گریز کیا کہ ہر انسان کے ذاتی معاملات ہوتے ہیں۔

''جن نئے لوگوں کو ہائر کیا گیا ہے وہ میرے انڈر کام کریں گے۔'' عبدالودود اس سے بات کر رہا تھا جب اچانک دروازہ دھاڑ سے کھلا۔ ان دونوں نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔

''آپ کو کسی کے کمرے میں آنے کی تمیز نہیں ہے؟'' وہ اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر غصہ کو ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''اے لڑکی! جاؤ یہاں سے۔'' سعد علی چٹھہ نے نخوت بھرے انداز میں اسے وہاں سے جانے کا کہا۔ وہ حیران سی بدلتی صورت حال دیکھ رہی تھی۔ اس قدر برے انداز پہ کچھ بولنے والی تھی لیکن چپ رہنا مفید لگا اسی لیے بیگ اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''آپ بتانا پسند کریں گے کہ اس بدتہذیبی کی وجہ کیا ہے؟'' وہ واپس بیٹھ کر ناپسندیدہ نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

''کمپنی کے قانونی معاملات تم دیکھ رہے ہو اس لیے فوراً حسین لاء فرم کو کمپنی سے علیحدہ کرو۔'' سعد علی چٹھہ نے میز پہ دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے حکم دینے والے انداز میں کہا۔ ان کی بات سن کر اس کے ہونٹوں پہ طنزیہ سی مسکراہٹ رینگ گئی اگر تاشفین بھائی اسے پہلے سے ساری صورت حال نہ بتا چکے ہوتے تو شاید اس لمحے حالات مختلف ہوتے لیکن فی الوقت تو وہ ان کی بے بسی کا مزہ لے رہا تھا۔

''مس زارا نے ایسا کیا کہہ دیا جو آپ آپے سے باہر ہو رہے ہیں؟''

''اپنی حد میں رہو عبدالودود.....'' لہجہ بلند ہونے کے ساتھ چہرہ بھی سرخ ہو گیا تھا۔

''آپ بھی اپنی حرکات پہ تھوڑا قابو رکھیے، یہ سب کرنے سے پہلے اپنی جوان بیٹی اور بیمار بیوی کا سوچ لیا کریں۔'' وہ ان کے غصے کو خاطر میں نہیں لایا۔

''وہ تمہارا دردسر نہیں، میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' وہ ہمیشہ سے اپنی منوانا پسند کرتے تھے تو عبدالودود کا اعتراض کہاں خاطر میں لاتے۔

''میں یہ نہیں کروں گا، وہ لوگ اپنا کام اچھے سے کر رہے ہیں اس میں آپ کی غلطی ہے اور کسی ایک فرد کی کوتاہی کا بھگتان کمپنی نہیں بھگتے گی۔'' اس نے دوٹوک انداز میں انکار کر دیا۔



www.zemtime.com

"میں ابا جان کے پاس جاؤں گا تمہاری یہ بدتمیزی زیادہ دیر چلنے نہیں دوں گا۔"

"شوق سے جائیے لیکن انہیں اپنا کارنامہ ضرور بتائیے گا۔" اس نے ہاتھ سے دروازے کی سمت اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے اسے غصہ سے گھورتے رہے اور پھر وہاں سے نکل گئے۔ اسے غصہ قابو کرنے میں کئی لمحے لگ گئے تھے۔ اسے عزت کا خیال آیا جس کے ساتھ بلاوجہ زیادتی ہوگئی تھی، اس کا خیال آتے ہی وہ اٹھا اور اسی پل اس کی نگاہ میز کے کونے میں رکھے موبائل پہ گئی۔ یہ شاید عزت کا موبائل تھا جو وہ بھول گئی تھی۔ ایک پل کو اس کا جی چاہا موبائل اٹھالے شاید اسی وجہ سے چند دن اسے مجتبیٰ سے دور رکھ پائے اور پھر دوسرے ہی لمحے اپنی سوچ پہ تف بھیجتے ہوئے موبائل اٹھائے باہر چلا آیا۔ وہ اسے کچھ دور ریسپشن کے پاس کھڑی نظر آئی۔

"اس قدر ڈرنے کی کیا ضرورت تھی کہ اپنا موبائل وہیں چھوڑ کر آگئی۔" اس نے موبائل اس کے سامنے کیا جسے عزت نے قدرے شرمندگی سے تھام لیا۔

"میں ڈری نہیں تھی....."

"اچھا.....تو پھر....." اس کے جواب پہ وہ یقین نہیں کرسکا۔

"میں اپنے ساتھ کسی کا ایسا رویہ برداشت نہیں کرتی لیکن یہاں مجھے ایسا کرنا تھا اور خود پہ قابو رکھنے کی کوشش میں، میں موبائل بھول گئی۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"تو تمہیں کس نے برداشت کرنے کا کہا تھا؟" اس کی سوالیہ نگاہیں اس پہ مرکوز تھیں۔

"مجھے اس جاب کی سخت ضرورت ہے اور پہلے ہی دن کوئی غلط کام کرکے میں یہ جاب کھونا نہیں چاہتی۔" عزت حیرت سے سامنے کھڑے انسان کو دیکھ رہی تھی جس کے ساتھ پہلی ملاقات قطعاً خوشگوار نہیں تھی لیکن اس لمحے بلند آواز میں بولتے ہوئے اس کی اہمیت واضح کررہا تھا۔ وہ جو اپنی نامکمل ڈگری اور ایسے کئی دیگر وہموں کا شکار تھی وہ سب ختم ہوچکے تھے۔

"مس! آپ مجید صاحب سے کہیے نئے اسٹاف کو میٹنگ روم میں اکٹھا کریں۔" وہ ریسپشن پہ بیٹھی لڑکی کو میٹنگ کا کہتے ہوئے واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ عزت ہال کی جانب چل دی جہاں وہ سب بیٹھے تھے جو اس کے ساتھ منتخب کیے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

دن کی عمر نہایت چھوٹی ہوچکی تھی اور رات وسیع تر ہوتی جارہی تھی۔ سورج کی کرنیں رخصتی کے سفر پہ رواں ہونے کا ارادہ کرتیں اور ساتھ ہی ہر مینار سے بندگی کا حق ادا کرنے کی صدائیں بلند ہونا شروع ہوجاتیں۔ دن کے چھوٹا ہونے کے باعث انہوں نے عورتوں کے لیے نشست کا وقت عصر سے پہلے رکھ لیا کیونکہ اکثر کئی خواتین اپنی بات کرنے سے رہ جاتی تھیں۔ وہ عورتوں کے مسائل سننے میں مصروف تھیں جب گل ان کی جانب آئی۔

"بی جان! ضیغم صاحب آئے ہیں۔" اس نے باغ کا جائزہ لینا تھا اور یہاں عورتیں بیٹھی تھیں۔

"اسے کہو باقی جگہیں دیکھ لے اس طرف مغرب کے بعد آئے اگر اس کے پاس وقت ہو۔" ان کی بات پہ گل سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

ان سے کچھ فاصلے پہ بیٹھی نور باغ سے دور اسے کھڑا دیکھ چکی تھی اور نہ جانے دل میں کیا سمائی کہ اٹھ کر حویلی میں واپس چلی گئی۔ راہداری میں ایک دروازہ دائیں باغ کی جانب کھلتا تھا وہ اسی دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی ہوگئی۔ جالی دار دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہونے کے باعث وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا اسی خیال کے تحت وہ اس کی



www.zemtime.com

ایک ایک حرکت دیکھ رہی تھی۔ وہ ہر درخت کے سامنے کھڑا ہو رہا تھا، کبھی مٹی ہاتھ میں لے کر دیکھتا اور کبھی پتے توڑ کر سونگھتا۔ ضیغم اپنے کام میں مکمل مگن تھا۔ ایک ایک درخت کا جائزہ لیتا وہ دروازے کے بالکل قریب آ گیا، اس وقت ضیغم کی نظروں سے بچنے کے لیے نور کو وہاں سے ہٹ جانا چاہیے تھا لیکن نہ جانے کیوں وہ وہیں کھڑی رہی۔

"آپ مجھے دکھائی دے رہی ہیں۔" اس کا بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا گیا جملہ نور العین کو شرمندہ کر گیا۔

"میں اس طرف کسی کام سے آئی تھی۔" اس نے دروازے کی اوٹ سے ہی بھرم قائم رکھنے کو جواب دیا۔

"یقیناً ایسی ہی بات ہوگی۔" اس کا مکمل دھیان بظاہر درختوں کی جانب تھا پر وہ مخاطب نور سے تھا اور انداز سرگوشی لیے ہوئے تھا۔

"مجتبیٰ اور پھوپو کیسے ہیں؟" اب بلاوجہ رکنا عجیب تھا اسی لیے اس نے سوال پوچھ لیا۔

"ٹھیک ہیں۔" وہ بھی یہ ہی چاہ رہا تھا کہ باتوں کا سلسلہ جاری رہے۔ "اس دن آپ کو کوئی مشکل تو نہیں ہوئی تھی؟"

"نہیں..... گل نے مکمل احتیاط کی تھی۔" وہ اس کے لیے فکر مند تھا یہ احساس کافی خوش کن تھا اور وہ کتنی ہی دیر اس احساس کو محسوس کرتی رہی۔

"آپ دوبارہ ہماری طرف کب چکر لگائیں گی؟" وہ جانتا تھا اس کا آنا کسی معجزے سے کم نہیں لیکن دل کب ایسے حیلے بہانے مانتا تھا۔

"اس سوال کا جواب میں کبھی نہیں دے سکتی یا شاید کسی پر تھکن رات میں پناہ کی خواہش دوبارہ آپ کے در پہ لے آئے۔" اس نے جتنی آس سے سوال پوچھا جواب میں اسی قدر تشنگی تھی۔ جواب کے پہلے حصے میں حقیقت پوشیدہ تھی اور دوسرے میں دل کی خواہش زبان تک چلی آئی تھی۔

"ذرا رکیے۔" ضیغم کے چہرے پہ اترتے مایوسی کے سائے دیکھنا مشکل تھا اسی لیے وہ پلٹ رہی تھی جب اس کی پکار پہ رک گئی۔

"یہ لیجیے میری طرف سے ایک تحفہ۔" وہ بند مٹھی لیے دروازے کے پاس آیا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ پر اشتیاق نگاہوں سے اس کی بند مٹھی دیکھ رہی تھی۔

کبھی تم کتابوں میں کچلی ہوئی کوئی تتلی جو دیکھو
تو یہ جان لینا
مجھے آسمان اور زمین نے کچل کر تمہاری کتابوں میں
تتلی کی صورت بقا بخش دی
کبھی پھول ٹوٹا ہوا کوئی پاؤ
تو یہ جان لینا
مجھے میرے اندر نے خود توڑ کر تیرے قدموں میں نقش کر دیا ہے
کبھی کوئی ساگر امنڈتا جو دیکھو تو یہ جان لینا
یہ آنسو ہیں میرے جواب سمندر میں طوفان بنے ہیں
کبھی پھول، تتلی، سمندر، کنارے گزرتے ہوئے تیز قدموں کو تھامیں
تو یہ جان لینا



www.zemtime.com

یہ میں ہوں جو تھک کر یہاں آ گیا ہوں
ہمارے لیے ایسے دن بھی لکھے تھے
کہ جن میں انا نے فنا کے سفر میں
کئی درد جھیلے
کئی روپ دھارے
کبھی پھول، تتلی سمندر، کنارے
کبھی رنگ، خوشبو، اجالا، ستارے

(طارق عزیز)

اس نے دو انگلیوں میں رنگوں سے بھرپور تتلی تھام رکھی تھی جس کی آزاد ہونے کی سب کوششیں ناکام ہو رہی تھی۔
''میں بھی اس جیسی ہوں۔'' اس نے تتلی کو احتیاط سے پکڑ لیا۔
''نہیں..... یہ آپ جیسی ہے..... نازک اور خوب صورت۔'' وہ روانی میں کہہ گیا۔
''میں بھی اس جیسی ہوں..... کمزور اور بے بس۔'' اس نے تھیج کی اور انگلیوں کو کھول کر تتلی کو آزاد کر دیا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے اوپر کی جانب اڑتے ہوئے غائب ہو گئی۔
''آپ کمزور نہیں ہیں نور العین اور خود کو بے بس بھی نہ سمجھیں، یہاں سب آپ سے بے تحاشا محبت کرتے ہیں۔''
وہ آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے ساری اداسی چن لینا چاہتا تھا لیکن اس کی ذات کا تقدس ایسی حرکت کی جرأت نہیں دے رہا تھا۔
''کچھ غموں کا علاج محبت نہیں۔'' وہ کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند ہو رہی تھی۔
وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کے ہر غم کا علاج اس کے پاس ہے وہ بس اس پہ اعتماد کرے، اسے آزمانے کی کوشش کرے لیکن خاموشی سے اسے واپس جاتے دیکھتا رہا تھا۔ بڑے سے دوپٹے میں لپٹے اس کے وجود سے اداسی کی شعاعیں نکل کر اس کے وجود میں داخل ہو رہی تھیں۔ اس نے دروازے سے دوبارہ ملنے کی آس تعویذ کی صورت باندھی اور بھاری قدموں کے ساتھ پلٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

سب اک چراغ کے پروانے ہونا چاہتے ہیں
عجیب لوگ ہیں کہ دیوانے ہونا چاہتے ہیں

بازار حسن میں آج سب نے عجیب منظر دیکھا تھا۔ سب دم سادھے اس ناچنے والی کو دیکھ رہے تھے جس کے پاؤں تلے دیوانوں کے دل رکھے ہوئے تھے۔

نہ جانے کس لیے خوشیوں سے بھر چکے ہیں دل
مکان اب یہ عزاخانے ہونا چاہتے ہیں

سفید فرش پہ اس کے گھول گھول گھومتے قدم کسی ورد کا اعلان کر رہے تھے۔ سیاہ لباس بتا رہا تھا کہ وہ کسی سوگ میں ڈوبی ہے اور ایسی ڈوبی ہے کہ ساز رک چکے ہیں لیکن اس کے قدم رکنے کا نام نہیں لے رہے۔

وہ بستیاں کے جہاں پھول ہیں دریچوں میں
اسی نواح میں ویرانے ہونا چاہتے ہیں



www.zemtime.com

اس نے پیام محبت لکھتے ہوئے اپنا قلم باغوں سے گزارا تھا تاکہ لفظوں سے نکلتی عشق کی خوشبو ہر طرف پھیل جائے لیکن اب ہر سو خزاں تھی، اس کا قلم سوکھ چکا تھا اور شاید محبت بھی قریب المرگ تھی۔ اس نے کمرے میں رکھے سینکڑوں خطوط آگ کی نذر کردینے کا فیصلہ کیا تھا۔

تکلفات کی نظموں کا سلسلہ ہے بے سوا
تعلقات اب افسانے ہونا چاہتے ہیں

اس کے بستر پہ ان اشیاء کا ڈھیر لگا تھا جو ایک کھوئے ہوئے تعلق کی نشانی تھے۔ ایک خالی ڈبا بھی وہاں رکھا تھا جس میں یہ سب ڈال کر نظروں سے اوجھل کردیا جائے گا۔ ان سب کہانیوں کا اختتام قریب تھا جو الف لیلوی داستان جیسی تھیں، جن میں ملن کا کوئی تاثر شامل رہا تھا اور اب صرف ہجر کے ترانے گائے جانے تھے۔

جنوں کا زعم بھی رکھتے ہیں اپنے ذہن میں ہم
بڑے جو وقت تو فرزانے ہونا چاہتے ہیں

کسی کا اسیر ہوجانا، میں اور تو کا فرق مٹا کر صرف ہم ہوجانا..... ایسی روایات عقل مند کب قائم کرتے ہیں۔ یہ کم عقلوں کے کام ہیں۔ کسی پہ مرجانا کہاں آسان ہوتا ہے اور پھر ٹھوکر کھا کر سنبھلنے کی کوششیں جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔

سارا مجمع یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ستائش سے بھرپور آوازیں کب کی خاموش ہوچکی تھیں۔ جام پہ جام چڑھانے والے مدہوش ہوش میں آچکے تھے۔ پیسہ لٹاتے پروانے اپنی جگہ ساکت ہوچکے تھے۔ وہاں اب کسی کو داد دینے کا ہوش نہیں رہا تھا۔

''نین تارا اسے روکو یہ پاگل ہوگئی ہے۔'' راشی بے چین سا ہو کر نین تارا کے پاس آیا۔

''تم اپنا کام کرو..... دیکھ نہیں رہے سب کیسے پاگلوں کی طرح اس کو دیکھ رہے ہیں۔'' نین تارا نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔

''وہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' یہ تو نین تارا بھی جانتی تھی لیکن اس پاگل پن سے ہونے والا فائدہ زیادہ اہم تھا۔

راشی کو معلوم ہوگیا کہ نین تارا کچھ نہیں کرنے والی اور نہ کسی کو کرنے دے گی۔ وہ لالی کی تلاش میں دوڑ پڑا کیونکہ لالی ہی وہ واحد انسان تھا جو نین تارا کی جانب سے ملنے والی ذلالت کی پروا کیے بغیر نازنین کو روک سکتا تھا۔ اس نے ہر جگہ ڈھونڈ لیا لیکن لالی نظر نہیں آیا سوائے سیڑھیوں کے نیچے بنے اندھیرے کمرے میں جہاں وہ ہر ایسی صورت حال میں تنہا بیٹھ کر نازنین کا غم مناتا تھا۔ وہ ہال سے دور تھا جب اسے ہر سو سناٹا سنائی دیا، کسی انہونی کے خیال سے وہ بھاگم بھاگ وہاں پہنچا جہاں کچھ لمحے پہلے تماشا عروج پہ تھا۔

انہونی ہوچکی تھی لیکن اس انہونی کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ نازنین ایک اجنبی کی بانہوں میں جھول رہی تھی۔ وہ صرف یہ سمجھنے کی کوشش کررہا تھا کہ آنے والا نازنین کی بدقسمتی تھا یا ان کی؟

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

www.zemtime.com

قسط نمبر ایک

# عہدِ محبت

## ام زویا

بزم حجاب کے تمام محترم قارئین کو اُم زویا کی طرف سے
السلام علیکم۔

لے دے کے اپنے پاس فقط ایک نظر تو ہے
کیوں دیکھیں زندگی کو کسی کی نظر سے ہم

کے مصداق بچپن سے ہی زندگی میں پیش آنے والے معمولی واقع سے بھی میرے ذہن میں الفاظ گھڑ جوڑ کر کے قصہ کہانی کی شکل اختیار کرلیا کرتے تھے۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی میں بسوں میں سفر کرتے، لوگوں کی بول چال کے انداز سے ان کی شخصیت کے بارے میں اندازے لگاتے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ رائی کا پہاڑ بنانے یا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی یہ خداداد صلاحیت مجھے الفاظ اور احساسات کی اس نئی تصوراتی اور تخلاتی دنیا سے متعارف کروانے والی ہے۔

ڈائجسٹ سے میرا ناتا شاید بچپن سے ہی جڑ گیا تھا کیونکہ میں ایک نجیب الطرفین ڈائجسٹ کے شوقین خاندان

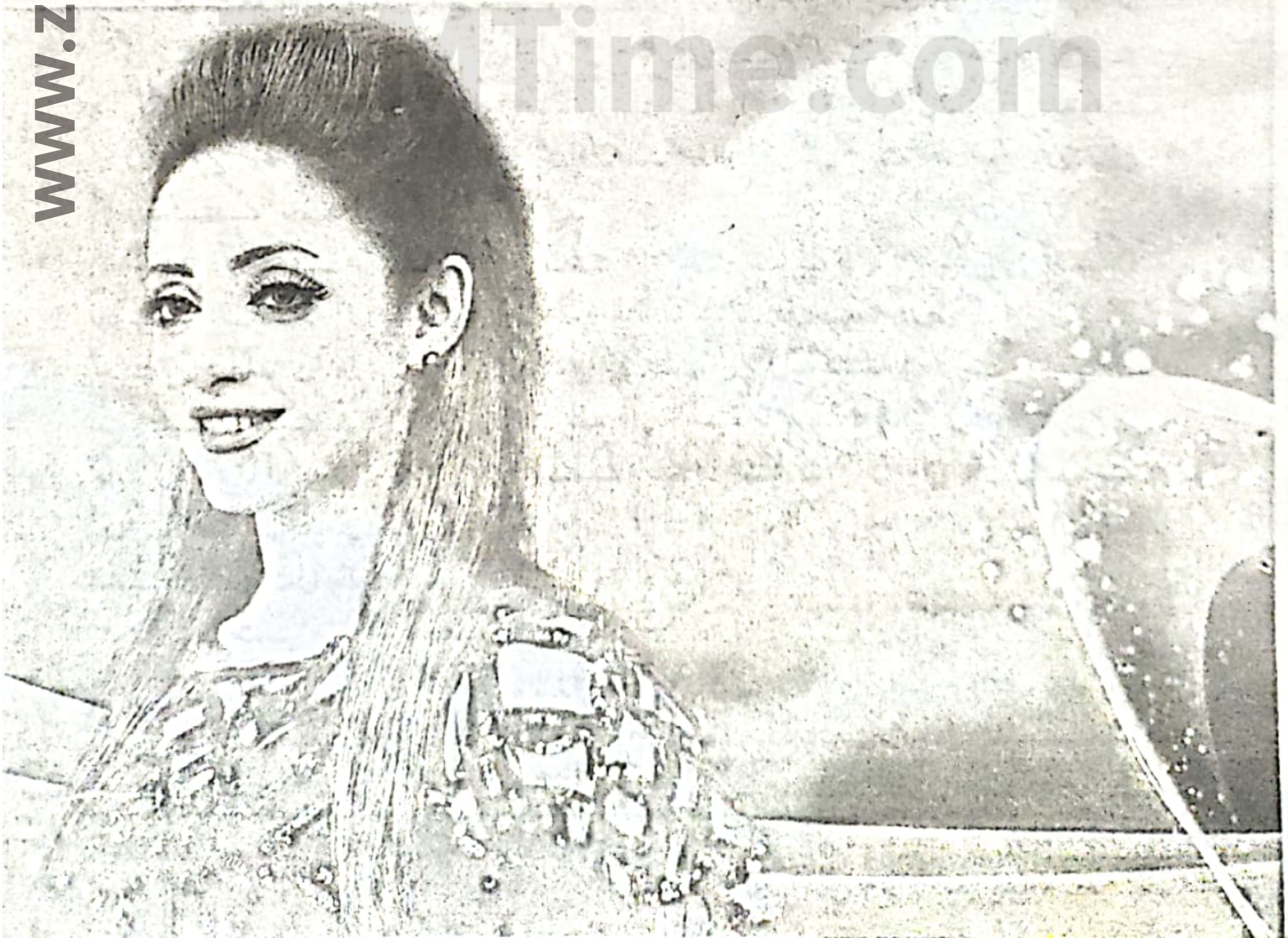

www.zemtime.com

سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرے دادا، پھوپو، والد، والدہ، خالائیں سب ہی مختلف ڈائجسٹوں کے مستقل قارئین تھے سو میں نے بھی بچپن میں نونہال، دیس دیس کی کہانیوں، عمرو عیار اور بچوں کا باغ والی کچی عمر سے ہی چپکے چپکے ماہانہ ڈائجسٹ بھی پڑھنے شروع کردیے تھے جو اس وقت سمجھ تو بالکل نہیں آتے تھے بلکہ میں حیران ہوتی تھی کہ یہ کیسی کہانی ہے جس میں کوئی پری آکے جادو سے کٹھنائیوں سے بھری زندگی کو پرسکون نہیں بنا دیتی یا جانور اور انسان ایک دوسرے کی بولی سمجھ کر یگانگت سے کیوں نہیں رہتے، بس ایک ان کہا سا رشتہ تھا جو غیر محسوس سے میرے اور ان شماروں کے درمیان نمو پا رہا تھا۔ پانچویں جماعت میں پہلی بار یہ راز میرے والد کو پتا چلا تو انہوں نے مجھے بہت سختی سے منع کردیا کہ یہ کہانیاں بچیوں کے پڑھنے کی نہیں ہوتیں لیکن کیا کیجیے کہ نشہ وہی جو سر چڑھ کے بولے۔ والد کے کہنے پہ جب اگلے مہینے کے شمارے کو ہاتھ نہیں لگایا تو اندازہ ہوا کہ اس تعلق کی جڑیں تو دل کی گہرائیوں تک اپنی جگہ بنا چکی ہیں اور بادل نخواستہ والد کی نافرمانی کرتے ہوئے ایک رات سب کے سونے کے بعد کچن میں بیٹھ کے پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ والد صاحب نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور زندگی میں پہلی بار مجھے مار پڑی، وہ بار بار یہی کہتے کہ کچے اذہان پہ ان رومانوی اور خاندانی سیاستوں پہ مبنی ناولوں کا برا اثر پڑے گا۔

وہ چوٹ گویا دل پہ لگی تھی، کئی دن غم میں ڈائجسٹ تو درکنار نونہال تک کی شکل نہ دیکھی۔ دو تین سال کا وقفہ آیا اور نہ جانے کب اور کس طرح دوبارہ سے پڑھنے کی عادت لگ گئی۔ پھر ایک دن وہ واقعہ ہوا جس نے میری اس پابندی سے گلوخلاصی کروائی پھر سے چوری چھپے آنچل پڑھتے پکڑی گئی لیکن والد صاحب نے خاموشی سے میرے ہاتھ سے ڈائجسٹ لے کر وہ کہانی خود پڑھنی شروع کی، دو تین صفحات کے بعد انہوں نے مطمئن سے چہرے کے ساتھ مجھے یہ کہہ کے واپس کردیا کہ معیاری رسالہ لگ رہا ہے پڑھ سکتی ہو۔ بس پھر جو آنچل سے رشتہ جڑا تو تا حال قائم ہے۔

شادی کے بعد میاں جی یہ جنون دیکھ کر کہے بنا نہ رہ سکے کہ تم تو راشن کی طرح ڈائجسٹ منگواتی ہو لیکن شکر ہوا کہ کبھی پڑھنے پہ اعتراض نہ کیا۔ ۲۱۰۲ میں پہلی کہانی لکھی اور پھر یوں ہونے لگا کہ چلتے پھرتے مختلف خاکے میرے دماغ میں بننے لگے، میاں نے حوصلہ افزائی کی تو باقاعدگی سے لکھنا شروع کردیا لیکن کئی سال تک کوشش کے باوجود میری کوئی تحریر منظر عام پہ نہ آسکی۔ میں نے دلبرداشتہ ہو کر لکھنا نہ چھوڑا اور ذہن میں جنم لیتے مختلف خیالوں کو کرداروں کا روپ دے کے افسانے، ناولٹ اور ناول لکھتی رہی۔

میں ادارہ آنچل کی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے دسمبر ۲۰۱۸ میں میرے پہلے ناول ''دھند کے پار'' کو شمارے کی زینت بنایا۔ آپ لوگ ذرا اس خاندان کی ایکسائٹمنٹ کا اندازہ لگائیے جو برسوں سے دوسروں کی لکھی کہانیاں پڑھتے آرہے ہیں اور ایک دن انہوں نے اپنی ہی بچی کی تحریر اس شمارے میں پڑھی۔ مجھ سے زیادہ میرے گھر والے خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اس ناول کے بعد میرے آنچل سے بنے گمنام رشتے کو ایک پہچان ملی، پھر میری مزید تحاریر بھی وقتاً فوقتاً آنچل میں چھپتی رہیں، تبھی ادارے نے حجاب ڈائجسٹ کا بھی افتتاح کیا اور آنچل کی طرح اسے بھی مختصر سی مدت میں معیار کی بلندیوں کو چھوتے دیکھ کر دل فخر سے بھر جاتا۔ بالآخر ایک دن مجھے ''حجاب'' کی طرف سے سلسلے وار ناول لکھنے کی اجازت ملی۔

تو پیش خدمت ہے میرا پہلا سلسلے وار ناول ''عہد محبت''

عہد محبت داستان ہے ایسے محبت بھرے رشتوں کی جنہیں حسد، سازش اور عدم اعتمادی نے ایک دوسرے سے اتنا متنفر کردیا کہ انہوں نے عمر بھر کے خسارے اپنے دامن میں بھر لیے۔ اس کے کرداروں کو افسانوی عینک کے بجائے حقیقت کی آنکھ سے دیکھیں گے تو آپ کو ان میں اپنی اور خود سے جڑے بہت سے رشتوں کی جھلک بھی نظر آئے



www.zemtime.com

گی۔ آپ جانیں گے کیسے زندگی کے اتار چڑھاؤ، انسانوں کی بے حسی، سگے رشتوں کی بے اعتباری امنگوں بھرے وجود کو ریزہ ریزہ کرتی ہے، برسوں کا سفر طے کر کے منزل تک پہنچ کر محض سراب آئے تو کیسا محسوس ہوتا ہے، بظاہر جن ہستیوں کی سانسوں سے ہماری سانسوں کی مالا رواں دواں رہتی ہے، ان کو کھو کے ''جیا'' کیسے جاتا ہے اور جب اپنی دانست میں ہم ناامیدی اور تنہائی کے گھور وحشت ناک جنگل میں اکیلے بھٹک بھٹک کے دم توڑنے والے ہوتے ہیں تو کیسے ایک ننھی سی روشنی کی کرن ان اندھیروں کو نگل لیتی ہے۔ ماضی اور حال کے واقعات کو متوازن لے کے چلتی یہ کہانی گواہ ہے کہ نفرت اور بدگمانی سے بنجر ہو جانے والی زمین بھی محبت، وفا اور اعتبار کے چند چھینٹوں سے ہی دوبارہ زرخیز ہو سکتی ہے۔

میری کوشش اور دعا ہے کہ ''عہد محبت'' حجاب کے قارئین کے معیار پہ پورا اترے، آپ سب کی بیش قیمت آراء کی منتظر رہوں گی۔

شکریہ

اُم زویا

☆.....☆.....☆

دل
ایک زخمی پرندہ
جس کے بازو
تھکن اور بے بسی سے
شل ہو چکے ہیں
جہاں بھر کے دکھوں کا
بوجھ سنبھالے
بہت ہلکان
بے حد پریشان
دور سمندر کنارے
خشکی پر پڑا
اپنے آنسوؤں سے
زخم بھرنا چاہتا ہے
میرے وجود کو
پامال کرنا چاہتا ہے
چند امیدیں جو بچ گئی ہیں
ان کو برد کرنا چاہتا ہے

وہ میٹنگ اٹینڈ کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ سیل فون پہ کال آنے لگی نمبر دیکھ کر ہر بار کی طرح نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کال ریسیو کی۔

''جی۔''



www.zemtime.com
ZEMTime.com

''کیسے ہو بیٹا؟'' دوسری جانب وہی مشفق انداز تھا جو اس کال کو ریسیو کرنے کا سبب بنتا تھا۔
''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟'' اس نے مروتاً لیکن قطعی سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ جواباً وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔
''تمہارے بغیر بہت اکیلا ہوں۔'' ان کے بے چارگی سے کہنے پہ وہ چیخ سا گیا۔
''اکیلے اور آپ؟ یقین نہیں آتا، آپ کے اطراف تو چاہنے والوں کا ہجوم ہے، ہر نعمت اور آسائش دسترس میں ہے، کبھی میرے بارے سوچیں تو اندازہ ہو کہ تنہائی اور اکیلا پن کسے کہتے ہیں۔''
''تمہارے بارے میں مجھے سوچنا نہیں پڑتا، تم ہر وقت میرے دھیان میں رہتے ہو اور یہ قید تنہائی تمہاری خود کی منتخب کردہ ہے، میں تمہیں سالوں سے منا رہا ہوں کہ واپس آجاؤ لیکن تم مجھے جانے کس بات کی سزا دے رہے ہو؟'' ان کا انداز بہت تھکا ہارا ہوا سا تھا۔
''اور میرا سوال یہ ہے کہ اگر میری یاد آپ کو اتنا تڑپاتی ہے، میری کمی محسوس کرتے ہیں تو میری شرط مان کیوں نہیں لیتے..... لیکن آپ کیوں ماننے لگے، ایسا کرنے سے آپ کی عزیز از جان بیوی کی دل آزاری ہو جائے گی، بھائی بھلے سے جائے بھاڑ میں۔'' وہ ترشی سے بولا تو زید بے اختیار اسے ٹوک گئے۔
''تم بڑوں کی عزت کرنا بھی فراموش کر چکے ہو؟ اس سے تمہارا صرف ایک رشتہ تو نہیں پھر بھی اتنی حقارت سے ذکر کر رہے ہو۔''
''میرا ان گھٹیا اور منافق لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں۔'' وہ سختی سے بولا۔
''درید.....''
''دیکھا، ان کی شان میں ذرا سی گستاخی کیا کر دی آپ برا مان گئے اور ان کی وجہ سے میری زندگی کیا سے کیا ہو گئی، اس کا آپ کو نہ احساس ہے اور نہ ہی پچھتاوا؟''
''ایسا نہیں ہے درید۔'' وہ پھر سے نرم ہوئے۔ ''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''
''مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ لوگوں کی مہربانی سے میں کافی کم عمری میں ہی زندگی اور رشتوں کی بدصورتیوں کے تمام رموز دیکھ، پرکھ، سمجھ اور سہہ چکا ہوں۔''
''میں تم سے کتنی بار معافی مانگ چکا ہوں لیکن تم میری سزا کو بڑھاتے ہی جا رہے ہو، پلٹ کیوں نہیں آتے؟ جو شکوے ہوں یہاں آ کے مجھ سے مل کے کرو ناں۔''
''شکوے شکایت کا وقت گزر گیا، مجھے اب کسی صفائی کی ضرورت نہیں، ہاں ایک بات طے ہے کہ میری واپسی کی ایک ہی صورت ہے اور اگر میری بات نہیں مانی جاتی تو آپ تاعمر میری شکل کو ترسیں گے۔'' اس نے سفاکی سے کہا تو وہ تڑپ اٹھے۔
''ایسے مت کہو بیٹا، تم جانتے ہو ناں یہ بابا کی آخری خواہش تھی؟'' اور یہاں آ کر وہ خاموش ہو جاتا تھا تب ہی بات پلٹ گیا۔
''یہ بحث لاحاصل ہے، میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں کسی قیمت پہ اس بات کے لیے راضی نہیں ہو سکتا، فیصلہ تو آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو بھائی زیادہ عزیز ہے یا بیوی؟'' وہ چبا چبا کے بولا۔ ''ویسے یہ سوال بھی بے مقصد ہی ہے، سالوں پہلے آپ مجھ پہ اچھی طرح واضح کر چکے ہیں کہ آپ کے لیے کون زیادہ اہم ہے۔'' اس کے طنزیہ انداز پہ زید شرمندگی سے بولے۔



www.zemtime.com

''وہ سب کن حالات میں ہوا، تمہیں کئی بار بتا چکا ہوں، برسوں سے تمہاری منتیں کر رہا ہوں اور ایسا کیا کروں کہ تمہارا دل میری طرف سے صاف ہو جائے؟''

''انہیں چھوڑ دیں۔'' اس کے بار بار کہنے پہ زید کو حقیقتاً جھٹکا لگا۔

''کیا؟''

''کیوں..... اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے۔ اس وقت مجھے تو آپ نے بڑی آسانی سے چھوڑ دیا تھا، مجھے، اپنے چھوٹے بھائی کو جو آپ کو اپنا سب کچھ مانتا تھا، جسے اس بے رحم دنیا کی بدصورتیوں کی کچھ خبر ہی نہیں تھی، وہ اپنے گھر اور اپنی دنیا میں اتنا مگن تھا لیکن آپ نے..... آپ نے ایک جھٹکے میں میرے پیروں تلے زمین اور سر سے آسمان کھینچ لیا، آپ کی اس چوٹ نے میرے جسم کو لہولہان کر دیا، میری روح کو بھی زخمی کیا، آپ کے اس رویے نے مجھے ایک دم ہی میری عمر سے کئی گنا بڑا کر دیا تھا، آج بھی آپ کے الفاظ یاد کرتا ہوں تو دل کئی ٹکڑوں میں بٹنے لگتا ہے، آپ مجھ سے کس محبت کا دعویٰ کرتے ہیں بھیا، آپ نے تو اپنی بیوی کے عشق میں اندھے ہو کر مجھے گھر سے نکال دیا تھا، میری ایک نہ سنی تھی آپ نے، یاد ہے ناں میں کیسے گڑگڑا رہا تھا جب آپ نے مجھے نظروں سے دور ہو جانے کا کہا تھا۔''

''یہ سچ نہیں ہے درید، بخدا یہ سچ نہیں ہے۔'' وہ پست لہجے میں بولے۔ ''میں نے تمہیں جانے کو نہیں کہا تھا، میں تمہیں اس گھر سے کیسے نکال سکتا ہوں، یہ ہم دونوں کا گھر ہے۔''

''ہم دونوں کا گھر تھا۔'' وہ تھا پہ زور دے کر بولا۔ ''تب تک جب تک آپ کی بیگم اس گھر میں نہیں آئی تھیں، اب تو وہ صرف آپ دونوں کی رہائش گاہ ہے، میں تو عرصہ ہوا بے گھر ہو گیا تھا۔''

''میں مانتا ہوں کہ میں اس وقت بہت غصے میں تھا لیکن میں نے تمہیں گھر سے جانے کو ہرگز نہیں کہا تھا درید، میرے وقتی اشتعال کو تائی جی نے ایک ہتھیار کی طرح استعمال کیا۔'' وہ ہر بار کی طرح پھر سے اپنی صفائی دے رہے تھے کہ وہ بے زاری سے انہیں ٹوک گیا۔

''بھیا پلیز، اب ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں۔'' وہ خاموش سے ہو گئے پھر چند سیکنڈ بعد مایوسی سے پوچھا۔

''تو تم نہیں آؤ گے؟''

''جب تک میری شرط نہیں مانی جاتی تب تک تو ہرگز نہیں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا تو وہ اذیت سے لب بھینچ کے رہ گئے، ان گزرے ماہ و سال نے اس کی ضدی طبیعت کو مزید پختہ کر دیا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ۔'' انہوں نے لائن کاٹ دی تو وہ بھی بگڑے موڈ سے فون میز پہ پٹختے ہوئے ہر بار کا فقرہ زیر لب بولا۔

''آئندہ کال ہی ریسیو نہیں کروں گا۔'' اور ایسا وہ صرف سوچ ہی سکتا تھا، اسے خود بھی پتا تھا کہ اگلی بار وہ پھر ان سے بات کرے گا۔

☆.....☆.....☆

''کیا کہہ رہا تھا؟'' زید دلگرفتہ سے انداز میں کرسی سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھے تھے جب چائے کی ٹرے میز پہ رکھتے ہوئے حمنہ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے مایوسی سے سر نفی میں ہلایا۔

''نہیں مانتا۔'' وہ ذہنی طور پہ اتنی تھکن کا شکار تھے کہ بس دو لفظ ہی کہہ سکے۔

''وہ غصے میں ہے، نا سمجھ ہے، مزاجاً جوشیلا ہے تو آپ ہی سمجھداری سے کام لیں ناں۔'' حمنہ نے ان کے ہاتھ پہ



www.zemtime.com

ہاتھ رکھا تو وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگے۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کروں میں، اس کی شرط مان لوں، تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو حمنہ، تم واقف نہیں ہو اس بات سے کہ یہ بابا کی آخری خواہش تھی؟'' وہ بری طرح چڑ گئے۔
''سب جانتی ہوں لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ آکا جان نے یہ خواہش اس لیے تو نہیں کی ہوگی ناں کہ بھائی بھائی کی صورت کو ترس جائے۔ آٹھ سال ہوگئے ہیں اس کی شکل دیکھے، جیسے ہی ہم اسے ٹریس کرتے ہیں، وہ ایڈریس بدل لیتا ہے، شکر ہے فون پہ رابطہ رکھے ہوئے ہے، کیوں اذیت دیتے ہیں خود کو، مان لیجیے اس کی بات۔''
''بس.....'' وہ ایک دم قطعیت سے بولے تو وہ خاموش ہوگئیں۔
''وہ کتنا بھی ضدی ہو لیکن میں اس کا بڑا بھائی ہوں اور اسے ایک دن مجبور کردوں گا کہ وہ لوٹ آئے لیکن اس کے لیے میں اس کی کسی فضول شرط کو مان کر اپنے مرحوم باپ سے عہد شکنی نہیں کروں گا۔'' بڑے دعویٰ سے یہ بات کہتے ہوئے وہ قطعی لاعلم تھے کہ ایک ہفتے بعد وہ خود ہی فون کرکے اسے کہیں گے۔
''واپس آجاؤ درید، مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔'' اور آٹھ سال سے اپنی ضد پہ اڑا درید بھی ایک پل کو حیران رہ گیا تھا۔
''آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں؟''
''ہاں۔'' ایسا کرتے اور کہتے وہ کس تکلیف سے گزرے تھے اس کا اندازہ کسی اور کو نہ تھا پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنز کر بیٹھا۔
''میں ہنوز یقین کرنے میں متامل ہوں، کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ مجھے دھوکے سے بلا کے کسی وعدے کی زنجیر میں باندھ دیں؟'' اس کی بدگمانی پہ وہ چپ رہ گئے۔
''اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ فاصلے اور وقت کی خلیج تمہیں مجھ سے اتنا بے اعتبار کردیں گے تو تمہارے پیر پڑ کے بھی تمہیں روک لیتا۔'' زید نے دکھ سے کہا تو وہ شرمندہ ہوا۔
''تو پھر تم کب آرہے ہو؟'' انہوں نے گہری سانس بھر کے پھر پوچھا۔
''ابھی تو آفس میں چھٹی اپلائی کروں گا پھر دیکھیں۔''
''چھٹی کیوں لے رہے ہو؟ کیا تم ہمیشہ کے لیے نہیں آرہے؟''
''نہیں، میرا وہاں دم گھٹتا ہے، پرانی یادیں ہر وقت ڈنک مارتی ہیں، زیادہ عرصہ وہاں رہا تو ذہنی مریض بن جاؤں گا۔'' اس نے تلخی سے کہا۔
''مجھے..... مجھے تمہاری ضرورت ہے درید۔'' زید نے اس ''پتھر'' پہ پھر ایک ضرب ماری تھی۔ ''میں کاروباری مسائل اور خاندانی سیاست کو تنہا نہیں سنبھال پا رہا ہوں، پلیز آجاؤ۔''
''جی اچھا، میں سیٹ کنفرم کرواکے آپ کو مطلع کردوں گا۔'' ان کے لہجے نے اسے مزید ضد نہیں دکھانے دی تھی۔
''وقت نکل جانے سے پہلے آجانا درید۔'' نجانے کیوں زید کے منہ سے یہ جملہ نکلا تھا لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ درید نے دو دن بعد کی ہی فلائٹ کرواکے انہیں تفصیلات ٹیکسٹ کردیا تھا۔
''تو بالآخر تم آہی رہے ہو۔'' ابھی ابھی حمنہ چمکتے چہرے کے ساتھ اسے یہ ''خوش خبری'' سنا کے گئی تھیں اور تب سے اب تک وہ اپنی ذات پہ اس خبر کا تاثر جانچ رہی تھی لیکن درید ابراہیم سے اس کا کبھی بھی کوئی ایسا واسطہ نہ رہا تھا کہ اسے اس کے آنے جانے سے فرق پڑتا بلکہ اسے یاد تھا کہ بچپن میں تو وہ اس کے سائے سے بھی ڈرتی تھی۔ وہ جب


www.zemtime.com

کبھی کہانیوں والے دیو کا تصور کرتی، درید اس خاکے میں بالکل فٹ بیٹھتا تھا اور وہ اس کے دل میں موجود اپنی دہشت سے بخوبی واقف تھا اس لیے اسے تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ وہ جب شکایت لے کر حمنہ کے پاس جاتی وہ اسے بہلا پھسلا کے بڑوں کے پاس جانے سے روک دیتیں۔

اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب ان کی یہ ڈھکی چھپی دشمنی منظر عام پہ آئی تھی۔ اسے چھپکلیوں سے مرجانے کی حد تک خوف تھا اور یہ بات سب جانتے تھے، اگر وہ کسی کتاب میں بھی چھپکلی کی تصویر دیکھ لیتی تو ایک دم اسے پھینک دیا کرتی تھی۔ اس دن بھی وہ دوپہر میں گھر کے لان میں لگے جھولے پہ لمبی لمبی پینگیں لے رہی تھی جب درید باہر سے کرکٹ کھیل کے آیا اور اندر جاتے ہوئے پلٹا اور جھولے کے پاس پہنچ کر اسے حکم دیا۔

''جاؤ میرے لیے ٹھنڈا پانی لے کر آؤ۔'' اور نہ جانے کیوں اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''آپ اندر جا تو رہے ہیں، خود سے پی لیں۔'' اور یہ درید ابراہیم کی شان میں بڑی گستاخی ہوگئی تھی، اسے غصے سے گھورتا اندر چلا گیا، وہ بھی پھر سے جھولا جھولنے لگی اور چونکی جب درید واپس آیا اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے لہرایا جس میں ایک بڑی اور موٹی بدنما سی چھپکلی تھی، اس کا رنگ فق ہوگیا تھا، وہ درید سے اسے مارنے کا کہنے ہی والی تھی جب درید نے وہ چھپکلی اس کی طرف اچھال دی تھی۔ اس کا جھولا اس وقت ہوا میں تھا اور چھپکلی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے چیخنا شروع کر دیا تھا، اس کی چیخیں سن کے سب ادھر آگئے تھے اور پھر زید کے لاکھ آنکھیں دکھانے کے باوجود اس نے پورا قصہ سب کو سنا دیا تھا۔ درید کو سب کے سامنے بلا کے خوب ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، ایک وقت کا کھانا بھی بند کر دیا گیا لیکن اس نے زید کو چپکے سے کھلا دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ دب دب کے تو ایک دن چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے تو اس دن اس کے دل سے درید ابراہیم کا ڈر نکل گیا تھا اور آنے والے دنوں میں اس نے آہستہ آہستہ اپنا دفاع کرنا سیکھ لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زید کے قدم خوشی سے زمیں پہ نہیں ٹک رہے تھے۔ آٹھ سال کے بعد وہ اپنے بھائی سے ملنے والے تھے، وہ بھائی جسے حقیقتاً انہوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا تھا، جس کا ہاتھ ان کی مرتی ماں نے ان کے ہاتھ میں دے کر بس اتنا کہا تھا۔

''درید کا..... خیال رکھنا۔'' اور انہوں نے واقعی اسے اپنے ہاتھ کا چھالا بنا کے رکھا تھا اور حمنہ نے بھی ان کا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ اس کی ہر خواہش کو زید اپنی ضرورت پہ فوقیت دیتے تھے اور وہ بھی اپنی ہر فرمائش، جائز ناجائز ضرورتیں بھائی سے ہی پوری کرواتا تھا کہ ایک واقع نے زید کی سالوں کی ریاضت پہ پانی پھیر دیا تھا۔

کچھ حالات کی ستم ظریفی اور کچھ رشتوں کے گٹھ جوڑ نے اسے ان سے قلبی طور پہ اتنا دور کر دیا تھا کہ زید کی ہر کوشش بے سود ثابت رہی تھی اور وہ درید سے بدظن ہوتا چلا گیا تھا لیکن اب وہ آرہا تھا تو انہوں نے سوچ لیا تھا کہ چاہے کچھ بھی کرنا پڑے وہ اسے واپس نہ جانے دیں گے۔ اب وہ خود میں اس سے جدائی کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ وہ تو تہہ دل سے اس ہستی کے شکر گزار تھے جو اس کی واپسی کا سبب بنی تھی۔

تب ہی ملازمہ نے وکیل صاحب کے آنے کی اطلاع دی تو وہ اسٹڈی کی طرف چل دیے جہاں ان کے خاندانی وکیل اکمل بیگ کئی فائلیں لے کر ان کے منتظر تھے۔ سلام دعا کے بعد زید نے ان سے پوچھا۔

''سب کاغذات تیار ہیں ناں وکیل صاحب؟''

''جی بیٹے، میں نے ضروری تمام دستاویزات اس فائل میں لگا دیئے ہیں لیکن.....'' وہ بولتے ہوئے رکے۔



www.zemtime.com

"لیکن کیا؟"

"زید بیٹا، یہ بزنس آپ باپ بیٹے کی انتھک محنت کا ثمر ہے، ابراہیم صاحب کی تجربے کا نچوڑ لے کر آپ نے اسے ترقی کی جس بلندی پہ پہنچایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے..... لیکن درید کو کبھی بھی بزنس میں انٹرسٹ نہیں رہا، وہ لاپروا بھی ہے، آپ نے تقریباً سب کچھ ہی ان کے نام ٹرانسفر کر دیا ہے۔ برا نہ مانیے گا لیکن دولت کی وجہ سے ہم نے بھائی کو بھائی کے خون کا پیاسا ہوتے دیکھا ہے تو میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ صرف درید کا ہی حصہ ان کو دیں باقی اپنی فیملی....."

"درید کو میں اپنی اولاد سے بڑھ کے چاہتا ہوں وکیل صاحب اور باپ کا سب کچھ اس کی اولاد کو ہی ملتا ہے اور جہاں تک رہی دولت پہ جھگڑے کی بات تو میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں، وہ مجھ سے ناراض ہے لیکن بدنیت نہیں ہے، میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج اسے اطلاع ملے کہ میری فیملی کسی مشکل میں ہے تو وہ میری مدد کو آنے میں ذرا دیر نہ کرے گا۔" ان کے لہجے سے جھلکتے یقین پہ بیگ صاحب مسکرائے۔

"آپ نے تو کچھ کہنے کے قابل چھوڑا ہی نہیں، میری دعا ہے اللہ آپ لوگوں کی محبتوں کو دوام بخشے، میں اب چلتا ہوں، درید آجائیں تو مجھے مطلع کر دیجیے گا، میں ضروری کاروائی کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ وکیل صاحب۔" زید نے خوشدلی سے ان سے ہاتھ ملا کے انہیں رخصت کیا۔

☆.....☆.....☆

"آپی اللہ کا واسطہ ہے آپ کو، ایک انسان کے استقبال کے لیے پورا گھر تلپٹ کر دیں گی؟" اس نے جھنجھلا کے متحرک حمنہ کو دیکھا۔ درید کے آنے کی خبر سن کر ان کے تو گویا پیروں میں پہیے لگ گئے تھے۔ وہ دو دن میں ہی پورے احمد پیلس کو سنوار دینا چاہتی تھیں اور نوکروں کی شامت الگ بلائی ہوئی تھی۔ اس کے چڑنے پہ وہ کھلے دل سے ہنس دیں۔

"یاد نہیں ہے اسے ہر چیز کتنی منظم پسند تھی، ذرا سی بے ترتیبی پہ غصہ کرنے لگتا تھا، میں چاہتی ہوں وہ آئے تو اسے سب ویسا ہی لگے جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔" ان کے لہجے میں درید کے لیے محبت محسوس کر کے وہ چڑ سی گئی۔

"اور آپ کو لگتا ہے کہ وہ آپ کے اس خیال اور خدمت گزاری کو ذرا سے بھی پذیرائی دیں گے؟ ہونہہ..... دیکھیے گا ہر ہر چیز میں نقص نکالیں گے، پہلے ہی گردن میں کلف لگا رہتا تھا اب تو نجانے ہمیں آپ کو انسان بھی سمجھیں گے یا نہیں۔" اس کے بے لاگ تبصرے پہ حمنہ کی مسکراہٹ دھیمی ہوئی۔

"یہ سب میں بھی جانتی ہوں ہانیہ۔" وہ ہولے سے بولیں۔ "لیکن ایک طویل عرصے بعد صحرا میں اگر کوئی خوشنما گلاب دکھے تو انسان اس کے کانٹوں کی پروا کیے بغیر اسے چھو کے سونگھتا ضرور ہے۔ تم نے..... تم نے زید کو دیکھا ہے، ایمان سے بتاؤ ان کو کتنے عرصے بعد ہم اتنا خوش دیکھ رہے ہیں، وہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے لیکن میں جانتی ہوں کہ درید کی جدائی کے یہ سال انہوں نے ٹوٹے کانچ کی کرچیوں پہ چلتے گزارے ہیں اور اب ان کے چہرے کی چمک کے آگے میری یہ سوچ قطعی ہیچ ہے کہ درید مجھ سے کیسا برتاؤ کرے گا۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرائیں۔

"اور ویسے بھی وہ دل کا برا نہیں ہے، بس دھندلکوں میں گھرا ہوا ہے، جن کے چھٹتے ہی اسے اپنے پرائے کی واضح پہچان ہو جائے گی۔" وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ "اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟" ان کے پوچھنے پہ ہانیہ نے گہرا سانس لیا۔

"سوچ رہی ہوں ڈاکٹر سے کہوں کہ چیک کرے آپ کے سینے میں دل کی جگہ کوئی اسپنج تو فٹ نہیں ہے؟" حمنہ



www.zemtime.com

نے ہنس کے اس کے سر پہ چپت لگائی۔
''میرے دل کو چھوڑو، تم ذرا اپنا دل نرم رکھنا، میں دیکھ رہی ہوں کہ جب سے اس کے آنے کا پتا چلا ہے تم اکھڑی اکھڑی سی ہو۔''
''آپی یہ ان کا گھر ہے، مجھے ان کے آنے پہ کیوں اعتراض ہونے لگا، میں تو اچھا بھلا چچا کے پاس جا رہی تھی کچھ دن کے لیے، آپ نے بلاوجہ ہی روک لیا۔''
''کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی، گھر کی سیٹنگ میں میری ہیلپ کرواؤ۔''
''آپی اس ہنگامے میں آپ یہ بھول رہی ہیں کہ آج آپ کا ڈاکٹر سے اپائنمنٹ ہے اور ہمیں ضرور جانا ہے۔''
''اُفوہ..... کون سا آخری اپائنمنٹ ہے، اگلے ہفتے چلے جائیں گے۔'' حمنہ کے لاپروائی سے کہنے پہ اس نے حمنہ کو گھورا۔
''آپی۔'' جواباً حمنہ نے اسی انداز میں اسے پکارا۔
''ہانیہ۔'' اور وہ بے ساختہ ہی ہنس دی۔ حمنہ بھی ہنستے ہوئے باہر نکل گئی تھیں۔
حمنہ نے درید کے بیڈ کے سرہانے والی دیوار پہ دونوں بھائیوں کی ایک یادگار تصویر لگائی جس میں وہ دونوں ایک دوسرے کے کندھے پہ ہاتھ رکھے بہت محبت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ فریم سیٹ کر کے پیچھے ہوئیں اور مسکراتی نظروں سے تصویر کو دیکھنے لگیں تب ہی اپنے کندھوں پہ زید کا لمس محسوس کر کے چونک کے مڑیں اور بچوں کے سے اشتیاق سے پوچھنے لگیں۔
''دیکھیں کتنی اچھی لگ رہی ہے ناں یہاں یہ تصویر؟''
''ہوں بہت، اب تھوڑا آرام بھی کرلو، کب سے لگی ہوئی ہو۔''
''ارے آرام بھی ہوتا رہے گا، یہ بتائیں ایئرپورٹ کے لیے ہم کب نکلیں گے؟'' وہ بلا مبالغہ کوئی بیسویں بار پوچھ رہی تھیں اور وہ حسب سابق بات ٹالنے والے تھے کہ وہ خود ہی ٹوک گئیں۔
''اور پلیز اب بتا بھی دیں، پھر کہیں گے کہ تم ٹائم پہ تیار نہیں ہوئی، مون اور مشی کو بھی تیار کرنا ہوگا مجھے۔'' انہیں جواب کا منتظر دیکھ کے زید ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ اب وہ انہیں کیا بتاتے کہ جس کے آنے کی وہ اتنی تیاریاں کر رہی تھیں وہ پہلے ہی قطعیت سے کہہ چکا تھا۔
''میں ڈیفنس والے فلیٹ میں رہوں گا۔''
''کیوں؟'' زید حیران ہوئے تھے۔
''آپ شاید بھول گئے ہیں کہ میں قسم کھا کے نکلا تھا کہ جب تک آپ کی وائف اس گھر میں ہیں، وہاں قدم نہیں رکھوں گا اور میں جھوٹی قسم نہیں کھایا کرتا۔''
''تمہارا دل نہیں چاہتا اس گھر میں آنے کا، جہاں تم پیدا ہوئے، پلے بڑھے، سب کی محبتیں سمیٹیں، امی سے لاڈ اٹھواتے تھے، مجھ سے فرمائشیں کرتے تھے، زندگی کا ایک سنہری دور گزارا ہے، جہاں تمہارے ماں باپ کی یادیں در و دیوار سے لپٹی ہیں۔''
''بھیا دل کسے کہتے ہیں؟'' اس نے ان کی بات کاٹ کے عجیب سے انداز میں پوچھا۔
''مطلب؟''
''میں نے پوچھا ہے دل کسے کہتے ہیں اور دل کوئی خواہش کرتا کیسے ہے اور دل کا چاہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ بتائیے


www.zemtime.com

ناں۔"

"کیا کہنا چاہ رہے ہو درید؟"

"میں اپنی معلومات میں اضافہ چاہتا ہوں کہ جسم کو خوں پہنچانے کے علاوہ بھی اس دل کا کوئی اور کام ہوتا ہے کیا؟" اس کا طنز سمجھ کے زید لب بھینچ کے رہ گئے۔ "خواہش، آرزو، تمنائیں یہ سب زندہ دلوں کو جچتے ہیں اور میں عرصہ ہوا سینے میں ایک گوشت کا بے حس سا ٹکڑا لیے گھوم رہا ہوں، سو آئندہ نہ پوچھے گا کہ میرا دل کیا چاہتا ہے۔" زید کچھ پل کو کچھ کہہ ہی نہ سکے پھر جیسے خیال آنے پہ پوچھا۔

"کیا بچوں سے بھی نہیں ملو گے؟"

"ماں کے نام پہ جن خاتون کا حوالہ ان بچوں کے ساتھ ہے وہ مجھے ان کی طرف بڑھنے سے روکتا ہے۔" اس کے تنفر سے کہنے پہ زید کو خود پہ ضبط کرنا مشکل ہونے لگا تھا۔

"لیکن پتا نہیں اب کے بعد ہماری دوبارہ ملاقات کب ہو تو آپ بچوں کو بھی فلیٹ پہ ہی لے آئے گا۔"

"مطلب تم واقعی گھر نہیں آؤ گے؟"

"نہیں۔"

"بتائیں ناں۔" حمنہ سیٹنگ کرتے ہوئے انہیں سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھنے لگیں تو وہ چونکے۔

"تم ایئرپورٹ کیوں جا رہی ہو حمنہ، انٹرنیشنل فلائٹ ہے، اکثر لیٹ ہو جاتی ہے، بچے تنگ کریں گے، سردی بھی اتنی ہے، خوامخواہ بے آرام ہو گی۔" انہوں نے سرسری انداز اپنایا تو وہ چند پل انہیں دیکھتے رہنے کے بعد بولیں۔

"اس ایک پل جب آپ دونوں بھائی گلے لگیں گے، میں نے برسوں انتظار کیا ہے، مجھے یہ احساس جرم کچوکے لگتا تھا کہ کہیں نہ کہیں میری وجہ سے وہ یہاں سے گیا ہے اور آپ دونوں میں دوریاں اتنی بڑھ گئی ہیں، میں ایئرپورٹ جا کر بے آرام نہیں ہوں گی بلکہ میری سالوں کی بے سکونی کو قرار ملے گا۔" بولتے ہوئے ان کی آواز بھرائی اور زید کو بے ساختہ ہی اس سادہ لوح عورت پہ پیار آیا تھا۔

"اس خود اذیتی سے پیچھا چھڑا لو حمنہ، وہ سب ایک سوچی سمجھی سازش کا شاخسانہ تھا، افسوس جب تک ہم بات کی تہہ تک پہنچتے، ہمارے بدخواہ کامیاب ہو گئے تھے لیکن کہتے ہیں ناں کہ خونی رشتے کمزور ضرور ہو سکتے ہیں لیکن ٹوٹ نہیں سکتے، تو مجھے بھی یقین ہے کہ اس بار درید آ کر واپس نہیں جا سکے گا۔" ان کے پریقین لہجے پہ حمنہ پورے دل سے مسکرائی تھیں۔

"بس تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ مشی اور مون کو ہانیہ کے پاس چھوڑ دیتے ہیں لیکن میں تو ضرور چلوں گی۔" انہوں نے قصداً ضدی لہجہ اپنایا تو زید ہنس دیے۔

"اچھا بابا چلی چلنا لیکن وہ تمہارا لاڈلا کیسا رویہ کرے پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا۔"

"اوکے باس۔" وہ شرارت سے بولیں اور دونوں ہی ہنس دیے تھے۔

☆.....☆.....☆

کیا بات ہے اماں، جب سے اپنے گاؤں سے واپس آئی ہیں آپ بہت اداس لگ رہی ہیں؟" یوسف احمد نے حسب عادت رات کو ماں کے پیر دباتے ہوئے ان سے پوچھا تو جواباً صالحہ پروین نے ایک تھکی ہوئی سی سانس خارج کی۔

"جانتے ہو یوسف بچپن کی دوستیاں انسان کو سدا یاد کیوں رہتی ہیں؟ کیونکہ کھیل کھیل میں بچے صرف اپنے



www.zemtime.com

کھلونے اور وقت نہیں بانٹ رہے ہوتے بلکہ جانے انجانے میں اپنے خواب، آرزو، امیدیں اور من چاہے مستقبل کے حسین سپنے بن رہے ہوتے ہیں یہ جانے بغیر کہ ایک ساتھ خواب دیکھنے والوں کو زندگی الگ الگ تعبیریں دکھائے گی، کچھ تو توقع سے زیادہ پائیں گے اور کچھ کو وہ سب جھیلنا پڑے گا جو انہوں نے خوابوں میں بھی تصور نہ کیا ہوتا۔" انہوں نے بولتے ہوئے یوسف کی آنکھوں میں چھپا سوال پڑھ لیا تھا جسے وہ ماں کے احترام میں کہہ نہیں رہے تھے کہ ان سب باتوں سے ماں کی اداسی کا کیا تعلق تھا جب ہی انہوں نے پوچھا۔

"غائبانہ طور پر ہی سہی، اسماء کو جانتے ہو ناں؟"

"جی، آپ کی بہترین سہیلی جن کی خوب صورتی اور نفاست کا آپ بہت ذکر کرتی ہیں۔"

"ہوں وہی، وہ ہم سب میں سب سے حسین اور چھوئی موئی سی تھی، اس کی اماں اس سے کوئی کام نہ کرواتی تھیں کہ اس کے ناخن نہ خراب ہو جائیں، اس کے ہر جوڑے کے ساتھ میچنگ کی چھتری بنتی تھی کہ وہ جب بھی دھوپ میں نکلے کپڑوں کی شایان شان چھتری اس کے پاس ہو، اس کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر ہم سب اسے شہزادی کہتے تھے۔" وہ ماضی یاد کرتے ہوئے بے خیالی میں مسکرا دیں۔

"جی، لیکن ان سے تو زمانے سے آپ کی ملاقات ہی نہیں ہوئی؟" یوسف کے سوال پہ وہ تاسف سے سر ہلانے لگیں۔

"ہاں آج تک نہیں ہوئی تھی اور نہ جانے کتنے دن یہ افسوس رہے گا کہ آج بھی کیوں ہوئی۔"

"کیا مطلب؟" یوسف چونکے۔

"اپنی کلیوں جیسی نازک سہیلی کو آج جس حال میں دیکھا ہے ناں یوسف..... سچ کہوں میرا دل تک زخمی ہو گیا ہے۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولیں۔ "میں تو اپنے آبائی گھر کو دیکھنے کی غرض سے وہاں چلی گئی تھی، اگر وہ مجھے گاڑی میں بیٹھتا دیکھ کر پکار نہ لیتی تو شاید میں اسے خود سے پہچان بھی نہ پاتی۔ اس سے مل کے، گھنٹوں باتیں کر کے، اس کا دکھ سکھ سن کے آ رہی ہوں اور اب تک بے یقین ہوں کہ وہ واقعی اسماء تھی۔"

"لیکن..... مطلب..... وہ ایسے حالوں میں کیوں ہیں، ان کی تو اچھے گھرانے میں شادی ہوئی تھی ناں؟"

"نصیب میرے بچے..... نصیب۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔ "شادی کو سات سال ہی ہوئے تھے کہ شوہر ایک حادثے میں چل بسا، سسرال والوں نے رکھنے سے منع کر دیا تو دو بیٹیوں کے ساتھ واپس میکے آ بیٹھی لیکن نہیں جانتی تھی کہ اب یہ اس کا وہ 'گھر' نہیں رہا تھا جہاں اس کی آنکھ کے اشارے پہ فرمائش پوری ہوتی تھیں، والدین بوڑھے ہو چکے تھے اور گھر پہ بھائی بھاوج کا راج تھا اور اس کے لیے ایک نا ختم ہونے والے تکلیف دہ دور کا آغاز ہو گیا تھا۔" وہ اتنی پژمردگی سے بتا رہی تھیں جیسے یہ تکالیف انہوں نے خود سہی ہوں۔

"سالوں گزر گئے، وہ اپنے ماں باپ کے گھر نوکروں کی طرح رہے رہی ہے، اس کی بچیاں اسکول نہ جا سکیں، ماموں کے بچوں کی پرانی کتابوں سے ہی اسماء نے انہیں لکھنا پڑھنا سکھایا، والدین کے انتقال کے بعد بھاوج کو اس کا بے ضرر وجود بھی کھٹکنے لگا تو گھر میں آئے دن کوئی نہ کوئی فساد کھڑا کر دیتی، تنگ آ کر بھائی نے اسے اور اس کی بچیوں کو گھر سے نکل جانے کو کہہ دیا..... یوسف وہ آج بھی بتاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی کہ کیسے اس نے اپنے بھائی بھاوج کے پیروں میں گر کر ان سے نا کردہ گناہوں کی معافی مانگی تھی صرف اس لیے کہ اسے رہنے کو گھر مل جائے..... بھائی کو ہی تھوڑی شرم آئی اور اس نے باہر نہ نکالا لیکن اس کی بیوی نے اندر ہی اندر ایک اور کھچڑی پکانی شروع کر دی تھی اور پھر ایک دن اس کے بھائی نے دھماکہ کر دیا کہ اس نے ماں باپ کا گھر بیچ دیا ہے اور اپنا حصہ لے



www.zemtime.com

کر وہ شہر جا رہا ہے۔ جب اسماء نے اپنا حصہ مانگا تو اس نے کہا کہ وہ اپنے حصے کے پیسوں سے اپنا جہیز لے جا چکی ہے۔"

"ارے یہ تو ناجائز بات کی انہوں نے؟" یوسف نے تاسف سے کہا تو صالحہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"لالچ وہ بلا ہے کہ انسان کی انسانیت کھا جاتی ہے، اسے شریعت کہاں یاد رہے گی بھلا۔ اسماء نے بتایا کہ تین دن اور تین رات وہ جوان بیٹیوں کے ساتھ در در بھٹکتی رہی پر کوئی پناہ دینے کو تیار نہ ہوا۔ تین دن بعد جب اس گھر کے نئے مالکان وہاں رہنے کی غرض سے آئے تو اس نے ان کی خوب منت سماجت کی، ان لوگوں کے دل میں اللہ نے رحم ڈالا اور اسے صحن میں دو کمرے بنا کے ملازمہ کی حیثیت سے نوکری دے دی..... سوچ یوسف کیسا کڑا امتحان ہے کہ جس آنگن میں وہ تتلی کی طرح اپنی مرضی سے اڑتی پھرتی تھی، آج اسی آنگن میں وہ اور اس کی بچیاں نوکروں کی طرح رہنے پہ مجبور ہیں..... بتاؤ میرا اداس ہونا جائز ہے کہ نہیں؟" وہ اپنی بات کے اختتام پر رو دیں تو یوسف احمد نے انہیں پانی پلایا، آنسو پونچھے اور پیار سے ان کے ہاتھ سہلانے لگا۔ وہ ماں کی حساس اور خدا ترس فطرت سے واقف ہونے کے باعث ان کی قلبی کیفیت اچھے سے سمجھ رہا تھا۔

"بہت دکھ بھری داستاں ہے اماں اور سلام ہے اسماء خالہ کی ہمت کو لیکن آپ اپنے آپ کو اس طرح ہلکان تو نہ کریں، آپ اتنی مضمحل ہو رہی ہیں کہ مجھے آپ کی طبیعت کی فکر ہو رہی ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں بیٹے، بس یہ دھچکا اتنا ناقابل یقین تھا کہ خود کو سنبھالنے میں مجھے کچھ وقت لگے گا۔"

"میں جانتا ہوں اماں، آپ نہایت باہمت ہیں، اپنے آپ کو سنبھالیں اور یہ سوچیں کہ اللہ نے اس موڑ پہ آپ کو ان سے کیوں ملوایا؟" وہ چونکیں۔

"کیوں؟"

"تاکہ آپ اپنی عزیز ترین سہیلی کے کسی طرح کام آسکیں، ان کے دکھ درد کی ساتھی بن سکیں، وہ جو تن تنہا سب سہہ رہی ہیں کیا پتا اللہ نے ان کی مدد کرنے کے لیے آپ کو منتخب کر لیا ہو۔" وہ بچوں کی طرح انہیں سمجھا رہا تھا اور صالحہ پروین کی بے چینی کو جیسے قرار مل رہا تھا۔ انہوں نے یوسف کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

"خوش رہو میری جان، تم نے میری منتشر سوچوں کو ایک نیا رخ دکھا دیا۔"

"مانتی ہیں ناں کہ آپ کی سب سے اچھی سہیلی میں ہوں۔" یوسف نے قصداً شرارت سے کہا تو وہ بھی ہنس دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

"اماں..... یہ اتنا سارا سامان..... کون لایا، کیا ہمارے لیے ہے؟" ثریا کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ اسماء نے مسکرا کے سر ہلایا۔

"ہاں اس دن میری سہیلی صالحہ آئی تھی ناں، اسی نے یہ سب تم لوگوں کے لیے بھجوایا ہے..... ارے ارے آرام سے، کیا کر رہی ہو تم دونوں؟" انہوں نے پریشانی سے دونوں بیٹیوں کو دیکھا جو شاپر پھاڑ کر سامان باہر نکال رہی تھیں۔

"اماں دیکھو تو سہی، یہ کپڑے، جوتے، پرس اور یہ میک اپ..... ہائے اللہ ہمارے تو نصیب جاگ اٹھے۔" چھوٹی زرین جیسے ندیدوں کی طرح ہر چیز خود سے لگا کے دیکھ رہی تھی، اسماء کا دل کڑھ کے رہ گیا۔

اس نے تو یہ سب بہت برتا تھا لیکن اس کی بچیوں کو یہ سب نانا کے گھر آنے کے بعد نصیب نہ ہوا اور ماموں کے



www.zemtime.com

بچوں کے پاس ہر چیز کی فراوانی کے باوجود ان کی اترنیں پہن کے بڑی ہونے والی ان کی بیٹیاں آج یہ سب دیکھ کر جیسے پاگل ہو رہی تھیں۔

''اماں کیا وہ بہت امیر ہیں؟'' ثریا نے پوچھا تو اس نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ دل کی دولت سے مالا مال ہے، کبھی کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی، اس دن بھی میرے ساتھ ساتھ آنسو بہا رہی تھی اور مجھے خط میں لکھ بھیجا ہے کہ اب سے وہ ہمارا سارا خرچا اٹھائے گی اور تم دونوں کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو، وہ بخوشی تمہارے لیے مہیا کرے گی۔''

''واہ اماں، ایسی دوست کہاں چھپا رکھی تھی۔'' زرین نے ستائش سے کہا تب ہی ثریا نے ماں سے پوچھا۔

''اماں..... ان کے کتنے بچے ہیں؟''

''دو بیٹے ہیں، تم دونوں سے تھوڑے ہی بڑے ہوں گے، شوہر بہت امیر تھے، اب ان کے انتقال کے بعد یوسف اور ابراہیم ہی سب سنبھالتے ہیں اور فرماں بردار ایسے کہ ماں کی آنکھ کے اشارے سے چلتے ہیں۔'' اسماء کے لہجے میں محبت تھی جبکہ ثریا کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

''شادی نہیں کیں انہوں نے بیٹوں کی اب تک؟''

''نہیں..... بتا رہی تھی کہ بچے کہتے ہیں ماں کی پسند سے شادی کریں گے تو کسی اچھی لڑکی کی تلاش میں ہے آج کل۔''

''ہوں.....'' ثریا کا ذہن خیالوں میں تانے بانے بننے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس نے کھٹکے کی آواز پہ دروازہ کھولا تو صالحہ کو دیکھ کر بڑی محبت سے ان کے گلے لگ گئی۔

''السلام علیکم خالہ، اندر آیئے ناں۔'' اور صالحہ اتنی محبت سے استقبال پر خوش ہوئیں۔

انہوں نے اندر آ کر صوفے پہ بیٹھنے تک کے دوران میں ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا بھیجا ہوا سامان ان لوگوں کے کام آ رہا ہے۔ وہ ثریا سے روزمرہ کی باتیں کرنے لگیں، ثریا بھی متانت سے انہیں نپے تلے جواب دے رہی تھی تب ہی صالحہ نے پوچھا۔

''بیٹا آج اسماء گھر پہ نہیں ہے کیا؟''

''نہیں وہ اور زرین کام سے گئے ہوئے ہیں۔''

''اوہ اچھا، کہاں گئے ہیں؟'' ان کے سرسری سا پوچھنے پہ وہ سر جھکا گئی۔

''وہ..... وہ امی ناں.....'' اسے انگلیاں مروڑتے دیکھ کے صالحہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''ثریا، کیا بات ہے، مجھ سے کیا چھپا رہی ہو؟'' تو وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے رو دی۔

''کیا بتاؤں خالہ، امی آج کل بہت پریشان ہیں، انہیں میری شادی کی فکر کھائے جا رہی ہے، سب کہتے ہیں کہ میری عمر نکلی جا رہی ہے، آپ خود سوچیں، دو کمروں میں رہنے والی ماسی کی بیٹی کو کون بیاہنے آئے گا۔''

''ایسا نہ کہو بیٹا۔'' صالحہ نے اسے تڑپ کے ٹوکا۔

''یہ حقیقت ہے خالہ، اس سے فرار کیسا، میں نے تو قسمت سے سمجھوتا کر لیا ہے لیکن امی کے دل کو قرار نہیں آتا۔ آج بھی کسی کے بتانے پہ گاؤں سے باہر کسی پیر سے میرے لیے تعویز لینے گئی ہیں کہ میرا سویا نصیب جاگ جائے۔'' وہ خود اذیتی سے بولی تو صالحہ دکھ سے اسے دیکھ کے رہ گئیں۔



www.zemtime.com

''اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے بیٹی، تمہارے لیے بھی بہت اچھا جوڑ بنایا ہوگا اللہ نے، دل چھوٹا مت کرو۔''
انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے اور پرس سے ایک لفافہ نکالا۔
''میں اب چلتی ہوں تم یہ اسماء کو دے دینا۔''
''بیٹھیے ناں خالہ، اماں ایک آنے والی ہوں گئی۔''
''نہیں بیٹا آج تھوڑی جلدی میں ہوں، ان شاء اللہ جلدی ہی دوبارہ آؤں گی۔'' وہ اسے پیار کر کے نکل آئیں تو ثریا نے دروازہ بند کر کے ایک طویل پرسکون سی سانس لی اور لفافہ کھول کے چمکتی آنکھوں سے نوٹ گننے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی پسینے سے شرابور اسماء اور زرین گھر واپس آئیں اور اسماء نے اس کے خوب ہی لتے لیے۔
''پتا نہیں کس نے افواہ اڑائی اور تم نے ہمیں خوار ہونے کو بھیج دیا۔ کوئی بازار نہیں لگا ہوا تھا وہاں پہ۔''
''ارے مجھے تو مینو نے کہا تھا کہ ہر ہفتے وہاں بازار لگتا ہے، اتنا بہترین سامان ملتا ہے تو میں نے سوچا ہم کیوں نہ فائدہ اٹھائیں، اب تو ہمارے پاس بھی پیسے ہوتے ہیں۔'' اس نے لفافہ لہرایا تو اسماء چونکیں۔
''یہ لفافہ..... صالحہ آئی تھی کیا؟''
''جی، آپ کا انتظار کر کے چلی گئیں۔'' اس کے مزے سے بتانے پہ اسماء نے اسے غصہ سے دیکھا۔
''تمہارا ستیاناس جائے، وہ بے چاری اتنی دور سے مجھ سے ملنے آئی اور تمہارے اس موئے شوق کی وجہ سے میں اس سے مل بھی نہ سکی۔''
''کوئی بات نہیں اماں، اب وہ جلدی جلدی آیا کریں گی۔'' ثریا معنی خیزی سے کہتی اندر چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ تینوں ماں بیٹے کھانا کھا رہے تھے جب یوسف احمد نے ماں کو مخاطب کیا۔
''ارے اماں آج حکیم چچا ملے تھے۔''
''اچھا، واپس کب آئے وہ لوگ؟'' صالحہ نے پوچھا۔
''بس چچا کی جہاز کی نوکری چھ مہینے پہلے ختم ہوگئی تھی تو تمام ضروری امور نمٹاتے نمٹاتے انہیں اتنا عرصہ لگ گیا۔''
''چلو شکر ہے، ورنہ مجھے تو فکر ہو چلی تھی کہ کوئی رابطہ نا اتا پتا، جانے کہاں چلے گئے یہ لوگ۔''
''ارے اماں، ابراہیم کی دعائیں ان لوگوں کو کھینچ لائی ہیں۔'' اس نے قصداً بے تاثر چہرہ بنائے بھائی کو چھیڑا تو وہ ماں کی موجودگی کی وجہ سے بری طرح جھینپ گیا۔
''کیا بھائی جان، آپ بھی، بھلا میں کیوں ان کی واپسی کی دعائیں مانگنے لگا؟''
''ان کی نہیں تم آسیہ کی واپسی کی دعا کر رہے ہوگے ناں۔'' یوسف احمد کو بھائی کا سرخ چہرہ دیکھ کر بڑا مزہ آ رہا تھا، اب کے صالحہ بھی ہنسنے لگیں۔
''یوسف مت تنگ کرو میرے شرمیلے سے بیٹے کو۔''
''شرمیلا..... اماں آپ کو اس کے کرتوت پتا نہیں ہیں، اس نے ایک دفعہ آسیہ کو.....''
''بھائی جان میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟'' ابراہیم گھبرا کے کھانے سے ہی اٹھ گیا تو یوسف نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔
''اچھا..... اچھا بیٹھ کے کھانا تو مکمل کر لو۔''
''نہیں بس میں چلا ورنہ آپ میری ٹانگ ہی کھینچتے رہیں گے۔'' وہ مصنوعی خفگی سے کہتا اندر چلا گیا تو ماں بیٹا



www.zemtime.com

دونوں ہی ہنس دیے۔

''آسیہ کی پڑھائی بھی اب مکمل ہوگئی ہے، میں سوچ رہی ہوں تم بھی کسی لڑکی کو پسند کرلو تو دونوں بھائیوں کی ساتھ ہی شادی کردوں۔''

''اماں یہ کوئی اسکول میں داخلہ تھوڑی ہے کہ دونوں بھائیوں کا ایک ساتھ ہی ہوگا۔'' یوسف شرارت سے ہنسا۔

''اور ویسے بھی میں نے شادی سے کب انکار کیا ہے، بس یہ لڑکی وڑکی پسند کرنا میرا ڈپارٹمنٹ نہیں، جب ہی تو پورا اختیار آپ کو دیا ہوا ہے۔''

''لیکن یوسف، شادی عمر بھر کا معاملہ ہوتا ہے، کچھ تو تمہارے ذہن میں بھی شریک حیات کے حوالے سے خواب ہوں گے، اچھا چلو یہ ہی بتادو کہ اپنی بیوی میں کیا اوصاف دیکھنا چاہتے ہو؟''

''میں چاہتا ہوں میری بیوی بالکل آپ کے جیسی ہو۔'' اس کے ایک دم کہنے پہ صالحہ جھینپ سی گئیں۔

''ہٹو بھی۔''

''نہیں سچ میں، میں اپنی بیوی میں آپ کی خوبیاں دیکھنا چاہتا ہوں لیکن اب آپ کے جیسا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا تو پھر جس سے چاہیں شادی کردیں۔'' اس کے مصنوعی بے چارگی سے کہنے پہ صالحہ کو ہنسی روکنا مشکل ہوگئی۔

''بہت مکھن لگانے لگے ہو آج کل۔'' پھر ایک خیال آنے پہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولیں۔ ''تم نے ہمیشہ سے ہی اپنی شادی کے فیصلے کا مختار مجھے بنائے رکھا ہے لیکن پھر بھی میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ اگر میں اسماء کی بیٹی سے تمہاری شادی کرنا چاہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' ان کے آس سے پوچھنے پہ وہ چپ ہوگیا۔

''کیا ہوا؟ تمہیں میری پسند سے اختلاف ہو تو کھل کے بتانا۔''

''ارے نہیں اماں، بس وہ اچانک ہی آپ نے نام لے دیا، میں توقع نہیں کررہا تھا اسی لیے تھوڑا حیران ہوں۔''

''کہیں تمہیں ان کے حالات اور رہن سہن کی وجہ سے.....''

''نہیں اماں، استغفراللہ، ایسی کوئی بات نہیں، بس یہ خیال سا آیا کہ وہ گاؤں کی پلی بڑھی ہیں، یہاں ایڈجسٹ ہوجائیں گی؟ اور پھر آپ نے بتایا کہ وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے ادھر آسیہ ماشاءاللہ گریجویشن کرچکی ہے تو وہ کہیں کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہوجائے۔''

''تم ایک بار اس سے مل کر تو دیکھو، اتنی سلجھی ہوئی شائستہ سی بچی ہے، اسماء اس کی شادی کے لیے بہت پریشان رہتی ہے، میں نے سوچا اسے اپنے گھر کی زینت بنالیں تو ہمارے بھی گھر میں رونق ہوجائے گی اور اسے بھی اللہ کے حکم سے ایک بہتر زندگی حاصل ہوجائے گی اور آسیہ تو طبیعت کی اتنی ملنسار ہے کہ مجھے امید ہے دونوں میں گاڑھی چھننے لگے گی۔'' وہ تصور کی آنکھ سے یہ خوش کن مناظر دیکھ کر ابھی سے خوش ہونے لگی تھیں۔ ''اللہ کی دی ہر نعمت ہمارے پاس ہے، بس تم دونوں بھائیوں کا پیار اور ایکا بنا رہے، تم اپنی بیوی کے ساتھ سکھی رہو، یہ آنگن تمہارے بچوں کی قلقاریوں سے گونجے، مجھے اور کوئی تمنا ہی نہیں۔''

''اماں، ابھی آپ نے صرف لڑکی کے بارے میں سوچا ہے اور آپ کو بچوں کی چہکاریں بھی سنائی دینے لگیں۔'' یوسف کے چھیڑنے پہ وہ مسکرائیں۔

''ان شاءاللہ میں جلد ہی اسماء سے بات کرتی ہوں۔''

☆.....☆.....☆

''تم یہاں بیٹھی کتابیں ہی چاٹتی رہنا تمہیں آواز دے دے کر گلہ ہی خشک ہوگیا۔'' سائرہ نے اس کے ہاتھ سے



www.zemtime.com

کتاب چھینی تو آسیہ چونکی۔
''ہیں..... مجھے کس نے آواز دی؟''
''امی کب سے آواز دے رہی ہیں، مہمان آئے ہیں چائے بنالو لیکن تم پتا نہیں کتاب ہاتھ میں لیتے ہی کس دنیا کی سیر کو نکل جاتی ہو۔''
''افوہ..... اس وقت کون آگیا بھئی؟'' آسیہ چڑ سی گئی۔ ''میرا بالکل موڈ نہیں ہے اس وقت چائے بنانے کا، پلیز تم یہ ثواب کمالو۔''
''بالکل نہیں۔'' سائرہ نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے پیر پھیلائے۔
''میں نے آج کھانا پکایا ہے، برتن بھی دھوئے ہیں، دھلے کپڑے تہہ کیے ہیں، میں اب بالکل کام نہیں کروں گی۔''
''بہت طوطا چشم ہو۔'' آسیہ بھنا کے بستر سے اتری اور چپل پہن کے باہر کی طرف چل دی کہ پیچھے سے سائرہ نے آواز لگائی۔
''ارے حلیہ تو صحیح کرلو۔'' تو وہ بنا پلٹے ڈھٹائی سے بولی۔
''ایسے اوندھے ٹائم آنے والوں کو ایسے ہی حلیہ میں ملنا چاہیے تاکہ وہ اگلی بار ٹپکنے سے پہلے سوچ لیں۔'' سائرہ امی کے ہاتھوں اس کی متوقع درگت کا سوچ کے مسکرانے لگی۔
آسیہ نے چائے بنائی، ساتھ بسکٹ رکھے، ایک نظر اپنے آپ کو دیکھا۔ پستئی رنگ کے کپڑے ہلکے ہلکے ملگجے ہورہے تھے، تیل کی وجہ سے بال بھی بالکل سر سے چپکے ہوئے تھے، اس نے ہاتھ سے ہی کپڑوں کی شکنیں دور کرنے کی ناکام کوشش کی اور دوپٹا ماتھے تک کھینچ لیا۔ چائے لے کر جاتے وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ اندر جانے کے بجائے امی کو بلا کے ٹرے تھما دے گی، یقیناً کوئی دور پرے کے رشتہ دار ہی تھے ورنہ تو سائرہ نام بتا ہی چکی ہوتی۔ اس نے ڈرائنگ روم کے پاس پہنچ کر امی کو آواز دی تو انہوں نے اسے اندر ہی بلالیا۔ وہ بیزاری سے ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی لیکن سامنے صوفے پہ بیٹھے ابراہیم احمد کو دیکھ کے وہ بری طرح سٹپٹائی اور ایک نظر میں ہی اس کے حلیے کا جائزہ لیتے ابراہیم کے ہونٹوں پہ بڑی محظوظ کن مسکراہٹ آئی جبکہ آسیہ کی امی کا اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہا تھا۔
آسیہ چائے کی ٹرے میز پہ رکھ کے ماں کے برابر میں بیٹھنے تک اچھی طرح اندازہ کرچکی تھی کہ بظاہر امی سے باتیں کرتے ابراہیم کی توجہ کا مرکز اس وقت وہی تھی اور اپنے حلیے کی وجہ سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جادو کے زور سے وہاں سے غائب ہوجائے تب ہی سائرہ اندر داخل ہوئی تو ان کی والدہ مہتاب بانو نے آہستہ سے اس سے پوچھا۔
''کہاں تھیں بیٹا، آسیہ کو ابراہیم میاں کے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی کیا؟''
''ارے امی باجی کو بتانے جارہی تھی کہ شکورن خالہ کا فون آگیا اور وہ دوسرے کی سنتی ہی کہاں ہیں، اتنی دیر مجھ سے بات کرتی رہیں اب آپ کو بلا رہی ہیں کہ بہت ضروری بات ہے۔''
''ارے لیکن..... اچھا بول دو ابھی بات نہیں کرسکتی بعد میں خود فون کرلوں گی۔''
''ان کو یہ بات سمجھانے میں ہی اتنی دیر لگی لیکن وہ بضد ہیں کہ اس وقت بات کرنا بہت ضروری ہے۔''
''اللہ خیر کرے ایسی کیا بات ہے، ابراہیم آپ بیٹھو بیٹا، میں ابھی آتی ہوں۔'' ان کے باہر نکلتے ہی سائرہ ابراہیم سے مخاطب ہوئی۔
''یہاں سے فون تک پہنچنے میں دو منٹ اور فون پہ ہیلو، ہیلو، بولو نہ بھئی کہنے کے بعد واپس آنے میں لگیں گے امی کو


www.zemtime.com

تین منٹ، تو ٹوٹل ہوئے آپ کے پاس پانچ منٹ، جلدی جلدی بات کرلیں، اپنا کمیشن آپ سے بعد میں وصول کروں گی۔" وہ آسیہ کی خونخوار نظروں کی پروا کیے بغیر تیز تیز بولتی باہر نکل گئی تو ابراہیم احمد مسکراتے ہوئے آسیہ کی طرف متوجہ ہوئے جواب سر جھکائے کنفیوز بیٹھی تھی۔

"کیسی ہو؟"

"اچھی ہوں۔"

"اور ان کپڑوں میں اور بھی اچھی لگ رہی ہو۔" ابراہیم کے چھیڑنے پہ وہ خجالت سے بول گئی۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ آپ آئے ہوئے ہیں۔"

"یعنی اگر میں اطلاع دے کر آؤں گا تو تم مجھے تیار ملو گی؟" ابراہیم اس کے قریب آکر شوخی سے پوچھنے لگے تو وہ دانتوں تلے لب دبا کے رہ گئی۔

"آہم..... آہم، امی آرہی ہیں۔" سائرہ نے آہستہ سے اطلاع دی تو آسیہ تیزی سے پیچھے ہٹی، ابراہیم بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد آسیہ نے سائرہ کو بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔

"شرم تو نہیں آتی ناں، کیوں نہیں بتایا کہ وہ آئے ہوئے ہیں۔"

"دیکھو باجی سرپرائز کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے، اب کتنے دن تک ابراہیم بھائی تمہارا حلیہ سوچ کر محظوظ ہوتے رہیں گے۔" سائرہ کے چڑانے پہ آسیہ نے اس کی طرف تکیہ اچھالا جسے اس نے ہنستے ہوئے کیچ کرلیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"تم..... تم کیا کہہ رہی ہو صالحہ، مجھے یقین نہیں آرہا، ایسا..... ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" ثریا کے لیے یوسف احمد کا رشتہ آنا اسماء کے لیے اتنا ناقابل یقین امر تھا کہ انہیں الفاظ کی ادائیگی مشکل لگنے لگی تھی۔

"اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے، مجھے تو تمہاری ثریا بہت بھائی ہے، ہاں اگر تم یوسف سے ملے بغیر ہاں نہیں کرنا چاہتیں تو فکر مت کرو، آج مجھے لینے وہی آئے گا، تم مل لینا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو صالحہ، تمہاری اولاد ہے، مجھے بن دیکھے ہی بہت پیاری ہے لیکن..... میں..... میں کیسے کہوں..... یہ ایک بے جوڑ شادی نہیں ہوگی؟ تم یوسف سے تو پوچھ لو۔"

"جوڑ اللہ بنا کے ہی بھیجتا ہے، ہمیں تو صرف رسومات پوری کرنی ہوتی ہیں اور یوسف کی مرضی سے ہی میں یہ رشتہ ڈال رہی ہوں۔ تم سوچ لو پھر مجھے اس نمبر پہ فون کردینا تو ہم تاریخ رکھنے آجائیں گے۔"

"ارے اتنی جلدی..... صالحہ میرے پاس تو کوئی انتظام....."

"کیسا انتظام بھئی، میں تم سے صرف اپنی بہو لے کے جاؤں گی باقی مجھے ایک تنکا بھی نہیں چاہیے۔" صالحہ کے مان سے کہنے پر اسماء ڈبڈبائی آنکھوں سے ان کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دیں۔

"میں تمہارے احسانات کا بدلا چکانے کا سوچ بھی نہیں سکتی صالحہ، تم تو میرے لیے واقعی رحمت کا فرشتہ بن کے آئی ہو..... مجھے اپنی بچیوں کی شادی بڑی فکر تھی کہ مجھے کچھ ہوگیا تو ان کا کیا ہوگا، تم نے میرا درد بانٹنے کے ساتھ میری سوچوں کا بار بھی آدھا کردیا۔"

"ہشت..... پاگل، دوستی کو احسان کے ترازو میں نہیں تولتے، بس تم ہاں کرو اور خبردار جواب کسی پیر فقیر کے پاس گئیں تو، بخت کی کنجیاں صرف رب پاک کے پاس ہوتی ہیں، انہیں مزاروں پہ نہ کھوجا کرو۔" صالحہ نے لگے ہاتھوں انہیں رسان سے سمجھایا تو اسماء ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔



www.zemtime.com

''کون سے پیر فقیر کی بات کر رہی ہو؟'' اور ایسی کسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے کمرے کے باہر تیار کھڑی ثریا اندر داخل ہوئی۔

''ارے خالہ آپ کب آئیں، اصل میں پڑوس میں میلاد پڑھنے گئی ہوئی تھی تو آپ کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔'' وہ سر پہ سلیقہ سے ڈوپٹہ جمائے کمال کی اداکاری کر رہی تھی، اسماء نے چونک کے اسے دیکھا جو ابھی صالحہ کے دروازہ کھٹکھٹانے پہ نیند سے جاگ کے غسل خانے کی طرف بھاگی تھی۔

صالحہ اسے اپنے پاس بٹھا کے پیار سے باتیں کر رہی تھیں جب گاڑی کا ہارن سنائی دینے پہ وہ خوشدلی سے اسماء سے مخاطب ہوئیں۔

''مجھے لگتا ہے یوسف آ گیا..... ثریا بیٹا دروازہ کھول کے میرے بیٹے کو یہیں لے آؤ۔'' وہ تابعداری سے سر ہلاتی باہر نکلی جبکہ اتنی آسانی سے دلی مراد بر آنے پہ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو اونچے لمبے سرخ و سفید یوسف احمد کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر اپنی ہی قسمت پہ رشک کرنے لگی۔ اسے دروازے پہ کھڑے دیکھ یوسف نے متانت سے پوچھا۔

''اسماء خالہ کا گھر یہی ہے؟''

''جی، آپ صالحہ خالہ کے بیٹے ہیں؟'' ثریا نے انجان بن کر پوچھا اور اس کے اثبات میں سر ہلانے پر اسے اندر لے آئی۔ وہ سلام کر کے اسماء کے سامنے سر پہ ہاتھ پھروانے کو رکا تو وہ اتنی عزت ملنے پہ نہال ہی ہو گئیں۔

ثریا موقع کی مناسبت سے اندر چلی گئی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ وہیں بیٹھ کے یوسف احمد سے گپیں لگائے لیکن شرمیلی اور بردبار لڑکی کا تاثر بنانے کے لیے اسے اس وقت اپنا دل مارنا پڑا۔ اسماء تو پہلے ہی اس رشتے کے لیے دل و جان سے راضی تھیں، یوسف کو دیکھ کے تو رہے سہے خدشات بھی دور ہو گئے اور انہوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی رضامندی ظاہر کی تو طے یہ پایا کہ اگلی بار صالحہ باقاعدہ تاریخ رکھنے آئیں گی اور جلد ہی شادی کر دی جائے گی۔ ثریا کی خوشی دیدنی تھی۔ صالحہ شگن کے نام پہ جو دس ہزار اس کے ہاتھ پہ رکھ گئی تھیں انہیں وہ سونگھ سونگھ کے گن رہی تھی اور خود پہ پنکھا جھل رہی تھی۔ زرین اسے حرص بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہائے آپی تمہارا تو سیاہ نصیب ایک دم ہی چمک اٹھا۔''

''دفع دور۔'' ثریا بھنائی۔ ''میرا نصیب تو دیکھنا چاند ستاروں سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔'' وہ اترا کے بولی تو اسماء نے دل ہی دل میں ان شاء اللہ کہا، تب ہی ایک خیال آنے پہ پوچھنے لگیں۔

''یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ صالحہ نے مجھے پیر فقیر کے پاس جاتے کب دیکھ لیا جو منع کر رہی تھی، میں تو ایسے لوگوں سے ویسے ہی دور بھاگتی ہوں اور ثریا تم تو سو رہی تھیں تو پھر.....''

''افوہ اماں، تم ہمیشہ بھولی ہی رہو گی..... اگر تمہاری طرح ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھی رہتی تو ساری زندگی یہیں برتن مانجھتی رہتی۔'' ثریا چمکتی آنکھوں سے بولی۔ ''مجھے اس جہنم سے آزادی مل رہی ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔'' اس کے شاطرانہ انداز پہ اسماء نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''دیکھو ثریا، وہ بہت سیدھے سادے نیک طبیعت لوگ ہیں، تمہیں بڑے مان سے اپنا رہے ہیں، تم بھی انہیں اتنی ہی عزت اور محبت دینا، مجھے کبھی شرمندہ نہ کروانا۔'' ثریا کے بدلے تیوروں نے انہیں نجانے کیوں تشویش میں مبتلا کر دیا تھا جواباً وہ کھلکھلائی۔

''ارے اماں ساری فکریں چھوڑ دو، اب تمہارے عیش کرنے کے دن آ رہے ہیں، بس ایک بار مجھے یوسف احمد



www.zemtime.com

کے گھر میں جانے تو دو۔" اسماء بس ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆

"بھائی حکیم، مہتاب، اب آپ میری امانت مجھے سونپنے کی تاریخ دے دیں۔" صالحہ اس سے اگلے دن آسیہ کے گھر تاریخ لینے آئیں۔ "الحمدللہ یوسف کے لیے بھی لڑکی پسند کرلی ہے، میں چاہ رہی ہوں کہ دونوں بیٹوں کی شادی ایک ساتھ ہی کردوں۔"

"بالکل بھابی، نیک کام میں دیر کیسی، آسیہ کا رزلٹ آنے کے ساتھ ہی میں نے تھوڑی بہت تیاری بھی شروع کردی تھی، آپ مناسب سمجھیں تو اگلے مہینے کا پہلا جمعہ رکھ لیتے ہیں۔" مہتاب بانو کے کہنے پہ صالحہ نے انہیں ٹوکا۔

"جمعہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ تیاری کی کیا بات کی تم نے؟ اللہ اچھا رکھے آسیہ کے قدموں سے میرے گھر میں رونق ہونے والی ہے، تیاریاں تو میں اس کے استقبال کی کررہی ہوں، تم سے تو مجھے بس صرف آسیہ ہی چاہیے۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں نے تو تیاری اپنے شہزادے جیسے داماد کے لیے کی ہے۔" مہتاب ہنستے ہوئے بولیں تو یوسف نے ابراہیم کو دھیرے سے کہنی ماری جواباً وہ جز بز سا ہو کر رہ گیا۔

طے یہ ہی پایا تھا کہ اسماء کا تو گاؤں میں کوئی بھی نہیں تھا تو وہ شادی سے چند دن پہلے یہیں آجائیں گی اور شادی کی رسومات کے بعد گھر لوٹ جائیں گی۔

☆.....☆.....☆

شادی سے ایک ہفتے پہلے صالحہ نے اسماء کو بیٹیوں سمیت بلوالیا تھا۔ "احمد پیلس" دیکھ کر ان تینوں ماں بیٹی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ان کے تو تصور میں بھی ایسا گھر نہیں تھا۔ انسان کے سامنے جو بھی منظر ہو اس میں وہ اپنی فطرت کے مطابق رنگ بھرتا ہے۔ اسماء گھر دیکھ کے اللہ کا شکر ادا کررہی تھیں کہ جیسی شاہانہ زندگی کے خواب وہ بچپن سے اپنے لیے دیکھتی تھیں اب ان کی بیٹی کا نصیب بننے والی تھی، دوسری طرف ثریا کے شاطر دماغ نے ابھی سے اس گھر کو اپنے نام کروالینے کی تدبیروں پہ غور کرنا شروع کردیا تھا۔ ویسے بھی ان دو دن میں آسیہ کا ذکر سن سن کے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوگیا تھا اور وہ اسے ملے بغیر ہی اپنے حریف کا درجہ دے چکی تھی۔ آسیہ ابراہیم کے والد کے دیرینہ دوست کی بیٹی تھی اور سالوں سے ان دونوں کا رشتہ طے تھا، اسی لیے آسیہ کو شادی سے پہلے ہی گھر کے ایک فرد جیسا مقام حاصل تھا جو ابھی سے ثریا کی آنکھوں میں کھٹکنا شروع ہوگیا تھا۔

صالحہ نے بڑے چاؤ سے دونوں بہوؤں کی بری تیار کی اور بلاشبہ کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ دونوں کے عروسی ملبوسات، زیورات، جوتے اور دیگر ضروری اشیا صالحہ کی نفیس طبیعت اور اعلیٰ ذوق کی عکاسی کرتے تھے۔ ایسی چیزیں ثریا نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں دیکھی تھیں لیکن اب انہیں اپنی چیزیں آسیہ سے کمتر لگ رہی تھی۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں اس نے ایک آدھ چیز پہ اعتراض کیا تو صالحہ نے فوراً اس کی مرضی کی دوسری چیز منگوادی تھی۔ وہ خدا ترس خاتون ایک یتیم بچی کی ہر خواہش پوری کرنا چاہ رہی تھیں، انہیں کیا علم کہ حاسد رب کی تقسیم سے اختلاف کرنے کی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ خود کو حاصل کردہ نعمتوں کی قدر کے بجائے دوسروں کے بخت کی ٹوہ میں رہتا ہے اور بالآخر یہ دیمک اسے اندر ہی اندر چاٹ جاتی ہے۔ ایک ہفتہ سب کے ساتھ رہ کر ثریا اچھی طرح بھانپ گئی تھی کہ اس کا سسرال انتہا درجے کے سادہ لوح تھے اور اللہ کا خوف ان کے رگ و پے میں اس طرح بسا ہوا تھا کہ غلطی سے بھی کسی کی دل آزاری نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسے پورا اطمینان ہوگیا تھا کہ شادی ہوتے ہی وہ یوسف احمد کو اپنے بس میں کرکے جلد ہی اس گھر اور جائیداد کی تنہا مالکن بن جائے گی۔



www.zemtime.com

☆.....☆.....☆

صالحہ نے دونوں بیٹوں کی اس دھوم سے شادی کی کہ دنوں لوگوں میں چرچا رہا۔ شادی کی رات انہوں نے دونوں بہوؤں کو ان کے کمروں میں بھیجنے سے پہلے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

''ثریا، آسیہ، میں تم دونوں کو بہت محبت سے اس گھر میں لے کر آئی ہوں۔ میں اپنی زندگی گزار چکی، اب یہ گھر تم دونوں کا ہے، اسے اپنی محبت، توجہ، وفاداری، تحمل اور ایمان داری سے امن وسلامتی کا ایسا گہوارہ بنانا کہ لوگ احمد پیلس کے ایکے اور اتفاق کی مثالیں دیں۔'' وہ بہت شفقت سے ان کو سمجھا رہی تھیں، آسیہ بہت احترام سے ان کی ساری باتیں ذہن نشین کر رہی تھی جبکہ بظاہر سر جھکائے ادب سے بیٹھی ثریا دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہی تھی کہ بڑھیا کو وعظ سنانے کے لیے آج کی ہی رات ملی تھی۔ صالحہ کی بات جاری تھی۔

''ثریا..... تم گھر کی بڑی بہو ہو، تمہارے رتبے کے ساتھ ذمہ داریاں بھی زیادہ ہوں گی، انہیں بوجھ سمجھنے کے بجائے خوش اسلوبی سے نبھانے کی کوشش کرنا، آسیہ کو اپنی چھوٹی بہن کی جگہ ہی سمجھ کے شفقت سے پیش آنا اور آسیہ تم بھی اس کو بڑی بہن جیسا ہی مان دینا..... میں مانتی ہوں کہ ساتھ رکھے برتن بھی ٹکرا کے آواز کر جاتے ہیں تو اگر کبھی ایک دوسرے کو کوئی بات بری لگے تو دل برے کرنے کے بجائے اسی وقت اس گتھی کو سلجھا لینا..... بیٹا یہ جو کدورتیں ہوتی ہیں ناں آکاس بیل کی طرح رشتوں کی ساری خوب صورتی چوس جاتی ہیں۔ انہیں اپنے دل کا مکین کبھی نہ بننے دینا اور سب سے اہم یہ کہ جب کبھی بھی مجھ سے کوئی شکایت ہو تو اپنے میکے میں کہنے کے بجائے اپنے شوہروں سے کہنا۔'' ان کے اس منفرد سے مشورے پہ ان دونوں نے ہی چونک کے ساس کو دیکھا تو وہ ہولے سے مسکرائیں۔

''یہ ہی سوچ رہی ہو ناں کہ یہ تو خود ہی شوہر سے شکایت کرنے کو کہہ رہی ہیں تو وہ اس لیے بیٹا کہ مائیں بیٹیوں کے ساتھ اپنی روح کے حصے بھی رخصت کرتی ہیں اور بیٹی کی ذرا سی بھی تکلیف ان کی روح تک کو تڑپا دیتی ہے۔ میں نے اپنے بیٹوں سے وعدہ لے رکھا ہے کہ اگر میری غلطی ہوئی تو وہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مجھے ضرور آگاہ کریں گے کیونکہ میں بھی انسان ہوں، جانے انجانے دل آزاری کا سبب نہ بن جاؤں کہیں اور اگر قصور تمہارا ہوا تو وہ تمہیں پیار سے سمجھا کے اس کا احساس کروا دیں گے۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟'' دونوں نے ہی ادب سے سر ہلایا۔

''خوش رہو، چلو اب میں تم دونوں کو کمروں تک پہنچاؤں، بچے سوچ رہے ہوں گے اماں ہماری نو بیاہتاؤں کو کہاں لے گئیں۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا اور ان دونوں کو لے کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔

☆.....☆.....☆

یوسف احمد طبیعتاً کم گو انسان تھے، ماں اور بھائی کے علاوہ ان کا کوئی خاص حلقہ احباب بھی نہ تھا اور خواتین سے تو گفتگو کا انہیں سرے سے کوئی تجربہ نہ تھا جب ہی وہ کمرے میں آ کر تھوڑی جھجک کا شکار ہو رہے تھے کہ ثریا سے بات شروع کیسے کریں۔ شادی اتنی اچانک طے ہوئی تھی کہ انہیں ثریا سے کبھی بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ وہ منہ دکھائی کے کنگن ہاتھ میں لے کر بیٹھے مناسب الفاظ کا انتخاب ہی کر رہے تھے کہ ثریا ہلکے سے کھانسی اور پھر جیسے اسے پھندا سا لگ گیا۔ یوسف پریشان سے ہو کر اسے دیکھنے لگے کہ اس نے خود ہی گھونگھٹ الٹ کے پانی مانگا۔ وہ تیزی سے اس کے لیے پانی لے آئے، اس نے گھونٹ گھونٹ پانی پیا تو تھوڑا آرام آیا۔

''اب ٹھیک ہیں آپ؟'' یوسف کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ اصل میں اتنی دیر سے ایسی ہی بیٹھی تھی تو ایک دم گھٹن سی ہونے لگی تھی۔''

''معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔''



www.zemtime.com

''نہیں میں سمجھ سکتی ہوں کہ آپ..... مطلب اتنے اچانک فیصلے پہ، ہوسکتا ہے آپ خوش نہ ہوں اور اسی لیے۔''
''ارے یہ آپ کیا سوچنے لگیں۔'' یوسف گھبرائے۔ ''بخدا ایسی کوئی بات نہیں۔ اس شادی میں میری پوری رضا مندی شامل ہے، آپ اطمینان رکھیں۔''
''تو پھر آپ کس کشمکش و پیچ کا شکار تھے جو میری منہ دکھائی بھی اب تک نہیں دی؟'' ثریا نے ادا سے کہا تو یوسف نے پہلی بار اس کو غور سے دیکھا اور اس کے ہاتھ کو دھیرے سے تھاما۔
''ہاں یہ تو واقعی میری کوتاہی ہے۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو ثریا نے نظریں جھکائیں جبکہ دل اس ڈبے میں اٹکا تھا جسے اب یوسف کھول کے ہیرے جڑے سونے کے کنگن نکال رہے تھے۔
''تو جناب یہ تحفہ آپ کی نذر کرکے میں آپ کو اس گھر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔'' یوسف نے خوشدلی سے کہتے ہوئے اسے کنگن پہنائے۔ ''اور اس کے ساتھ ہی میں ایک وعدہ تم سے کرتا ہوں کہ تمہیں سدا عزت، محبت اور تحفظ کی چادر پہنائے رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ میری طرف سے تمہیں کوئی اذیت نہ پہنچے اور ایک وعدہ میں تم سے بھی لینا چاہتا ہوں ثریا۔'' مسکرا کر کنگن ہاتھوں میں گھماتے گھماتے وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔
''کہ تم میرے گھر والوں سے ہمیشہ عزت اور محبت سے پیش آؤ گی۔'' ثریا کا حلق تک کڑوا ہوا۔
''جس کو دیکھو گھر اور خاندان کے ہی راگ الاپے جا رہا ہے۔'' اس نے کلس کے سوچا تاہم کہا کچھ نہیں۔
''تمہیں کسی سے کوئی شکایت ہو مجھے بتانا، میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن پلیز خود کسی سے.....''
''آپ بے فکر رہیے، اب یہ صرف آپ کے نہیں میرے بھی گھر والے ہیں۔'' اس نے مصنوعی مسکراہٹ سجا کے یوسف کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا تو وہ مسکرا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آسیہ کا پریشانی کے مارے برا حال تھا۔ اسے کمرے میں بیٹھے اتنی دیر ہوگئی تھی لیکن ابراہیم کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ابراہیم اس سے خفا تھا کیونکہ وہ مایوں والی رات صرف اسے ایک نظر دیکھنے اس کے گھر آیا تھا لیکن مہمانوں سے گھر بھرا تھا تو وہ دیکھ لیے جانے کے ڈر سے باہر نکلی ہی نہیں، سائرہ نے اسے اتنا کہا کہ ایک بار لان میں جا کر مل آئے لیکن وہ شرم کے مارے نہیں گئی۔ سائرہ نے اسے بتایا کہ ابراہیم جاتے وقت بہت چپ چپ تھا تو اس نے سوچا تھا کہ شادی کی رات اسے سب سمجھا کے معافی مانگ لے گی لیکن وہ تو کمرے میں آیا ہی نہیں تھا۔ باہر نکل کے ڈھونڈنا بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا، فکر کے مارے اسے رونا آنے لگا تب ہی دروازہ کھول کے ابراہیم کمرے میں آیا تو اس نے شکر ادا کیا اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ منتظر تھی کہ وہ کچھ بولے تو جھٹ سے معافی مانگ لے گی لیکن کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی کمرے میں ہنوز خاموشی رہی۔ دل تو پہلے ہی ڈرا ہوا تھا، اب ٹپاٹپ بے آواز آنسو آنکھوں سے گرنے لگے۔ دوپٹے کی اوٹ سے دیکھا تو ابراہیم اب شیروانی ہینگ کرکے آئینے کے سامنے کھڑا اپنے بال سنوار رہا تھا۔ وہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے اور پہلی بار تھا کہ ابراہیم اس سے اس طرح ناراض ہو کر اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ سر جھکائے باقاعدگی سے رونے لگی تھی، جسم بھی خفیف سے ہلکورے لے رہا تھا جب اچانک ہی ابراہیم نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا، اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھ کر گھڑی پہ ایک نگاہ ڈالی اور دل ہی دل میں مسکرایا۔
''میرا اندازہ صحیح تھا، آدھے گھنٹے سے زیادہ یہ آنسو روک ہی نہیں سکتی۔'' ذرا رعب سے آسیہ سے پوچھا۔
''کیا مسئلہ ہے، کیوں رونا دھونا مچایا ہوا ہے؟'' اس نے روتے ہوئے سر اٹھایا۔



www.zemtime.com

''آپ کہاں تھے؟ میں اتنی پریشان ہو رہی تھی۔''
''تمہیں میری کیا فکر ہے، سو جاتیں تم۔''
''فکر ہے جب ہی انتظار کر رہی تھی لیکن آپ تو اتنے خفا ہیں معافی کا موقع بھی نہیں دے رہے۔'' وہ سوں سوں کرتے کہہ رہی تھی تو ابراہیم کو خود پہ قابو رکھنا مشکل ہونے لگا لیکن ابھی بدلہ پورا نہیں ہوا تھا جب ہی نروٹھے پن سے بولا۔
''میں تمہارے گھر آ کر صرف ایک جھلک دیکھنے کے لیے منتظر کھڑا رہا لیکن تم نہیں آئی تو اب تم میرے گھر میں انتظار کرتی رہو، جب میرا غصہ اتر جائے گا، آجاؤں گا۔'' وہ کہہ کے اٹھنے لگا تو بے اختیار آسیہ نے اس کے ہاتھ تھام کے روکا۔
''مان جائیں ناں، آئی ایم سوری۔'' دل کی اولین چاہت، پور پور اس کے لیے بجی اتنی دلربائی سے منا رہی تھی، ابراہیم کی مصنوعی خفگی پگھلنے میں لمحہ بھی نہ لگا، اس نے اس کی چھوٹی سی ناک زور سے دبائی تو وہ سی کر کے رہ گئی۔
''وعدہ کرو آئندہ ہر بات مانو گی۔''
''وعدہ۔'' وہ جھٹ سے بولی۔
''کہو آپ دن کو رات کہیں گے تو رات کہوں گی۔''
''آپ دن کو رات کہیں گے تو رات کہوں گی۔'' وہ اپنی ہنسی روکتے ہوئے حرف بہ حرف دہرا رہی تھی۔
''رات کو دن کہیں گے تو دن کہوں گی۔''
''رات کو دن کہیں گے تو دن کہوں گی۔''
''جتنی محبت آپ کرتے ہیں اس سے دگنی محبت کروں گی۔''
''جتنی آپ کرتے ہیں اس سے دگنی.....'' روانی سے کہتے ہوئے اسے الفاظ کا احساس ہوا تو حیا سے سرخ ہوتی ایک دم چپ ہو گئی۔
''کہو، رک کیوں گئی۔'' ابراہیم نے شرارت سے کہا تو وہ لب دانتوں میں دبا کے ہنس دی۔
''پھر حکم عدولی، چلو اب کان پکڑو۔'' آسیہ نے فی الفور معصومیت سے ابراہیم کے کان پکڑے تو اس نے ایک قہقہہ لگایا، آسیہ کی شرمیلی ہنسی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

شادی کے شروع کے دن دعوتوں کی نذر ہو گئے تھے۔ اسماء ابھی واپس نہیں گئی تھیں، بیٹی کا خوشی سے چمکتا چہرہ دیکھ کے ان کا دل شکر ادا کرتے نہ تھکتا تھا۔ انہیں جب بھی موقع ملتا اسے تنہائی میں بیٹھ کے اخلاقیات کے درس دیتیں کہ وہ اپنے شوہر اور ساس کی قدر کرے اور ان کی خدمت کر کے سب کے دل جیت لے۔ ثریا ماں کی باتیں ایک کان سے بھی سننے کی زحمت نہ کرتی تھی بلکہ وہ تو اب چاہ رہی تھی کہ ماں بہن واپس چلی جائیں تا کہ وہ کھل کے اپنے قدم یہاں جمانے کے لیے پتے بچھانے شروع کر دے۔ صالحہ نے اسماء کے رہنے کا شہر میں ہی انتظام کروا دیا تھا۔ ان کا ایک پرانا چھوٹا سا مکان تھا، وہ انہوں نے رنگ روغن کروا کے تیار کروا دیا تھا اور یوں اسماء اور زرین گاؤں سے سارا سامان لے کے اب وہیں رہنے لگی تھیں۔ گھر میں ملازمین ہونے کے باوجود صالحہ ہر کام خود کرتی تھیں۔ شادی کے ایک مہینے تک انہوں نے دونوں بہوؤں سے کوئی کام نہ کروایا پھر کھیر پکوا کر ایک دن بٹھا کے ساری ذمہ داری بانٹ دیں۔
''ثریا تم بڑی ہو، باورچی خانہ تمہاری نگرانی میں ہوگا، سودا سلف منگوانا اور رکھوانا، باقی سارا کام ملازم کر دیا کریں

گے لیکن کھانا تم دونوں ہی پکایا کرو گی۔"

"لیکن اماں جی..... آپ تو جانتی ہیں ہمارے حالات کیسے تھے، مجھے تو سوائے انڈے اور دال کے کچھ پکانا آتا ہی نہیں ہے۔" ثریا نے مسکینی سے شکل بنا کے جان چھڑانی چاہی۔

"کوئی بات نہیں ثریا، آسیہ کو ہر طرح کا کھانا پکانے میں مہارت حاصل ہے، تم اس سے سیکھ لینا۔" ان کے مشورے پہ ثریا کلس کے رہ گئی۔

"اور آسیہ گھر کا حساب کتاب، زمینوں سے جو اناج آتا ہے، ملازمین کی تنخواہیں، یہ سب تمہارے ذمہ ہیں۔"

"جی اماں۔" اس کے تابعداری سے کہنے پہ ثریا کے سینے پہ سانپ لوٹ گئے۔

"ہونہہ، مجھے باورچن بنا کے بیگم والے سارے کام اس کو دے دیے، ناکوں چنے نہ چبوا دیے تو کہنا۔" ثریا آسیہ کو ایک آنکھ برداشت نہ کرتی تھی، آسیہ بے چاری کو تو علم بھی نہ تھا کہ جب جب وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلتی تو ثریا اس کے دمکتے چہرے کو کیسی خونخوار نظروں سے دیکھتی ہے۔ بچپن سے ساتھ ہونے کی وجہ سے یوسف بھی آسیہ کو بالکل چھوٹی بہن کی طرح چاہتے تھے، ہنسی مذاق کرتے تھے اور وہ بھی ان سے بہت ہی مان اور محبت سے بات کرتی تھی اور یہ سب ثریا کو بری طرح کھٹکتا تھا۔

وہ ایک ایسا وائرس تھی جو اس گھر کی ہنستی بستی دنیا کو کھوکھلا کر دینا چاہتی تھی۔ وہ بس ایک موقع کی تلاش میں تھی جس سے وہ اس گھر کی بنیاد پہ ضرب لگا سکے لیکن ابھی تک کوئی اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"آسیہ کیا بات ہے بیٹا، میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ دنوں سے مضمحل سی ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے؟" آسیہ نڈھال نڈھال سی کچن میں کھڑی حلوہ بھون رہی تھی جب صالحہ نے اس کا اترا چہرہ دیکھ کر پوچھا تو وہ دھیرے سے کہنے لگی۔

"پتا نہیں اماں، شاید گرمی زیادہ ہے اور میں پانی کم پیتی ہوں، سانس پھول جاتا ہے اکثر، کبھی ہلکا سا چکر بھی آجاتا ہے اور منہ کا ذائقہ تو بالکل ہی عجیب ہو گیا ہے، کچھ بھی اچھا ہی نہیں لگتا۔" صالحہ بیگم کی جہاندیدہ نظریں انہیں کسی خوشخبری کا پتا دے رہی تھیں تب ہی انہوں نے اسے کہا۔

"آج ابراہیم کے ساتھ ڈاکٹر رضیہ کے ہاں چلی جاؤ، اللہ سب خیر کرے گا۔" ان کے مبہم الفاظ کے معانی سے نابلد آسیہ نے ہامی بھر لی۔

"ٹھیک ہے اماں۔"

"اور یہ ثریا کہاں ہے؟ میں نے تو اسے حلوہ بنانے کو کہا تھا۔"

"اماں وہ..... بھابی نے کہا انہیں بنانا نہیں آتا، میں سکھا دوں، میں نے بنانا شروع کیا تو وہ کسی کام سے اندر چلی گئیں، ابھی تک آئی نہیں۔" صالحہ کے ماتھے پہ بل سے پڑ گئے۔

"میں نے تم سے اس کی کبھی کبھار مدد کرنے کو کہا تھا لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تھوڑی دیر میں ہی چلی جاتی ہے اور تم ہی کچن میں کھڑی سب کر رہی ہوتی ہو، اس طرح وہ کیسے سیکھے گی۔ اس دن دعوت میں بھی سب تم نے اکیلے ہی کیا اور مہمانوں کے سامنے وہ مسلسل ساری تعریفیں خود سمیٹ رہی تھی۔"

"اماں میں کیا کروں، بھابی کہتی ایسے ہیں کہ مجھ سے انکار نہیں کیا جاتا اور....."

"ہائیں ہائیں، اللہ کا خوف کرو آسیہ کیوں بہتان بازی کر رہی ہو۔" ثریا اچانک ہی کچن میں آکر زور زور سے بولنا شروع ہوئی تو آسیہ ہکا بکا سی انہیں دیکھنے لگی۔



www.zemtime.com

"میں نے کیا کیا بھابی؟"

"تم اماں جی کا دل مجھ سے خراب کررہی ہو، سچ بتاؤ ناں کہ تم نے ہی مجھ سے کہا تھا کہ بھابی آپ نے کہاں کبھی حلوے بنائے ہوں گے، کہیں خراب ہی نہ ہوجائے، رہنے دیں میں بنالوں گی۔" اس سفید جھوٹ پہ آسیہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، صالحہ بھی اسے دیکھنے لگیں تو وہ روہانسی ہوئی۔

"بھابی..... یہ..... یہ میں نے کب کہا؟ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"شاباش ہے بہن، اکیلے میں تم کچھ اور اماں کے سامنے ایسی نیک پروین۔" ثریا ہاتھ نچا کے بولی پھر ساس کی طرف مڑی۔ "اماں میں تو گھر کے سکون کی خاطر چپ تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آتے جاتے مجھے غریب اور ان پڑھ ہونے کے طعنے دیتی ہے، کچھ پوچھوں تو تمسخر اڑاتی ہے، مجھے کچھ کام ہی نہیں کرنے دیتی کہ آپ کو کہاں پکانا آتا ہے، روز ذلت سہتی ہوں لیکن آج چپ نہیں رہ سکی۔" ثریا نے بولتے ہوئے رونا شروع کردیا تو آسیہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"اماں بخدا میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، بھابی آپ..... آپ یہ سب کیا کہہ رہی ہیں؟"

"آسیہ۔" ساس کی آواز پہ اس کا دل خوف سے کانپنے لگا۔

"آئندہ محتاط رہنا اور ثریا کے کسی معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے، اب جاؤ اپنے کمرے میں۔"

"لیکن اماں جی۔"

"آسیہ میں نے کیا کہا؟" ان کے سختی سے کہنے پہ آسیہ آنسو روکتی تیزی سے کمرے کی طرف چلی گئی تو وہ ثریا کی طرف متوجہ ہوئیں جو ابھی تک سوں سوں کررہی تھیں۔

"تم نے اچھا کیا کہ "سب" مجھے بتادیا، اب بے فکر ہوجاؤ اور ہاں اب سے کچن میں صرف تمہاری راجدھانی ہے، آسیہ تمہارے معاملے میں نہیں بولے گی، ٹھیک ہے۔" ثریا گڑبڑائی، اسے اچانک خیال آیا کہ آسیہ نے مدد نہ کی تو وہ کیا کرے گی، اسے تو کچھ بھی نہیں آتا تھا جب ہی لگاوٹ سے بولی۔

"اماں میں بھی بس جذباتی ہوگئی تھی، آسیہ کو ایسے بے دخل نہ کریں، ہم دونوں مل کے پکائیں گے تو دسترخوان پہ برکت رہے گی، آپ نے سمجھا دیا ہے ناں، مجھے امید ہے وہ اب محتاط رہی ہے گی۔" صالحہ بیگم خاموش سی اس کی کایا پلٹ دیکھ رہی تھیں، فقط سر ہلا کے جاتے ہوئے پلٹیں۔

"اور ہاں، یہ امور خانہ داری کے جھگڑوں سے اپنے میاں کو دور رکھنا۔"

"جی اماں۔" اس کے فوراً کہنے پر صالحہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں تو وہ اپنی پہلی چال "کامیاب" ہوجانے کی خوشی میں حلوہ کھانے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

کسی نے دھول کیا آنکھوں میں ڈالی
میں اب پہلے سے بہتر دیکھتا ہوں

صالحہ آرام کرسی سے ٹیک لگائے خلاؤں میں جانے کیا کھوج رہی تھیں جب آسیہ اجازت لے کر اندر آئی اور ان سے تھوڑے فاصلے پہ کھڑی ہوگئی تھی۔ انہوں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ خشک ہونٹوں کو تر کرکے پوچھنے لگی۔

"اماں آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"



www.zemtime.com

"نہیں۔" ان کے ایک لفظی جواب پہ وہ بے چین سی ہو کر ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔
"اماں آپ میرا یقین کریں میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا، مجھے بھابی کی غلط بیانی کی وجہ نہیں معلوم لیکن میں قسم کھا سکتی ہوں۔"
"آسیہ میں نے کہا ناں میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔"
"تو پھر اتنی چپ چپ کیوں ہیں؟" وہ روہانسی ہو کر ان کا ہاتھ پکڑ کے پوچھنے لگی تو صالحہ نے ایک تھکی ہوئی سی سانس خارج کی۔
"انسانی نفسیات کا ایک پہلو جانتی ہو آسیہ؟ انسان کوئی نقصان ہوتے ہی سب سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ مورد الزام کس کو ٹھہرایا جائے تاکہ واویلہ کر کے لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹ سکے لیکن..... جب انسان جانے انجانے میں خسارہ خود اپنے دامن میں بھر لے تو احساس زیاں اسے میری طرح ہی خاموشی کی مار مارنے لگتا ہے۔" آسیہ کچھ نہ سمجھنے کے باوجود پورے دھیان سے ان کی بات سن رہی تھی۔ صالحہ نے اسے کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بات جاری رکھی۔
"زندگی میں پہلی بار مجھ سے انسان کو پرکھنے میں چوک ہوگئی اور اس کا سارا خمیازہ میرے یوسف کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔" آسیہ نے چونک کے انہیں دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"مجھے لگتا تھا کہ ثریا میں بھی اپنی ماں جیسی بہترین صفات ہوں گی لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ تو اخلاقی اعتبار سے بالکل ہی خالی ہے، یوسف اس کے ساتھ خوش نہیں ہے لیکن صرف میری زبان کا پاس رکھنے کو ایک حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا۔" وہ کف افسوس مل رہی تھیں۔
"اسے جیسے اپنے علاوہ کسی کی پرواہ ہی نہیں، میں مانتی ہوں کہ اس نے بڑی محرومیوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے لیکن اب جب اللہ نے اس کے نصیب کھول دیے ہیں تو پھر اتنا سطحی پن کیوں؟ سچ کہوں اس کی آنکھوں میں لالچ اور حسد کے علاوہ کوئی جذبہ نظر نہیں آتا۔" وہ بہت بری طرح بکھر رہی تھیں۔ آسیہ نے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔
"اماں آپ ہمارے لیے ہمت اور حوصلے کا سرچشمہ ہیں، آپ ایسے ہمت نہیں ہار سکتیں..... اللہ سے دعا کریں وہ بھابی کے دل کے شر کو خیر سے بدل دے اور ہمارے خاندان کو بکھرنے سے بچائے۔"
"آمین۔" صالحہ نے زیر لب کہہ کے اسے پیار سے دیکھا۔ "خوش رہو میری بچی، تمہیں دیکھتی ہوں تو تمہارے سسر مرحوم کے فیصلے پہ بیک وقت شکر اور فخر کرتی ہوں۔ تم نے تو میری بیٹی نہ ہونے کے خلا کو پر کر دیا ہے لیکن آسیہ ایک بات میری ذہن نشین کر لو۔" ان کے آہستہ سے کہنے پہ اس نے انہیں دیکھا۔
"ثریا سے محتاط رہنا بیٹا۔"
"کیا مطلب؟" وہ واقعی حیران ہوئی۔
"پتا نہیں لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ تمہارا بے ضرر وجود بھی اسے کافی کھٹکتا ہے، اس پہ یہ بالکل ظاہر نہ ہونے دینا کہ ہم اس کی بدنیتی سے واقف ہو گئے ہیں..... میرے ذہن میں کوئی واضح بات نہیں ہے بس ایک واہمہ سا ہے جب ہی تمہیں خبردار کر رہی ہوں۔"
"جی اماں آپ بے فکر رہیں، میں ہوشیار رہوں گی۔"
"ٹھیک ہے اور ہاں آج ڈاکٹر کے پاس ضرور چلی جانا۔"
"جی بہتر۔" اور صالحہ کو ان کی فکر انگیز سوچوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔


www.zemtime.com

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر رضیہ ان کی فیملی فزیشن تھیں۔ آسیہ کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد مسکراتی ہوئی اپنی کرسی پہ بیٹھ کے اس سے پوچھنے لگیں۔

''صالحہ تمہارے ساتھ نہیں آئی؟''

''نہیں.....اماں نے کہا کہ ابراہیم کے ساتھ آپ کے پاس آؤ.....ڈاکٹر صاحبہ کوئی پریشانی کی بات ہے کیا، آپ اماں کا کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' آسیہ فکرمندی سے پوچھنے لگی تو وہ ہنس دیں۔

''صالحہ سے کہنا دادی بننے کی خوشی میں مٹھائی کے ساتھ سوٹ بھی بھیجیں میرے لیے۔''

''جی.....!'' آسیہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھنے لگی۔

''مبارک ہو بیٹا، اللہ آپ کو ماں کے رتبے پہ فائز کرنے والا ہے۔ یہ دوائیں میں نے لکھ دی ہیں، ان کے علاوہ اچھا کھانا، اچھا سوچنا اور اچھی سی نیند لیا کرنا، ان شاء اللہ وقت خیر سے گزرے گا۔'' وہ کسی مشفق بزرگ کی طرح اسے سمجھا رہی تھیں اور آسیہ کا دل مارے خوشی کے بلیوں اچھل رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر کی ہدایات سن اور سمجھ کے باہر نکلی تو ابراہیم کو بتانے کا سوچ کر ہی اسے حیا آنے لگی۔ ابراہیم اسے آتا دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف آیا۔

''کیا ہوا.....کیا کہا ڈاکٹر نے؟''

''وہ.....وہ انہوں نے.....وہ کہہ رہی تھیں کہ.....''

''افوہ بتاؤ بھی کیا کہہ رہی تھیں ڈاکٹر؟''

''اچھا یہاں سے تو چلیں، میں راستے میں بتاتی ہوں۔'' آسیہ کے مبہم سے انداز ابراہیم کو فکرمند کر رہے تھے تاہم وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے کہا۔

''آسیہ بہت سسپنس ہو گیا، اب بولو بھی، کیا کوئی پریشانی والی بات ہے؟''

''وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کی پیدائش پہ آپ کی دادی نے انہیں بنارسی ساڑھی گفٹ کی تھی لیکن اب کہ وہ اماں جی سے سونے کی انگوٹھی تحفے میں لیں گی۔'' آسیہ نے سر جھکائے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے اس کو بتایا تو ابراہیم کو سمجھنے میں چند منٹ لگے اور پھر بے اختیار اس کے پیر بریک پہ پڑے۔ اس نے لال گلال ہوتی آسیہ کا چہرہ اپنی طرف کر کے بے یقینی سی پوچھا۔

''کیا واقعی؟'' وہ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی تو ابراہیم نے فرط جذبات سے اس کے ہاتھ چوم لیے۔ آسیہ سٹپٹا سی گئی۔

''کیا کر رہے ہیں، لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔''

''ارے اگر لوگ نہیں دیکھیں گے تو میں شادیانے بجا کے ان کو متوجہ کروں گا، اپنی خوشی میں شامل کروں گا۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔ ''اوہ آسیہ..... میں اپنی خوشی الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔'' اور آسیہ اس کے دمکتے چہرے پہ مسکرا دی تھی۔

☆.....☆.....☆

''میں تمہاری حالت سے ہی سمجھ گئی تھی تب ہی تو ڈاکٹر کے پاس جانے کو کہا تھا۔'' صالحہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ ''جگ جگ جیو میرے بچو، ارے ابراہیم، میری بیٹی کا صدقہ دو فوراً، مٹھائی منگوا کے غریبوں میں بانٹو۔'' دوپہر کی ساری کلفت بھلائے وہ ایک دم چاق و چوبند ہو گئی تھیں۔



www.zemtime.com

"اور ہاں آسیہ اب کھانے پینے میں لاپروائی بالکل نہیں کرنا ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گی، تین ٹائم کا کھانا بالکل وقت سے کھانا ہے اور پھل تو چلتے پھرتے کھاتی رہا کرنا۔"

"اماں..... میری بیوی کو آپ پہلوان بنانا چاہتی ہیں کیا؟" ابراہیم نے انہیں چھیڑا تو آسیہ کی ہنسنے لگی تھی، صالحہ نے ابراہیم کو آنکھیں دکھائیں۔

"یہ کھایا پیا ماں اور بچے دونوں کے لیے ہوتا ہے، یہ تو اپنے کھانے پینے کے معاملے میں بہت سست ہے تم اس پہ نظر رکھنا، ٹھیک ہے؟"

"جی حضور اور کوئی حکم؟"

"باپ بننے والے ہو اب تو سدھر جاؤ۔"

"لیکن آپ کا تو میں بچہ ہی رہوں گا ناں۔" ابراہیم لاڈ سے کہتا ان کے گلے لگ گیا تو وہ زور سے ہنس دیں۔

یوسف احمد کو پتا چلا تو بھائی کو بے حد محبت سے مبارک باد دی، آسیہ کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ ان دونوں بھائیوں میں اتنی محبت تھی کہ ایک پل کو بھی یوسف کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ پہلے یہ نعمت انہیں کیوں نہیں میسر آئی لیکن ثریا کا مارے جلن اور غصے کا برا حال تھا۔ وہ سرسری سی مبارک باد دے کے سر درد کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی لیکن یوسف احمد کے کمرے میں آتے ہی اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا، یوسف کو سمجھنے میں کچھ دیر لگی اور پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہو گیا ہے ثریا؟ یہ تو خوشی کا موقع ہے اور تم نے واویلا کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"میری گود سونی ہے تو کس بات کی خوشی مناؤں، مجھے تو سب کا سامنا کرنے میں شرم آ رہی ہے کہ بڑی میں ہوں اور بچہ پہلے اس کا اس دنیا میں آئے گا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" ابراہیم نے تاسف سے سر جھٹکا۔ "یہ کون سا فارمولا ہے کہ پہلے بڑے کی ہی اولاد ہو گی، یہ اللہ کے کام ہیں وہ جب جسے چاہے اسے نوازتا ہے، ہم اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔"

"میں کوئی وعظ سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ غصے سے چلائی تو یوسف احمد کے ماتھے پہ شکنیں سی ابھریں۔

"اور آپ کیسے بے حس انسان ہیں، آپ کے دل میں اولاد کی کوئی خواہش نہیں؟"

"خواہش ہونا اور اس کی حصول کے لیے جنونی ہو جانا دو الگ امر ہیں، کائنات کا اصول ہے وقت سے پہلے اور نصیب سے زیادہ نہ کبھی کسی کو ملا ہے نہ مل سکتا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" اس نے پیر پٹخے پھر جیسے کوئی خیال آنے پر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ اپنے ٹیسٹ کروائیں۔"

"کیا.....!" یوسف احمد کو جھٹکا لگا تو وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"ہاں..... کیا پتا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو جب ہی ہمارے ہاں اولاد نہ ہو رہی ہو، اپنا ٹیسٹ کروائیں اور ضروری ہو تو علاج بھی۔"

"ثریا تم بالکل ہی پاگل ہو گئی ہو؟" اب کہ یوسف احمد کو بھی غصہ آ گیا۔ "کیا اول فول بکے جا رہی ہو، ابھی ہماری شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے کہ تم یہ سب خرافات سوچنے بیٹھ گئی ہو۔ مجھے تمہاری ذہنیت اور بے باکی پہ شرم آ رہی ہے۔"

"یہ جو آپ انا کانی کر رہے ہیں ناں اس سے میرا شک پختہ ہو رہا ہے کہ واقعی آپ کے ساتھ کوئی پوشیدہ مسئلہ



www.zemtime.com
ZEMTime.com

ہے، جب ہی میں سوچتی تھی کہ ایسی بھی کیا مجبوری کہ اتنے لائق فائق بیٹے کے لیے ان پڑھ گاؤں کی لڑکی بیاہ لائیں اماں جی، اب کتنی سلجھی ہے کہ اس عیب کو انہوں نے نیکی کے پردے میں چھپانا چاہا لیکن یہ یاد رکھیے گا میں ان پڑھ ہوں بے وقوف نہیں، آپ لوگ میرے ساتھ یہ زیادتی نہیں کر سکتے، آپ کی کمزوری....."

"بس....." یوسف کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو وہ دہاڑا، ثریا بھی ایک پل کو دہل کے رہ گئی۔

"تمہاری سطحی اور گھٹیا سوچ کبھی میری ماں کی نیک طبیعت کی دھول کو بھی چھو نہیں سکتی، تمہیں انہوں نے اس ماحول سے نکال کے ایک پھول کی طرح اس گھر میں سجانا چاہا تھا لیکن تم کوئلے کی مانند ہو جس کو چھو کے میرے بخت تک پہ سیاہی بھر چکی ہے۔" پھر ایک قدم اس کے پاس آ کر غرائے۔ "آج کے بعد یہ بکواس میں دوبارہ نہیں سننا چاہتا اور نہ ہی میں تمہیں گھر میں کوئی تماشا کرتے دیکھوں، میرے بھائی کے گھر پہلی خوشی ہے اگر مبارک باد دینے کا بھی ظرف نہیں ہے تو کم از کم رنگ میں بھنگ بھی نہیں ڈالنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ اسے تنبیہہ کرتا کرسی کو ٹھوکر مارتا کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ ثریا جلے پیر کی بلی طرح کمرے میں چکراتی پھرتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

صالحہ کی چھٹی حس نجانے کیوں انہیں ثریا کی طرف سے بار بار خبردار کر رہی تھی اسی سبب وہ اس پہ خاموشی سے نظر رکھنے لگی تھیں اور تب ہی انہیں اندازہ ہوا کہ یوسف اور ثریا میں کھینچاؤ بڑھ گیا تھا، یوسف اب صرف سونے کے وقت کمرے میں جاتا تو دوسری طرف ثریا کو میاں کی خفگی کی ذرا پروا نہ تھی، اس کی اپنی روٹین تھی، اس نے کھانا پکانا سیکھ کے نہ دیا، مجبوراً صالحہ نے آسیہ کی مدد کی غرض سے ایک صاف ستھری خاتون کو باورچی کی حیثیت سے رکھ لیا تھا۔

یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ شرافت کو انسان کی کمزوری اور بزدلی سے تشبیہہ دی جاتی ہے جو جتنا بدزبان اور منہ پھٹ ہوتا ہے اسے خود اعتمادی کی سند پکڑا کے مزید شہہ دی جاتی ہے۔ ثریا بھی ان لوگوں کی "بزدلی" سے خوب ہی فائدہ اٹھا رہی تھی لیکن آسیہ کی خاطر مدارات دیکھ کے اس کی دل پہ چھریاں سی چل جاتیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آسیہ سے چھین کے یہ نعمت اپنے پاس رکھ لے اور یہ رب کائنات کا اپنے بندوں پہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے نعمتوں کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، کب، کسے، کتنا دینا ہے یہ وہ جانتا ہے ورنہ حضرت انسان تو اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کی سانس تک کا حاکم بن جائے۔ یوسف سے اتنی طویل جھڑپ کا بھی ثریا پہ کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا، آئے دن وہ یہ ہی موضوع نکال کے یوسف کی زندگی جہنم بنا رہی تھی اور وہ صرف اس لیے صبر کر رہا تھا کہ اگر ماں کو پتا چل گیا تو وہ بہت دکھی ہوں گی، نہیں جانتا تھا کہ ماں تو روز خود احتسابی کی عدالت میں پیشیاں بھگت رہی تھیں۔

ماں بیٹا ایک دوسرے سے اپنی تکلیف چھپائے "سب ٹھیک ہے" کی تفسیر بنے گھومتے رہے اور جو اس ساری بے سکونی کی جڑ تھی اس کا شاطر ذہن آج کل انتہائی خطرناک سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسے اپنی اولاد نہ ہونے کی فکر سے زیادہ اس بات کا غصہ تھا کہ آسیہ کو یہ خوشی کیوں مل رہی تھی۔ ممتا کے نکھار سے کھلا پڑتا اس کا چہرہ، ابراہیم کی بڑھتی وارفتگیاں اور صالحہ کا اس کا بے تحاشا خیال کرنا ثریا کو حسد کی دلدل کی گہرائیوں میں انسانیت سے بہت دور لے جا رہا تھا اور وہ اب اس منزل پہ پہنچ چکی تھی کہ جو اسے حاصل نہیں ہو سکا وہ کسی اور کے پاس بھی نہیں رہنے دے گی۔

☆.....☆.....☆

"کیا ہانیہ اتنی مصروفیت میں تمہیں ڈاکٹر کا جھنجھٹ ضرور پالنا تھا؟" حمنہ کے نہ نہ کرنے کے باوجود ہانیہ زبردستی انہیں ہاسپٹل لے آئی تھی۔

"جی کیونکہ میرے لیے آپ کی صحت سے بڑھ کے کچھ نہیں ہے، آپ تو اس مہمان جس نے آپ کو شاید سلام بھی



www.zemtime.com

نہیں کرنا، اپنا دن رات کا آرام بھلائے پھرکی کی طرح گھوم رہی ہیں تو مجبوراً مجھے زبردستی کرنی پڑی آپ کے ساتھ۔"
وہ حمنہ کی خفا خفا نظروں سے بے نیازی برتتی ان کا ہاتھ پکڑے ڈاکٹر کے روم تک پہنچ گئی، ڈاکٹر نے حسب معمول مکمل چیک اپ کیا، تمام پچھلی اور حالیہ رپورٹس دیکھیں، ان کے چہرے پہ تشویش کے سائے دیکھ کر ہانیہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر؟ رپورٹس کیا کہتی ہیں دواؤں سے کتنا فرق پڑا ہے؟" ڈاکٹر نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"حمنہ بیٹا میرا خیال ہے اب تمہیں اپنے ہسبینڈ کو اعتماد میں لے کر سب بتا دینا چاہیے کیونکہ اب دوائیں بھی اتنی موثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں جتنا مجھے توقع تھی۔ تم زید کو بتاؤ گی تو وہ تمہارا علاج باہر کے کسی اچھے اسپتال سے کروائے گا، ممکن ہے سرجری کی بھی نوبت آئے۔ تم کہو تو میں اس سے بات کروں۔"

"نہیں ڈاکٹر۔" وہ تیزی سے بولیں۔ "زید کو کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے، مجھے آپ پہ پورا بھروسا ہے، آپ جو دوا، جو علاج مناسب سمجھیں وہ کریں، میں کسی اور ڈاکٹر سے کنسلٹ نہیں کرنا چاہتی۔"

"لیکن آپی....." ہانیہ پریشانی سے کچھ کہنے لگی تھی کہ حمنہ نے مسکرا کے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہانیہ..... میری جتنی سانسیں ہیں کوئی دوا یا ڈاکٹر ان میں اضافہ نہیں کرسکتا، موت سے کس کو فرار ہے، تو کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ جتنی مہلت مجھے ملی ہوئی ہے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ گزاروں۔"

"میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی باہمت عورت نہیں دیکھی حمنہ۔" ڈاکٹر صبا پرستائش لہجے میں بولیں۔ "مجھے تمہارے اطمینان قلب پہ رشک آتا ہے اور یہ تمہاری قوت ایمانی ہی ہے جو تم اس مہلک بیماری سے پوری بہادری سے لڑ رہی ہو..... میں تم سے تمہارا علاج کرنے کی ہمت اور حوصلہ حاصل کرتی ہوں۔" ان کے مسکرا کے کہنے پہ حمنہ پھیکے پن سے مسکرائیں، ہانیہ ہنوز آنکھوں میں آنسو بھرے بالکل خاموش بیٹھی تھی تو ڈاکٹر صبا اس سے مخاطب ہوئی۔

"تم فکر مت کرو، میں اپنے سینئرز جو باہر کے ممالک میں پریکٹس کر رہے ہیں، ان سے حمنہ کا کیس ڈسکس کروں گی، یہ باہر نہیں جانا چاہتی ناں، وہ تو میری ریکوئسٹ پہ یہاں آسکتے ہیں۔" ان کے امید دلانے پہ ہانیہ کو جیسے روشنی کی کرن نظر آئی تھی۔

"آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں، آپ پلیز جلدی ہی کچھ انتظام کریں تاکہ آپی کی اس مرض سے جان چھوٹے۔"

"ارے یہ تو بہادر خاتون ہیں..... تم دیکھنا مرض اس سے جان چھڑا کے بھاگے گا۔" ڈاکٹر نے ماحول کی کثافت کو دور کرنے کی غرض سے بشاشت سے کہا تو وہ دونوں بھی دھیرے سے ہنس دیں۔ واپسی کے راستے میں ہانیہ بہت خاموش تھی، حمنہ نے درید کے روم کے لیے کچھ پینٹنگز لینے کی غرض سے مارکیٹ میں رکنے کا کہا تو وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"فار گاڈ سیک آپی..... کیا ہوگیا ہے آپ کو، اس بے حس شخص کے لیے کیوں اتنا خوار ہو رہی ہیں، کیا آپ جانتی نہیں ہیں ان کے دل میں آپ کے لیے اب کیا مقام ہے؟ مجھے آپ کی بے عزتی کا سوچ کے غصہ آنے لگتا ہے، آپ کون سی مٹی کی بنی ہیں جو اس کی تمام برائیوں کو فراموش کر بیٹھی ہیں؟" وہ بولنے پہ آئی تو بولتی چلی گئی جواباً حمنہ نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔

"تم کب سے دل میں کینہ رکھنے لگی ہو ہانیہ؟ میں سمجھتی تھی کہ گزرے وقت کے ساتھ تم نے ان اندوہناک یادوں سے جان چھڑا لی ہوگی لیکن تم تو شاید ان سالوں میں ان کی نشوونما کرتی رہی ہو۔" وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔ "میں زید سے بھی یہی کہتی ہوں آج تم سے بھی کہہ رہی ہوں کہ خدارا کوئی خود کو درید کی جگہ رکھ کے تو سوچے، مانا وہ مزاجاً غصیلا



www.zemtime.com

ہے لیکن بدلحاظ اور بدنیت کبھی نہیں رہا جو کچھ اس نے کیا سب کو یاد ہے لیکن اس کے ردعمل کے پس منظر میں ہونے والی سازشوں کو کیوں بھول جاتے ہو تم لوگ؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہی تھیں تو ہانیہ انہیں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"اب چپ کیوں ہو؟ غلط کہہ رہی ہوں تو میری تصحیح کرو۔"

"نہیں غلط صرف میں ہوں جو آپ کے ساتھ ہوئی زیادتیوں اور ان کے نتیجے میں آپ کو پہنچنے والے ناقابل تلافی خسارے کو کوشش کے باوجود بھول نہیں پاتی۔"

"لیکن دریدا اس سازش کا حصہ نہیں تھا، اسے تو خود مہرے کی طرح استعمال کیا گیا۔"

"مان لیا لیکن اس حادثے کے بعد آپ کی دگرگوں حالت نے تو غیروں کو بھی رلا دیا تھا لیکن وہ پتھر دل انسان آپ کو دیکھنے تک نہ آیا..... بس آپی۔" حمنہ کو دوبارہ اس کی صفائی میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر اس نے قطعیت سے کہا۔

"مومن ایک سوراخ سے بار بار نہیں ڈسا جاتا اور اگر اپنے دشمنوں سے محتاط رہنے کو آپ کینہ پالنا کہتی ہیں تو ہاں میں کینہ پرور ہوں اور جب تک دریدا ابراہیم اپنی زیادتیوں کی معافی نہیں مانگ لیتے میں ان کی طرف سے اپنا دل صاف نہیں کر سکتی..... لیجیے بازار آ گیا ہے، جائیے اپنے مہمان کے لیے شاپنگ کر لیں، میں انتظار کر رہی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتی منہ موڑ کے بیٹھ گئی تو حمنہ نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"اچھا اندر تو چلو، آئسکریم کھلاؤں گی۔" اور شدید غصے میں ہونے کے باوجود وہ مسکرا دی۔

"شکر ہے۔" حمنہ نے دونوں ہاتھ چہرے پہ پھیرتے ہوئے شرارت سے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑے مال کی طرف بڑھ گئیں۔

☆.....☆.....☆

ثریا کے مزاج اور معمولات میں در آنے والی تبدیلی خوش آئند لیکن کافی حیران کن تھی۔ وہ اب گھریلو امور میں دلچسپی لینے لگی تھی، شوہر سے بدزبانی پہ بھی کافی حد تک قابو پا لیا تھا۔ ساس کی مدد سے کھانے پکانے کی شدبد بھی آ گئی تھی۔ آسیہ کا بھی خیال رکھنے لگی تھی۔ اسے کوئی بھاری سامان اٹھاتے دیکھتی تو فوراً ٹوک کے اس سے وہ چیز لے کر خود ہی جگہ پہ رکھ دیتی بظاہر تو راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا لیکن صالحہ ابھی اس پہ اتنی جلدی بھروسا کرنے کو تیار نہیں تھیں جب ہی اس پہ نظر رکھتیں لیکن کوئی قابل گرفت بات سامنے نہ آنے پر انہوں نے تو شکرانے کے نوافل پڑھے کہ بالآخر ثریا کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا اور اس نے وقت رہتے ان کی تلافی کی کوشش شروع کر دی تھی۔ یوسف کو بھی مطمئن دیکھ کر ان کو احساس جرم کی تکلیف سے نجات دلا دی تھی۔ اب ثریا کے راہ راست پہ آ جانے سے پورے گھر اور گھر والوں میں ایک سکون کی لہر دوڑ گئی تھی لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ سکوت کتنے بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہونے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

کیا تکلف کریں یہ کہنے میں
جو بھی خوش ہے ہم اس سے جلتے ہیں

"بابا جی، آپ کے تعویذ نے تو ہی کمال کر دیا، سب کا رویہ بھی مجھ سے ٹھیک ہو گیا ہے اور تو اور میرا شوہر بھی اب مجھ پر توجہ دیتا ہے۔" ثریا نے عامل بابا کو خوشی خوشی بتایا، ان کے بارے میں اس نے اخبار میں پڑھا تھا اور دین کی



www.zemtime.com

ناقص معلومات کے سبب اپنا رہا سہا ایمان بھی داؤ پہ لگانے اور اپنی ''مشکلات'' کا حل ڈھونڈنے ان کے پاس چلی آئی تھی۔ یہ جعلی پیر کا کرشمہ یا تعویز ٹونا جانتے ہو یا نہیں، گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کے بعد انسانی نفسیات کو خوب سمجھنے لگتے ہیں اور تاک تاک کے اپنے پاس آئے عاقبت نا اندیش مریدوں کی دکھتی رگ پہ وار کرتے ہیں۔ ثریا کے دو جملوں سے ہی وہ اس کی حاسدانہ فطرت اور لالچی طبیعت سے واقف ہوگیا تھا اور ایسے تحفل کے اندھے مرید تو ان لوگوں کا آسان ترین حدف ہوتے ہیں۔ اس بابا نے ثریا کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ ان پہ آنکھ بند کر کے ایمان لے آئی تھی۔ بابا نے کچھ تعویذ دیتے ہوئے کہا کہ یہ گھر والو کو کھلانے سے ثریا سب کے دل و دماغ پہ قبضہ کرلے گی۔ ثریا نے سوچا کہ اگر وہ ایسے ہی کسی کو تعویذ کسی بھی چیز میں گھول کر پلائے گی تو اس کے سابقہ رویوں اور گھر میں موجودہ تلخ ماحول کی روشنی میں تو کوئی اس کے ہاتھ سے کچھ لے گا ہی نہیں، تو اس نے آہستہ آہستہ سب سے اپنا رویہ بہتر کرنا شروع کردیا تھا، تھوڑے دن میں جب سب معمول پہ آنے لگا تو اس نے کبھی سالن، کبھی چائے یا جوس میں وہ تعویذ ملانے شروع کردیے جس میں اس ڈھونگی بابا نے فقط نمک اور چینی باندھے ہوئے تھے۔ گھر والے ثریا کی کایا پلٹ سے خوش تھے اور اس کو پھر سے اہمیت اور عزت دینے لگے اور وہ بے وقوف اسے تعویذوں کی کارستانی سمجھ کے بابا کی اور پکی مرید ہوگئی تھی لیکن آج وہ کچھ اور ہی سوچ کر آئی تھی، اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو بابا بھی شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔

''دیکھ سیٹھانی، دلوں کو موم کرنا نیک عمل ہے، اس کے موکل بھی شریف ہوتے ہیں، پر تو جو کام کروانا چاہ رہی ہے، اس میں بڑا جوکھم ہے اور خرچا بھی کئی گنا ہے۔''

''بابا میں آپ کا دامن موتیوں سے بھر دوں گی، آپ کی یہ خانقاہ پوش علاقے میں بنوا دوں گی یا جو بھی آپ چاہیں میں کرنے کو تیار ہوں لیکن میرا یہ کام کردیں۔ اسے خوش دیکھتی ہوں تو دل پہ ایسی چھریاں چلتی ہیں کہ ڈرتی ہوں کسی دن میں اپنے ہاتھ سے ہی اس کو.....''

''ہاتھ ہولا رکھ سیٹھانی۔'' بابا گرجا۔ ''جب ہم پیچھے بیٹھ کر تیرے لیے آسانی کررہے ہیں تو کیوں سب کی نظر میں مجرم بننا چاہتی ہے، صبر رکھ، جو تو چاہتی ہے تجھے سب حاصل ہوگا، تیری گود ہری کرنے کا ایک عمل بتاتا ہوں تجھے۔''

''بابا مجھے اپنی گود بھرنے سے پہلی اس کی گود اجڑی ہوئی چاہیے۔'' ثریا سفاکی سے بولی تو بابا کی آنکھوں میں متوقع آنے والی رقم کا سوچ کر فاتحانہ سی چمک لہرائی۔

''ہوں، معلوم ہوتا ہے تو اس سے کچھ زیادہ ہی نالاں ہے..... چل تیری یہ خواہش بھی پوری کردیتے ہیں لیکن.....''

''لیکن کیا؟'' اس نے بے صبری سے پوچھا۔

''ایسے کاموں کے لیے سفلی عملیات کرنے پڑتے ہیں، تجھے ایک رات قبرستان میں گزارنی پڑے گی، بول کرسکی گی؟''

''نہیں بابا، میں گھر پہ کیا کہوں گی کہ رات بھر کہاں تھی، کوئی اور راستہ بتائیں۔''

''دوسرے راستے پہ تیرا مال بہت خرچ ہوگا لیکن نتیجہ تیرا حسب منشاء ہوگا۔''

''مجھے منظور ہے، جتنا آپ بولیں گے، پیسہ، زیور سب دوں گی بس وہ بچہ اس دنیا میں آنا نہیں چاہیے۔'' اس کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔

''بس اب بے فکر ہوجا اور کل آکر تعویذ لے جانا اور یاد سے اسے یہ دودھ میں ملا کے رات کے وقت دینا۔''



www.zemtime.com

''جی بابا۔'' ثریا خوشی خوشی وہاں سے نکل آئی تو بابا نے بھی آستانے کا وقت ختم ہونے کا کہہ کے باقی مریدوں کو کل آنے کا کہا اور دروازہ بند کرلیا اور کالے چغے سے جان چھڑا کے بنیان دھوتی میں پلنگ پہ بیٹھ کے سگریٹ پینے لگا تب ہی اس کے دست راست نے اس سے پوچھا۔

''بابا، آپ کو سفلی علم کی الف بے نہیں آتی، کل اس عورت کو کیا دیں گے۔'' بابا نے ایک لمبا کش لیتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

''اوئے شیدے، اتنے سال سے اس دھندے میں جھک نہیں مار رہا، ہر مسئلے کا حل ڈھونڈ رکھا ہے میں نے۔ کل سیٹھانی آئے گی تو اسے بچہ گرانے کی دوا پڑیا میں باندھ کے تعویز بنا کے دے دوں گا، ادھر تعویذ، ادھر موکل کا کام شروع۔'' اس نے خباثت سے آنکھ ماری تو شیدا بھی ہنسنے لگا پھر کچھ خیال آنے پہ بولا۔

''لیکن بابا آج کل ڈاکٹر ٹیسٹ سے سب پتا لگا لیتے ہیں، اگر پتا چل گیا کہ تم نے ایسی دوا دی تھی تو پولیس کی چھترول سے کون بچائے گا یہ سوچا ہے۔''

''او پاگلے، پکڑی جائے گی وہ سیٹھانی جس نے دودھ میں دوا ملا کے پلائی ہوگی اور وہ مر کر بھی ہمارا پتا نہیں بتائے گی، فکر نہ کر، میں نے بڑی مغز ماری کر کے اس دھندے میں ہاتھ ڈالا ہے جس میں سرمایہ کچھ نہیں اور منافع آوے ہی آوے، وہ کیا کہتے ہیں، ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ بھی چوکھا آئے۔'' اب وہ دونوں اونچے اونچے قہقہے لگا رہے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک انسان اپنے بخت پہ قانع ہو کر نفس کو اپنا غلام نہ بنالے، دنیاوی نعمتوں کی ہوس میں یہ نفس اسے ایسے ہی ڈھونگی پیروں فقیروں کے پاس ذلیل و رسوا کرواتا رہے گا اور ثریا جیسے خواہشات کے شیطان کو سجدے کرنے والے جانے انجانے خود کو جہنم کا ایندھن بننے کے لیے تیار کرتے رہیں گے۔

اس رات ثریا کو مارے خوشی کے نیند نہیں آرہی تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسی وقت جا کر بابا سے وہ تعویذ لے آئے لیکن اسے ابھی انتظار کرنا تھا۔

''بس ایک دن اور ثریا، آج کی رات اور آسیہ سکھ کی نیند سولے، کل سے تو کانٹوں کے ہنڈولے میں جھولے گی، بہت صبر کیا ہے میں نے، اب اور نہیں، اس گھر کا وارث میرا بچہ ہوگا، اس آنگن میں پہلی قلقاری میری اولاد کی گونجے گی، بس کل یہ آسیہ کا قصہ تمام ہو تو پیر جی سے اپنی اولاد کے لیے عمل کرواؤں گی۔'' انہی خیالات میں بہتے وہ سو گئی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ اگلے ماہ)

www.zemtime.com

www.naeyufaq.com

# پت جھڑ کے موسم

## اریبہ شعیب

میں خواب اکثر بنتی ہوں
بن ساجن کے یوں بجتی ہوں
سرخ جوڑا نہ چوڑیاں
ہری ہری میں پہنتی ہوں
میں عام سی اک لڑکی ہوں
بس اس کی راہیں تکتی ہوں
پت جھڑ کے موسم میں
میں خواب اکثر بنتی ہوں

سنہرے قلم کی سرخ روشنائی کے ساتھ اس نے نئی ڈائری لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ یوں تو وہ صبح سے ہی کچھ لکھنا چاہتی تھی مگر الفاظ تو جیسے اس کے ذہن میں ابھرنے سے پہلے ہی کہیں اور تحلیل ہو رہے تھے۔ جب بھی وہ کچھ لکھنے کے لیے ڈائری کھولتی تو قلم رک جاتا۔ الفاظ بھول جاتی مگر اسے تو کچھ لکھنا تھا۔ چاہے ایک لفظ ہی مگر کیا؟ اس نے جھنجھلا کر اپنے بال بھی نوچ لیے تھے۔

"تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو، جیسے کسی ڈائجسٹ کے لیے کوئی کہانی لکھنا ہو اور مدیرہ کا زور ہو کہ کہانی ہر صورت میں آج شام سے پہلے چاہیے۔" فائزہ جو دوسرے بیڈ پر پیٹ کے بل لیٹے ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"تم تو مثالیں بھی بس ڈائجسٹ اور کہانیوں کی دینا..... یہ تو ہوتا نہیں کہ بہن کی کچھ مدد ہی کر دو۔" اس نے ڈائری بند کرتے ہی جھنجھلا کر کہا اور خود بھی اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔ وہ ابھی تک ڈائجسٹ کے صفحات پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"تمہیں ڈائجسٹ پڑھنے کے علاوہ کوئی کام ہے یا نہیں۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا تم کیسے اتنے موٹے

www.zemtime.com

موٹے ڈائجسٹ پڑھ لیتی ہو اور سب سے بڑھ کر اس میں لکھنے والے کیسے لکھ لیتے ہیں اتنی بڑی بڑی کہانیاں..... یہاں مجھ سے ایک لفظ بھی لکھا نہیں جارہا۔" اس نے ڈائجسٹ اس سے چھین کر اپنے دونوں ہاتھوں میں دبایا۔ اسے یہ حرکت ایک آنکھ نہ بھائی اور کہنیوں کے بل اٹھی۔

"تو اس میں تمہارا قصور ہے، میرا یا میرے ڈائجسٹ کا نہیں۔" اس نے ڈائجسٹ چھیننے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

"ایسا کرنے کی کوشش بھی مت کرنا..... بس تم کچھ لکھنے میں میری مدد کرو، میں تمہیں تمہارا ڈائجسٹ واپس کردوں گی۔" اس نے پیشکش کی جس پر وہ پرسکون دکھائی دی اور دونوں ٹانگوں کو بیڈ سے نیچے جھلاتے ہوئے تکیے کو گود میں رکھ کر کہا۔

"میری بہن..... لکھنا ایک آرٹ ہے جو یا تو قدرت کا انعام ہوتا ہے یا پھر انسان محنت سے اس مقام پر پہنچتا ہے۔ اب اگر میں تمہیں لکھنے میں کچھ مدد کر بھی دوں تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بظاہر تمہیں اس ڈائری کے ورق بھرے ہوئے دکھائی دیں گے مگر تمہیں وہ خوشی ہرگز نہیں ملے گی جو خود سے لکھنے میں ملتی ہے۔ تم اگر اس میں خود اپنا تخلیق کیا گیا لفظ لکھو گی تو تمہیں زیادہ خوشی ملے گی۔" اس نے جواب میں پورا لیکچر دیا جس پر وہ جھنجھلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈائجسٹ بے دھیانی میں وہیں رکھ دیا جسے دیکھ کر اس کے چہرے کی بہاریں لوٹ آئیں۔ عجلت سے ڈائجسٹ اٹھایا اور ایسے چوما جیسے قیمتی سرمایہ ہاتھ آ گیا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی اس نے ڈائجسٹ کو تکیے کے نیچے چھپالیا۔

"ایک یہی تو مسئلہ ہے کہ میں لکھوں کیا؟"

"ایسا کرو تم وہاں جا کر لکھو..... جہاں تمہارے دل کو سکون ملتا ہے کیونکہ جب دل پرسکون ہو تب ہی الفاظ جنم لیتے ہیں۔ ایک کہانی تخلیق ہوتی ہے۔" وہ خیالوں کی دنیا میں پوری طرح کھو چکی تھی۔

"اس کا مطلب ہے جنگل میں؟" اسے ہمیشہ سے ہی جنگل اچھا لگتا تھا۔ ان کا گھر بھی تو آبادی سے دور ایک چھوٹے سے قصبے میں ہی تھا۔ جہاں کچھ فاصلے پر ہی ایک نہر بہتی تھی۔ جہاں اکثر شام کو وہ دونوں چہل قدمی کے لیے جاتیں۔ نہر پر ہی لکڑی اور رسے کی مدد سے بنا ایک پل تھا جسے آج بھی دوسرے کنارے پر جانے کے لیے لوگ استعمال کرتے تھے۔ دوسری طرف ہی اس کے خوابوں کا مسکن تھا یعنی اونچے بڑے بڑے درختوں سے گھیرا جنگل جس کو دیکھتے رہنا اس کو ہمیشہ سے اچھا لگتا تھا۔ بالخصوص پت جھڑ کے موسم میں جب آسمان پر ہلکے سرمئی رنگ کے بادل ہوں، سورج کی نرم نرم کرنیں آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش پیدا کردیتی تھی۔ ہواؤں کی سرگوشیاں سماعت میں سحر انگیز سر بکھیرنے لگتی تھیں۔ جب بلند و بالا شاہ بلوط کے پتے پیلے دکھائی دیں۔ جب ہوا کا ایک جھونکا ان سے ٹکرائے تو وہ اس کی شدت کو برداشت نہ کرسکیں اور اپنی جان کو قربان کرتے ہوئے زمین کی آغوش میں سما جائیں۔ جب زمین انہی پیلے بے جان پتوں سے ڈھک چکی ہو تو ایک عجیب سا منظر سامنے ہوتا ہے جو ہمیشہ سے اس کے دل کو بھاتا تھا۔

"بالکل..... ویسے بھی تمہارے فیورٹ موسم کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ کیا معلوم ایسے منظر کو دیکھنے کے بعد تمہارے دماغ کی بند گرہیں بھی کھل جائیں۔" اپنی بات کے آخر پر اس نے ایک تکیہ اٹھا کر اسے مارنا چاہا مگر اس نے جھکتے ہوئے اپنا دفاع کیا۔ کمرہ دونوں کے قہقہوں سے گونجنے لگا تھا۔

اس کا کہا سچ ثابت ہوا تھا۔ یہاں آکر واقعی اس کے خیالات کو الفاظ مل گئے تھے۔ جسے قلم بند کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اسی منظر کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ ایک بڑے سے پرانے پتھر پر بیٹھی تھی۔ ڈائری کو بند کیے دونوں کہنیوں کو گھٹنوں پر ٹکائے اس نے اپنی ٹھوڑی کو ہتھیلی پر جمایا ہوا تھا۔ آنکھیں یک ٹک درختوں سے گرتے ہوئے ہوئے ان سنہرے پتوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایک عجیب سی کشش تھی ان میں۔ جسے دیکھ کر وہ کبھی نہ تھکتی تھی۔ نہ دن



www.zemtime.com

کا ہوش رہتا نہ رات کے آنے کی خبر ہوتی۔ بس نگاہوں میں یہی منظر اپنا بسیرا کر لیتا تھا۔

"کاش یہ پل یونہی تھم جائیں، یہ موسم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہے۔" اس کے لب متحرک ہوئے۔

"مگر کیوں؟" ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی، بائیں جانب دیکھا تو اپنا ہی عکس پایا۔ اس تنہائی میں یہی عکس تو اس کا ساتھی ہوتا تھا۔ وہ مسکرائی اور دوبارہ نگاہیں اس راستے کی طرف دوڑائیں جو سیدھا جنگل کے وسط تک جاتا تھا۔

"بس اچھا لگتا ہے۔" مسکرا کر اس نے دور جنگلی بیلوں کو دیکھا۔ ان پر بھی موسم کا اثر ہو چکا تھا۔ رنگ دھیرے دھیرے ماند پڑ رہے تھے۔

"موسم؟" انداز استفہامیہ ہوا۔ تسلسل ٹوٹا، وہ کھڑی ہوئی اور مورنی کی سی چال چلتے ہوئے وہ نہر کے ساتھ لگے جنگلی پھولوں کے پاس آئی جو اس موسم میں بھی اپنی رعنائیاں بکھیر رہے تھے۔ کتنا خوب صورت منظر تھا۔ ایک طرف درختوں سے گرتے پتے تو دوسری طرف سبک بہتی ہوئی نہر..... وہ ایک ادا سے مسکرائی۔

"یعنی آج بھی تم اس کی واپسی کی منتظر ہو؟" آواز بالکل قریب سے آئی مگر وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے پھولوں کو توڑ کر چہرے کے قریب کیا۔ بھینی بھینی خوشبو اس کے وجود کو اپنے سحر میں جکڑ رہی تھی۔ آنکھیں بند کیں تو دو منظر ایک نئے زاویے سے دکھائی دینے لگے۔ وقت پیچھے جا چکا تھا مگر بدلا کچھ بھی نہ تھا۔ وہی شاہ بلوط کے درخت، وہی جنگلی بیلیں، وہی نہر، وہی سنہرے پتے۔ سب کچھ ویسا تھا سوائے آوازوں کے۔

"پکڑو..... پکڑو..... مجھے پکڑو۔" وہ بھاگ رہی تھی۔ امبریلا فراک میں وہ بالکل شہزادی لگ رہی تھی۔ ہوا کے سنگ لہراتے سیاہ بال، انہی بالوں پر سجا، جنگلی پھولوں سے بنا ایک تاج جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے بنا کر دیا تھا جسے سر پر رکھ کر وہ خود کو اس جنگل کی شہزادی سمجھ رہی تھی اور وہ اس جنگل کا شہزادہ۔ چست خاکی رنگ کی پتلون اور قمیص میں ملبوس وہ اس کے تعاقب میں تھا۔

"عبیرہ..... رکو..... مجھ سے تیز بھاگا نہیں جاتا۔" وہ تھک چکا تھا تب ہی جھکتے ہوئے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ رکی اور پلٹ کر اس کے قریب آئی تھی۔

"اف او..... زبید تم بھی بہت سست ہو، کبھی میرے ساتھ نہیں دوڑتے۔" معصومانہ غصہ، آنکھوں میں چمک اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے۔

"اب اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تم دوڑتی ہی اتنی تیز ہو۔" اس نے شکوہ کیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تمہارے لیے میں آہستہ دوڑنے لگ جاؤں۔" اس نے منہ بگاڑ کر کہا تھا۔

آنکھیں کھولیں تو وہ دوبارہ حال میں کھڑی تھی، لبوں پر مسکراہٹ تھی، پھولوں کو اپنے سے لگا کر وہ پل کی طرف بڑھنے لگی۔ جانتی تھی کہ وہ ایک خواب ہے اور شاید ہمیشہ خواب ہی رہے گا۔ بھلا جانے والے واپس بھی کبھی آتے ہیں مگر اسے تو آنا ہی تھا۔ کب اور کیسے؟ شاید قسمت ہی جانتی تھی۔

☆.....☆.....☆

شہر سے بہت دور اس وادی میں گنتی کے گھر تھے اور ان گھروں کی آپس میں بھی مسافت کافی تھی۔ ان کا گھر بھی باقی گھروں سے قدرے فاصلے پر تھا۔ چاروں طرف سے شاہ بلوط اور صنوبر کے درختوں سے گھرا ہوا ان کا گھر، جس میں یاسمین اپنی دو بیٹیوں فائزہ اور عبیرہ کے ساتھ رہتی تھیں۔ وہ گھر زیادہ بڑا نہ تھا۔ گراؤنڈ فلور پر ایک بڑا سا ہال تھا جسے یاسمین اکثر مہمان خانے کے طور پر ہی استعمال کرتی تھیں۔ یوں تو ان کے رشتے دار زیادہ نہ تھے۔ بس کبھی کبھار اس کی بہن نسرین اپنے بچوں کے ساتھ شہر سے ان کے ہاں ملنے آجایا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ مہمان خانہ راہ گزر کے طور پر ہی استعمال ہوتا کیونکہ عبیرہ اور فائزہ کا مشترکہ کمرہ تو بالائی منزل پر تھا۔

بالائی منزل پر دو کمرے تھے جس میں سے ایک یاسمین کا تھا دن کا زیادہ تر وقت یاسمین کڑھائی کرتے



www.zemtime.com

گزارتی، جس پر ان کا گزر بسر ہوتا تھا۔ یوں تو یاسمین ہر قسم کی کڑھائی کرلیا کرتی تھی مگر عراقی کڑھائی میں تو اسے کمال حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی آس پاس کی وادیوں کے علاوہ قریبی شہر سے بھی ان کے پاس بہت سا کام آجایا کرتا تھا اور تہواروں پر تو ایسا ہوتا کہ انہیں سونے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ ایسے میں عبیرہ اور فائزہ ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتیں مگر وہ کام آسان کرنے کے بجائے الٹا بڑھا دیا کرتی تھیں۔

"بس رہنے دو تم دونوں..... میرے کام کو ہاتھ نہ لگاؤ میرے لیے یہی کافی ہے۔" وہ کڑھائی کرتی ہوئی کہتیں۔

"یہ کیا امی..... کبھی کہتی ہیں کہ کچھ سیکھ لو میرا ہاتھ بٹاؤ۔ اب جب ہم کچھ کرنے لگتی ہیں تو آپ ہمیں منع کردیتی ہیں۔" فائزہ منہ بگاڑ کر کہتی۔

"بس یہی سیکھنا تم اپنی کہانیوں سے..... ماں کے آگے زبان چلانا۔" ہمیشہ سے ہی وہ اس کے ڈائجسٹ کی دشمن تھیں۔ تب ہی کوئی طعنہ ایسا نہ ہوتا جس میں ڈائجسٹ کو نہ گھسیٹا جاتا۔

"امی مجھے جو مرضی کہہ لیں مگر میں اپنے ڈائجسٹ کے خلاف ایک لفظ نہیں سنوں گی۔" فائزہ فوراً اپنے ڈائجسٹ کا دفاع کرتی اور پھر ایک چپل ہوتی جو سیدھا اس کی کمر میں آ کر لگتی تھی۔ جس پر وہ کھلکھلا اٹھتی۔

"کرلیا ناں ڈائجسٹ کی ماؤں والا حربہ استعمال۔" ہنسی کو بہ مشکل ضبط کرتے ہوئے وہ کہتی۔ عبیرہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہتی تھی۔ دونوں بہنیں ایسے مواقع پر بس گھر کے کام کاج کرتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

آج بھی یاسمین کے پاس دو چادروں کو تیار کرنے کا آرڈر تھا جو انہیں ہر صورت میں کل تک مکمل کرنا تھیں۔ بس ان چادروں کو لیے وہ ہمیشہ کی طرح ہال میں زمین پر ایک بڑی سی چادر بچھائے اپنے سامان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

"ابھی تو آدھا کام بھی نہیں ہوا۔ لگتا ہے آج کی رات لگانی پڑے گی تب جا کر کہیں یہ مکمل ہوگی۔" سفید رنگ کی چادر کو ایک جھٹکے سے سیدھا کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"اب نہ لیا کریں ایمرجنسی کا کام..... اپنی صحت کا بھی کچھ خیال رکھا کریں۔" وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ ہاتھ میں وہی سنہری قلم اور ڈائری تھی جسے اس نے فوراً کمر کے پیچھے چھپا لیا اور یاسمین کی نظروں سے بچا کر اسے دروازے کے ساتھ ہی بنی الماری میں رکھ دیا۔

"تم دونوں کی شادی ہوجائے پھر نہیں لوں گی۔" انہوں نے جیسے اس جملے کا ورد کرنا خود پہ اب لازمی سمجھ لیا تھا۔

"اف..... پھر سے شادی، ویسے کوئی لڑکا ڈھونڈا بھی ہے فائزہ کے لیے یا نہیں؟" اس کا لہجہ شریر ہوا۔ دبے پاؤں کے ساتھ قریب آ کر اس نے سرگوشی کی۔

"تمہیں بہت جلدی ہے اس کی شادی کی؟" آنکھوں کے آگے سے بڑا سا چشمہ ہٹاتے ہوئے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی جو یک ٹک انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں عجیب سی شرارت تھی۔

"کیوں نہ ہو؟ آخر جان تو چھوٹے گی اس سے، کتنا پریشان کرتی ہے آپ کو۔" وہ مکھن لگاتے ہوئے ذرا اور قریب ہوئی۔

"تم بھی کم نہیں ہو، میرے لیے تم دونوں ایک سی ہو۔ اسے اپنی کہانیوں سے فرصت نہیں ملتی اور تمہیں خواب بننے میں۔" سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ کام شروع کیا۔ یہ بات اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ تب ہی ناک سکیڑ کر زینے کی طرف بڑھی۔ تب اسے یاد آیا کہ وہ اپنی ڈائری الماری میں رکھی آئی ہے۔ واپس پلٹی اور ڈائری الماری سے نکال کر بے پروائی سے اوپر جانے لگی۔

"پھر سے ڈائری شروع کردی؟" بنا دیکھے انہوں نے کہا، جس پر وہ چونکی مگر شانے اچکاتے ہوئے زینے کی طرف بڑھتی رہی۔

"تو..... سال بعد خریدی ہے وہ بھی اپنے جمع کیے پیسوں سے۔" وہ کہتی ہوئی اوپر چلی گئی۔



www.zemtime.com

"ان لڑکیوں کا کچھ نہیں ہوسکتا۔" ہر ماں کی طرح آخر میں یاسمین کا بھی یہی جملہ ہوتا تھا۔

☆.....☆.....☆

کھڑکی سے جھانکتے ہوئے وہ بار بار پتھروں سے بنے اس غیر ہموار راستے کی طرف دیکھ رہی تھی جو اس کے گھر سے نکل کر پکی سڑک سے جاتا تھا۔ کئی بار تو اس نے اپنا پورا سر باہر نکال کر اچھے سے راستے پر آتے جاتے لوگوں کو دیکھا تھا۔ فائزہ بھی ڈائجسٹ کو پڑھتے ہوئے کبھی کبھار نگاہ اٹھا کر اس کی حرکت کو نوٹ کر لیتی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو، کسی کا انتظار ہے کیا؟" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تب ہی سوال کیا۔ لمحہ بھر کے لیے سر کو واپس اندر کیا، وال کلاک پر نظر دوڑائی، جس کے اطراف پھولوں کی بیل تھی۔ جسے دونوں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔

"علی کا انتظار کر رہی ہوں، ڈاک خانے سے ابھی تک واپس ہی نہیں آیا۔" اس نے بجھے دل سے کہا، وہ انتظار کرتے کرتے بری طرح تھک چکی تھی۔

"کیا..... علی ڈاک خانہ گیا ہے؟ تم نے مجھے بتایا نہیں، میں نے بھی اپنا ڈائجسٹ منگوانا تھا، تم بہت بری ہو، اپنے کام کے لیے اسے بھیج دیا۔" اس نے ناک سکیڑ کر کہا۔

"تمہیں اپنے ڈائجسٹ کی پڑی ہے یہاں میری جان پر بن آئی ہے۔ جانے کیا بنا ہوگا۔" اس نے انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے اپنی بے چینی کا اظہار کیا، دوبارہ باہر جھانکا مگر دور دور تک اب کوئی نہ تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف کے درخت بھی اب ہوا کے سنگ جھومنا بند کر چکے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے متحیر انداز میں استفسار کیا۔

"میرا رزلٹ ہے آج۔ اب موبائل تو ہے نہیں ہمارے پاس جو انٹرنیٹ پیکج کروا کر آن لائن دیکھ لیا جائے۔ بس علی کو کہا تھا کہ ڈاک خانے جا کر معلوم کرلے کہ رزلٹ کی کاپی آئی یا نہیں۔ ویسے امید تو بہت ہے کہ رزلٹ کی کاپی انہوں نے ارسال کردی ہوگی۔" اس نے دوپٹے کا پلو انگلی کے گرد لپیٹنا شروع کردیا۔

"کیا..... تمہارا ایف اے کا رزلٹ ہے؟ اور تم نے مجھے بتایا نہیں۔" اس نے ڈائجسٹ بند کیا اور اس کے پاس آئی۔

"رزلٹ تو ہفتہ پہلے ہی آچکا تھا۔ مجھے معلوم ہی آج ہوا۔ تب ہی فوراً علی کو ڈاک خانے بھیجا۔ ویسے کتنا اچھا ہے ناں علی..... ہمارے کتنا کام آتا ہے۔ کبھی کسی کام کو منع نہیں کرتا۔" اچانک گفتگو کا موضوع بدل گیا۔ فائزہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔ آخر وہی تو تھا جس کی بدولت وہ ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق پورا کرتی تھی۔ اس کو پیسے دے کر وہ من چاہا ڈائجسٹ منگواتی اور عبیرہ نے بھی تو اپنی ڈائری اسی کے ذریعے منگوائی تھی۔

"یہ تو صحیح کہا تم نے اور فکر نہ کرو اچھا آئے گا رزلٹ۔ آخر تم ٹھہری کتابی کیڑا۔" اس نے مزاح میں کہا۔

"بالکل..... تمہاری طرح نہیں افسانوی کیڑا۔" اس نے بدلہ اتارا تب ہی سائیکل کی گھنٹی سنائی دی۔ عبیرہ میں جیسے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ علی کی سائیکل کی گھنٹی تھی۔ اس نے باہر جھانکا تو وہ پکی سڑک سے پتھریلے راستے کی طرف سائیکل کا رخ موڑ رہا تھا۔ عبیرہ کو جب کھڑکی میں اپنا منتظر پایا تو ایک کاغذ ہوا میں لہرایا جسے دیکھ کر وہ خوشی سے کھل اٹھی اور بھاگتی ہوئی نیچے آئی۔

"ارے آرام سے۔" فائزہ نے کہا۔ وہ بھی خوش تھی اور اس کے پیچھے پیچھے وہ بھی نیچے آئی۔ دروازے پر وہ اب اس کے آنے کی منتظر تھی۔ جیسے ہی اس نے لوہے کے دروازے کے قریب سائیکل روکی تو اس نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

"یہ لیجیے آپی! آپ کا رزلٹ، فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئی ہیں آپ۔" اس کے چہرے پر بھی خوشی تھی۔

"شکریہ بہت بہت۔" وہ تو جیسے ہوا میں اڑنے لگی تھی۔

"شکریہ کی بات نہیں آپی..... اب میں چلتا ہوں، ابھی صائمہ آپی کو خوش خبری سنانی ہے۔ وہ بھی فرسٹ



www.zemtime.com

ڈویژن سے پاس ہوئی ہیں۔" کہتے ہی اس نے پیڈل پر پاؤں رکھا اور آگے بڑھ گیا جبکہ وہ رزلٹ کارڈ کو چومتے ہوئے پلٹی۔

"مبارک ہو بہت بہت۔" فائزہ نے اسے خوشی سے گلے لگایا۔

"بس امی آجائیں..... انہیں یہ خوش خبری سنانی ہے اب۔" اس نے باہر کی طرف جھانکا مگر وہ ابھی تک نہ لوٹی تھیں۔

☆.....☆.....☆

اس دن یاسمین کو گھر آنے میں بہت دیر ہوگئی تھی۔ دوپہر سے سہ پہر اور پھر شام بھی ڈھلنے والی تھی۔ سورج اپنی نرم کرنوں کو سمیٹتے ہوئے مغرب کی طرف تیزی سے سفر طے کرنے لگا۔ ہوا میں بھی خنکی کا احساس بڑھ چکا تھا۔ وہ دونوں بہنیں دروازہ کھولے مسلسل باہر راستے کو تک رہی تھیں۔ چہرے پر پریشانی کا عنصر نمایاں تھا۔ پہلی بار یاسمین نے اتنی دیر کی تھی۔ ایک ڈر ان کے دل میں گھر کرنے لگا تھا۔

"جانے کہاں چلی گئیں امی؟ پہلے تو کبھی اتنی دیر نہیں کی۔" فائزہ نے فکرمندی سے کہا۔

"شام سے پہلے تو وہ ہمیشہ آجاتی تھیں۔" عبیرہ بھی بے چین تھی۔ اپنی خوشی بھول کر ماں کی فکر دل میں سما گئی تھی۔

"میں ایسا کرتی ہوں..... علی کو جا کر کہتی ہوں کہ وہ امی کو دیکھ کر آئے۔ ہوسکتا ہے امی کام کے سلسلے میں ہی کسی کے گھر گئی ہوں۔" فائزہ نے جھٹ کہا تو عبیرہ نے بھی سر ہلا دیا۔

"ایسا کرتی ہوں..... میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" جیسے ہی فائزہ باہر نکلی تو عبیرہ بھی اس کے پیچھے چل دی مگر اس نے منع کردیا۔

"نہیں..... تم رکو، ہوسکتا ہے امی پیچھے سے گھر واپس آجائیں اگر انہوں نے ہم دونوں کو گھر پر نہ پایا تو بلاوجہ پریشان ہوجائیں گی۔" اس نے جواز کہا۔ وہ جانے ہی والی تھی کہ یاسمین سیاہ چادر کو اچھے سے لپیٹے گلی کے نکڑ پہ دیکھائی دی۔ دونوں کو یوں باہر دیکھ کر وہ چونکی جبکہ دونوں کے جسم میں جان لوٹ آئی تھی۔

"امی.....!" وہ دونوں بھاگتی ہوئی قریب گئیں۔ پہلی بار ان کے دل میں ایسے خوف نے جگہ بنائی تھی۔

"تم دونوں یہاں باہر کیا کررہی ہو؟ کتنی بار منع کیا ہے شام کے بعد گھر سے نہ نکلا کرو۔ ایک بار کی بات سمجھ میں نہیں آتی؟" انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے دونوں کو کافی باتیں سنائیں۔ پہلی بار دونوں کو یاسمین کی باتیں بری نہ لگیں، ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی، دل بھی ایک عجیب سی خوشی محسوس کررہا تھا جسے وہ نہ سمجھ پائیں اور گھر کی طرف چل دیں۔

"اب تم دونوں کو اندر آنے کے لیے علیحدہ سے بلاوا دینا پڑے گا؟" دروازے کے عین قریب پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"پھر شروع ہوگئی امی۔" فائزہ نے شانوں کو جھٹکا جس پر عبیرہ مسکرائی اور دونوں اندر کی طرف چل دیں۔

پوچھنے پر یاسمین نے بتایا کہ وہ شاہین کے گھر گئی تھیں۔ شاہین کے ہاں ان کا اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ پوری وادی میں گنے چنے گھر تھے جہاں پی ٹی سی ایل تھا۔ ان میں سے ایک گھر شاہین کا بھی تھا۔ نسرین کی جب بھی کال آتی تو شاہین کے گھر ہی آتی۔ تب یاسمین ان کے گھر جا کر اپنی بہن سے بات کرلیا کرتی تھی۔ آج بھی نسرین کا فون آیا تھا۔ بات ذرا لمبی ہوگئی جس پر وقت کا پتا نہ چلا۔ دونوں نسرین کے فون پر خاصا خوش دیکھائی دیں مگر زبان پر ایک شکوہ بھی تھا۔

"آپ نے ہمیں کیوں نہیں بتایا..... ہمیں بھی خالہ سے بات کرنی تھی۔" فائزہ نے منہ پھولا کر کہا۔

"اگر گھر پر ہوتی تو تمہیں ضرور ساتھ لے جاتی مگر میں چادر دینے پہلے ہی اس کے گھر پہ تھی۔ اب بھلا وہاں سے یہاں تمہیں لینے آتی؟" یاسمین نے ان کا شکوہ دور کیا۔

"اچھا..... منہ بنانے کی ضرورت نہیں، تمہارے لیے



www.zemtime.com

ایک خوش خبری ہے۔" دونوں کے چہرے لٹکے ہوئے دیکھے تو کہا۔ جس پر دونوں خوشی سے کھل اٹھی۔

"خوش خبری..... واہ..... کون سی؟ خالہ آرہی ہیں۔ ارے واہ..... ایسا ہوگیا تو مزہ آجائے گا۔ ایک طرف پاس ہونے کی خوشی اور دوسری طرف خالہ کے آنے کی۔" عبیرہ نے پرجوش انداز میں تالی بجائی جس پر یاسمین چونکی۔

"آج تمہارا رزلٹ تھا..... کیا رہا؟"

"بہت اچھا..... تمام مضامین میں اے گریڈ ہیں۔" فائزہ نے جھٹ کہا جس پر یاسمین نے اس کا ماتھا چوما اور ڈھیروں دعائیں دیں۔

"یہ دعائیں تو چلتی رہیں گی۔ پہلے بتائیں خالہ آرہی ہیں ناں؟" فائزہ نے مداخلت کی، اس کی طبیعت میں جیسے صبر نام کی شے تھی ہی نہیں۔

"ارے لڑکی صبر! سسرال میں جاکر اگر ایسی ہی بے صبری کا مظاہرہ کیا تو اپنی تو ناک کٹواؤ گی ہی ساتھ میں مجھے بھی ذلیل کرواؤ گی۔" یاسمین نے سر پیٹ کہ کہا۔

"بس نصیحت ہی کرنا..... شادی نہ کرنا۔" اس نے جلے کٹے لہجے میں زیر لب کہا۔ نظروں کو زمین پر جماتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے یاسمین کی طرف دیکھا جس پر انہوں نے اس کا کان پکڑ لیا تھا۔

"بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔ اب تو لگتا ہے اس زبان کو کاٹنا ہی پڑے گا۔" ان کا لہجہ پہلی بار شریر ہوا، آنکھوں میں ایک کشش تھی جسے وہ دونوں فی الوقت نہ سمجھ سکیں۔

"تو کاٹ دیں شادی کرکے، ویسے بھی ہیروئن کی زبان اپنے ہیرو کے سامنے کہاں چلتی ہے۔" ایک بار پھر وہ کہانیوں کا تذکرہ کر بیٹھی۔

"جھوٹ کم بولو..... اکثر ہیروئن تو اپنے ہیرو کا گریبان تک پکڑ لیا کرتی ہیں۔" ایسے میں عبیرہ کہاں پیچھے رہنے والی تھی فوراً لقمہ دیا اور یاسمین کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہے تمہاری بہن..... اصل زندگی کو کبھی کہانی کے کرداروں سے تشبیہہ مت دو، یہ زندگی ہے اور وہ محض افسانہ..... دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے اور اس فرق کو ہمیں بھولنا نہیں چاہیے۔" کان چھوڑ کر دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پیار سے اسے سمجھایا۔ جس پر اسے تعجب ہوا اور حیرت سے یاسمین کی طرف دیکھا۔ عبیرہ بھی حیران ہوئی۔

"خیریت ہے امی..... آج بہت پیار آرہا ہے مجھ پر..... نہ جوتی، نہ لعن وطعن مجھ پر، نہ میرے ڈائجسٹ پر۔ مجھے لگتا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، میں ایسا کرتی ہوں آپ کے لیے گرم گرم ہلدی کا دودھ لے آتی ہوں۔" فائزہ نے متحیر انداز اپنایا جس پر ان کے لب بے اختیار مسکرائے۔

"بہت بدتمیز ہوگئی ہو تم۔"

"لو جی..... اب پروا کرنا بھی بدتمیزی میں شمار ہونے لگا۔" اس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"بات کو کہاں سے کہاں لے گئے آپ دونوں، بالکل سیاستدانوں کی طرح۔ بات کہاں سے شروع کرتے ہیں وہ بھی اور انجام کہاں کرتے ہیں۔" عبیرہ نے اکتاہٹ والے لہجے میں کہا۔

"یہ تو صحیح کہا عبیرہ تم نے..... بتائیں ناں امی خالہ پکا آرہی ہیں ناں؟" فائزہ نے دوبارہ وہی استفسار انداز اپنایا۔

"جی نہیں۔" انہوں نے دونوں کا دل بری طرح توڑا۔ چہرے پر جو بہار آئی تھی وہ واپس لوٹ گئی۔ دونوں کے چہرے لٹک گئے تھے۔

"کیا؟" بے اختیار عبیرہ کے لبوں سے نکلا۔ اسے امید تھی شاید اس بار خالہ آئیں مگر امیدیں تو شاید ہوتی ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں۔ دونوں کے چہرے ایسے مرجھائے ہوئے تھے جیسے کبھی ان میں تازگی تھی ہی نہیں۔ ہر خوشی، ہر رونق ان سے خفا ہو۔

"مگر....." دونوں کی اس کیفیت کو بھانپتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے ان کی ٹھوڑی کو پکڑ کر ذرا سا اٹھایا تو ان کی آنکھوں میں خفگی نمایاں نظر



www.zemtime.com

آئی۔

"مگر کیا؟" بے دلی سے فائزہ نے پوچھا۔

"مگر یہ کہ شہر سے تمہارے لیے رشتہ آیا ہے۔" یہ سنتے ہی اس نے ایک زبردست چیخ ماری اور ایسا بے اختیار ہوا تھا۔ تب ہی دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اور یاسمین کی طرف دیکھا۔ اسے یقین تھا اس بار چپل اسے لازمی پڑے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ مسکرائیں تو عبیرہ کو بھی اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"سچی.....!" اس نے یقین چاہا۔

"تو اور کیا..... اب بھلا مجھے کیا ضرورت تم سے جھوٹ بولنے کی۔" یاسمین نے اٹھتے ہوئے اپنی چادر اتاری۔ وہ تب سے یونہی زمین پر بیٹھے تھے۔ ساتھ ہی عبیرہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ فائزہ تو ابھی تک اس خوشی کو سمیٹ ہی نہ پا رہی تھی۔

"کون ہے، آپ جانتی ہیں اسے، دیکھا ہے آپ نے اسے، کیسا نظر آتا ہے، شہر میں ہی رہتا ہے وہ، کیا نام ہے اس کا؟" اس نے ایک سانس میں ہی کئی سوال کر دیے۔

"حوصلہ رکھو۔" یاسمین نے مختصراً کہا۔

"بتائیں ناں امی..... پلیز۔" عبیرہ کہاں اب رکنے والی تھی؟ سائے کی طرح یاسمین کا پیچھا کرنے لگی۔ ہال سے کچن اور پھر کچن میں بھی برتن سمیٹتے ہوئے وہ کبھی اس طرف مڑتیں تو کبھی دوسری طرف۔ وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔

"کل آرہا ہے وہ۔ دیکھ لینا اسے اور نام بھی پوچھ لینا۔ اب خوش۔" پلٹ کر انہوں نے مسکراہٹ کو دباتے ہوئے کہا۔ یہ دونوں کے لیے دوسرا جھٹکا تھا۔ وہ حیرت سے اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی تھی۔

"اب جاؤ بھی..... مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔" یاسمین کے کہنے پر وہ پلٹی اور کھوئے ہوئے انداز میں فائزہ کے پاس آئی جو ابھی تک منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔

جیسے ہی اس نے اس کے شانوں کو چھوا تو جان لوٹ آئی تھی۔ وہ دوبارہ چیخی مگر اس بار آواز کی شدت میں کمی تھی۔

"عبیرہ.....!" وہ خوشی سے اچھلی۔

"مبارک ہو..... اب تم دلہن بننے والی ہو۔" وہ اس کے گلے سے لگ گئی، یاسمین کچن سے دونوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"کتنی خوش ہیں دونوں..... بس کسی کی نظر نہ لگے۔" لبوں پر مسکراہٹ تھی اور اپنی بیٹیوں کے حق میں وہ مسلسل دعا کر رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

وقت تو جیسے تھم چکا تھا۔ رات کو بھی دونوں کافی دیر تک جاگتی رہیں، فائزہ کی تو جیسے نیندیں ہی اڑ چکی تھیں۔ کروٹیں بدل بدل کر وہ تھک چکی تھیں۔ تب ہی اٹھی۔ عبیرہ نے بھی کروٹ بدلی اور اس کی طرف دیکھا۔

"تم سوئی نہیں ابھی تک؟" لائیٹ کا بٹن آن کرتے ہوئے وہ بھی اٹھی۔ کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا تو چودھویں کا چاند نظر آرہا تھا۔

"نیند ہی نہیں آرہی، ایک عجیب سی بے چینی دل کو لگی ہوئی ہے۔" اس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو عبیرہ نے بغور اس کی طرف دیکھا، آج پہلی بار وہ اسے اتنی بے چین لگی تھی۔ بالکل ویسی ہی جیسے وہ اپنی کہانیوں میں ہیروئن کا تذکرہ کرتی تھی، جیسے وہ اپنے ہیرو کے لیے بے قرار ہوا کرتی تھیں، ایسے ہی آج وہ تھی۔ تب ہی وہ مسکرائی۔

"اور یہ بے چینی اپنے ہونے والے ساجن سے ملنے کی ہے۔" اس نے آنکھیں گول گول گھما کر کہا۔

"عبیرہ.....! ایسی بات نہیں ہے۔" اس نے نگاہیں چراتے ہوئے سامنے دیوار کی طرف نگاہ ڈالی۔ جہاں سرخ و سبز رنگ کی کئی بیلیں تھیں۔ جنہیں خود انہوں نے ڈیزائن کیا تھا۔ یاسمین کو لگتا تھا کہ انہیں کچھ نہیں آتا مگر وہ غلط تھیں۔ وہ گھر کو سجانے میں ماہر تھیں۔ یاسمین کو جب بھی کڑھائی کرتا دیکھتیں تو خود بھی ویسے ہی کرنے کی کوشش کرتیں۔ ایسے میں وہ اپنے پرانے دوپٹوں کا سہارا لیا کرتی تھیں اور جو دھاگے یاسمین کمزور سمجھ کر پھینک دیا کرتی



www.zemtime.com

تھیں۔ دونوں چپکے سے اسے اٹھا لیتیں اور کمرے میں اس دھاگے سے کئی بیل بوٹے بناتیں۔ شروع شروع میں تو یہ کام بہت مشکل تھا۔ جسے سیکھنے میں انہیں پورا ایک ہفتہ لگ گیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے تو پھر کیسی بات ہے، سچ بتاؤ کیا تم واقعی اس کے بارے میں نہیں سوچ رہی، کیا تمہارے ذہن پر صرف وہی سوار نہیں ہے؟" اس نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا۔ وہ شرمائی اور اٹھ کر کھڑکی سے آسمان کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں جانتی..... بس ایک عجیب سی کیفیت طاری ہے مجھ پر۔ اب اس کا کیا مطلب سمجھوں؟ میں خود نہیں جانتی۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم جانتی نہیں یا مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتی؟" دل میں کلبلاتا سوال زبان پر لانے میں دیر نہیں کی۔

"جب میں خود نہیں جانتی تو بھلا تمہیں کیا بتا سکتی ہوں؟" اس نے عبیرہ کی طرف دیکھنے کی بجائے باہر چاند کو دیکھا۔

"ویسے کیا لگتا ہے تمہیں کیسا ہوگا وہ، نظر کیسا آتا ہوگا، قد کاٹھ کیسا ہوگا، گورا ہوگا یا کالا؟ ویسے کالا بھی چلے گا ناں، آخر وہ بھی تو انسان ہوتے ہیں۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"عبیرہ....." اس نے سختی سے ٹوکا جس پر وہ مسکرا کر اس کے قریب ہوئی۔

"اب اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے، کالے کیا انسان نہیں ہوتے؟ اب تم اپنی کہانیوں کو ہی دیکھ لو۔ بعض اوقات ہیروئن بھی تو سانولے رنگ کی ہوتی ہے۔ ایسے میں بھلا اس گورے چٹے چاند کے ٹکڑے ہیرو کا کیا قصور ہوتا ہے؟ انہیں بھی تو نبھانا پڑتا ہے۔ قسمت..... سوری لکھاری کے فیصلوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرنا پڑتا ہے ناں، اب تم بھی ایسا سمجھ لینا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"پہلی بات فائزہ کی قسمت اتنی بری نہیں کہ ایسا لڑکا میری زندگی کا حصہ بن سکے اور دوسری اور سب سے اہم بات تم کب سے ڈائجسٹ کی کہانیوں کا حوالہ دینے لگیں، کہیں تم پر بھی تو امی کا بھوت نہیں سوار ہوگیا؟ جو مطلب کی بات پر کہانیوں کو گھسیٹ لیتی ہیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اب تم جو مرضی کہو مگر سچ سے تو سمجھوتہ کرنا پڑتا ہی ہے ناں۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، اتنی جلدی کہاں اپنے اوپر بات آنے دیتی۔

"سمجھوتہ اور میں..... ایسا کبھی نہیں، میرے پاس کئی راستے ہیں۔ دیکھ لینا اگر وہ مجھے ایک آنکھ بھی نہ بھایا تو فوراً اسے یہاں سے چلتا کروں گی اور مجھے کسی کی پروا بھی نہ ہوگی۔" اس نے گردن اکڑا کر کہا۔

"بہت ہی بری ہو تم فائزہ..... اب آنے والے مہمانوں کے ساتھ ایسا کوئی کرتا ہے کیا؟ اب بھلا اس کے رنگ میں اس کا کیا قصور؟ اب اگر فرض کرو تمہارا رنگ کالا ہوتا..... ویسے ہو تو اب بھی خوب صورتی میں مجھ سے ذرا کم درجے کی لیکن پھر بھی اگر تمہیں ذرا اور کم خوب صورتی ملتی تو؟" اس نے بات کو ایک نیا پہلو دیا۔

"تم میری بہن ہو یا دشمن؟ بہنیں تو اچھے بہنوئیوں کے لیے دعائیں مانگتی ہیں اور تم مجھے بددعا دے رہی ہو۔ مجھ سے بری تو تم ہو جاؤ میں تم سے بات نہیں کرتی۔" اس نے دونوں بازو سینے کے گرد لپیٹ لیے اور منہ دوسری طرف پھیر لیا تب ہی اس نے پیچھے سے اس کے شانوں کو تھاما۔

"اچھا بابا سوری..... میں مذاق کر رہی تھی۔ اللہ کرے وہ بہت خوب صورت ہو، اتنا خوب صورت..... اتنا خوب صورت کہ تمہارے بجائے وہ مجھے ہی پسند آجائے۔" ایک بار پھر اس نے مذاق کیا جس پر اس نے عبیرہ کو گھورا۔

"بہت ہی بدتمیز ہو۔"

"تم سے کم۔" دونوں کھلکھلاتی ہوئی بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆



www.zemtime.com

اسے یہاں بیٹھے نجانے کتنا وقت بیت چکا تھا۔ اسی پتھر پر بیٹھے وہ جانے کب سے انہی پتوں کو درختوں سے گرتا دیکھ رہی تھی۔ آج موسم باقی دنوں کی نسبت خوشگوار تھا، ہوا میں نمی کا تناسب بھی بڑھ چکا تھا۔ بس اسی موسم کو انجوائے کرنے یہاں آئی تھی۔

"کیا ہی بات ہوتی کہ تم بھی آج میرے ساتھ ہوتے، کتنا مزہ آتا ہم دونوں شاہ بلوط سے پتوں کو گرتا دیکھتے اور ایک دوسرے سے شرط لگاتے کہ کون سا پتا پہلے گرے گا اور کون سا بعد میں۔" لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی، آسمان پر سرمئی رنگ کے بادلوں کا راج تھا۔ ہوا میں بھی شدت آچکی تھی مگر وہ اپنی جگہ پر بیٹھی رہی، ہلکے نیلے رنگ کے لباس میں ملبوس وہ کھلی زلفوں کے ساتھ، قدرت کا ایک حسین مجسمہ لگ رہی تھی۔

اس کا ذہن اس منظر میں اس قدر محو تھا کہ وہ اس بات کو یکسر بھول بیٹھی تھی کہ آج فائزہ کو دیکھنے لڑکے والے شہر سے آرہے تھے۔ ورنہ وہ اس وقت یہاں نہ آتی۔ یکا یک آسمان سے گرتی بوندوں نے اس کے وجود کو چھوا تو اس نے چونک کر آسمان کو دیکھا۔ سرمئی بادل اب کالی گھٹاؤں کا روپ دھار چکے تھے، ہر طرف سیاہی تھی جیسے آج کھل کر مینہ برسے گا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کیا؟ بارش بھی شروع ہوگئی..... اب مجھے جلدی سے گھر جانا ہوگا اگر بارش تیز ہوگئی تو امی نے تو میری جان نکال دینی ہے۔" وہ تیز قدموں کے ساتھ پل کی طرف چل دی۔ بارش تیز ہوگئی تھی۔ اس کے کپڑے بھیگ گئے تھے، شاہ بلوط اس بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہوا کے سنگ جھوم رہے تھے۔ وہ جیسے ہی پل پہ آئی تو رسیوں کا بنا پرانا پل ہوا کے سنگ تیزی کے ساتھ جھولنے لگا تو وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ نہر کا پانی یک دم سے پل کو چھونے لگا تھا۔ اس نے بہ مشکل پہلے تختے کی طرف پاؤں رکھا تھا۔ مضبوطی کے ساتھ رسی کو تھاما۔

"اے اللہ..... بس تھوڑی دیر..... پانچ منٹ کے لیے بارش روک دے میں بس گھر پہنچ جاؤں ورنہ امی تو میری جان نکال دیں گی۔ وہ تو پہلے ہی مجھے یہاں آنے سے منع کرتی ہیں اور اب اگر مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہوگئی تو..... وہ تو مجھے بہت باتیں سنائیں گی۔" اس کے چہرے پر کافی فکر تھی۔ دوسرا قدم بھی اب وہ پل پر رکھ چکی تھی۔ پانی کے بہاؤ میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ دل میں ایک خوف اپنی جگہ بنا رہا تھا۔ آنکھیں پل بھر موندنے کے بعد اس نے دوبارہ کھولیں، اپنے آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے وہ آگے بڑھی تب ہی ایک زوردار ہوا کا جھونکا آیا اور رسی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔ اس کے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"آہ.....!" وہ بری طرح چلائی تب ہی ایک ہاتھ آگے بڑھا اور اس کو گرنے سے کسی نے بچایا۔ درختوں کے پتے جو اس طوفانی بارش میں تیز ہوا کے ساتھ فضا میں رقص کر رہے تھے، اس کے وجود پر آچکے تھے مگر اس نے اس کا ہاتھ نہ چھوڑا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟" شیریں آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی، دھیرے سے اس نے اس مہربان کو دیکھنا چاہا پر بارش اتنی تیز تھی کہ آنکھیں بامشکل کھولی جا رہی تھیں۔ وہ ایک عام سا چہرہ تھا مگر بہت خاص لگا۔ رنگ صاف، بال سیاہ جو پوری طرح بھیگ چکے تھے، اس نے فوراً اپنے آپ کو پیچھے کیا اور گردن ہلا کر دوپٹے کو سینے کے گرد اچھے سے لپیٹا تھا۔

"ایک منٹ۔" اس نے فوراً اپنے دوسرے ہاتھ میں موجود چھتری کو کھولا تو ایک سائبان اپنے اوپر محسوس کیا۔ وہ اب یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"آیئے..... میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔" آواز میں ایک عجب سا تاثر تھا۔

دونوں ساتھ ساتھ اس چھتری کے نیچے چلتے رہے۔ شروع میں تو دونوں خاموش رہے مگر جلد ہی دونوں میں بات چیت ہونے لگی۔ عبیرہ نے اپنا تعارف کروانے میں دیر نہ کی اور پوچھنے پر اس نے اپنا نام کاشف بتایا تھا۔

"آپ اتنی تیز بارش میں وہاں کیا کر رہی تھیں؟" اس



www.zemtime.com

نے باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔

"بس کچھ یادیں وابستہ ہیں اس جگہ سے، انہیں یادوں کو تازہ کرنے وہاں گئی تھیں۔" اس نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تب ہی مسکرادیا۔ عبیرہ کے بتائے راستے کی پیروی کرتے ہوئے وہ اس کے گھر کے بالکل سامنے آرکا تھا۔

"بہت بہت شکریہ۔" کہتے ہی وہ اندر کی جانب چل دی مگر وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آیا جو بات اسے عجیب لگی۔

"میں نے کہا شکریہ۔" اس نے دوبارہ الفاظ دہرائے مگر وہ جیسے سننے کو تیار ہی نہ تھا۔

"آپ کو سنائی نہیں دیتا شکریہ..... اب آپ جاسکتے ہیں۔" وہ ذرا سخت لہجے میں بولی جبکہ وہ کھڑا مسکراتا رہا، اس کا پاؤں دہلیز پر تھا جسے زبردستی وہ پیچھے دھکیلتے ہوئے دروازہ بند کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ جبکہ وہ مزاحمت کررہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کرکے اس کا پاؤں زخمی کردیتی اگر پیچھے سے آواز نہ آتی۔

"ارے کاشف! تم وہاں کیوں کھڑے ہو؟ اندر آؤ ناں۔" اپنے عقب سے آتی آواز پر وہ پلٹی تو وہاں ایک نوجوان کھڑا تھا۔ کاشف کی ہی عمر کا، وہی قد کاٹھ مگر رنگ اس سے زیادہ صاف، چہرہ کہیں زیادہ پرکشش، بالوں کی سیاہی بھی ایسی جیسے سیاہ رات کی چادر ان کے گردن حمائل ہو۔ آنکھیں ایسی جو کسی کو بھی اپنا اسیر کرلیں۔ وہ اس کے سحر میں بری طرح گرفتار ہوچکی تھی۔

"آؤں تو تب ناں جب یہ محترمہ اندر آنے دیں۔" اس نے ہنستے ہوئے سارا الزام عبیرہ پر رکھا۔ وہ حیرت سے پلٹی اور بغور اسے دیکھا جو ایسے مسکرا رہا تھا جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ وہ شرمندگی کے ساتھ ذرا پیچھے ہوئی۔ یاسمین بھی وہاں آموجود ہوئیں۔ جیسے ہی اس کی نگاہ عبیرہ پر گئی تو ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں۔

"ہوگیا شوق پورا..... پہلے ہی کہا تھا کہ موسم خراب ہے نہ جاؤ مگر مجال ہے جو ماں کی ایک بات بھی سن لو۔ اب بارش میں بھیگ کر سکون تو مل گیا ناں۔" یہ تو بھلا ہو فائزہ کا جو وہاں آموجود ہوئی اور یاسمین کی باتوں سے بچالیا ورنہ مہمانوں کا بھی انہیں ذرا خیال نہ تھا۔

"امی..... میں اسے کمرے میں لے جاتی ہوں۔ بے چاری کو سردی نہ لگ جائے۔" فوراً ایک سفید تولیہ اس پر ڈالتے ہوئے اسے زبردستی زینے کی طرف دھکیلا جبکہ وہ اب بھی اس چہرے کو یک ٹک دیکھ رہی تھی جو مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اگرچہ کاشف بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا مگر اسے اس سے دلچسپی نہ تھی۔ اس کا دھیان تو زبید کی طرف تھا۔ اگرچہ وہ آج عرصے بعد یہاں آیا تھا۔ شاید آخری بار تب جب وہ چھوٹا تھا۔ ہاں تب ہی وہ آخری بار آیا تھا۔ نسرین خالہ اپنی بیٹی کے ساتھ اکثر آجاتیں مگر وہ نہ آتا۔ اس کی شکایت اسے ہمیشہ رہتی تھی مگر کسی سے ذکر نہ کرتی بس باتوں ہی باتوں میں جواز جاننے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

"وہ بزی ہے پڑھائی میں۔ بس اسی لیے۔" یہ جواب اسے ازبر ہوچکا تھا۔ وہ خاموش ہوجاتی اور اکثر سوچتی کیا وہ واقعی اسے بھول چکا ہے۔

آج جب اسے دیکھا تو بس دیکھتی رہ گئی۔ وہی چہرہ جو اس نے گمان کیا تھا مگر اس چہرے پر کوئی غیر معمولی تاثر نہ تھا۔ وہ مسکراہٹ اگرچہ آفرین تھی مگر اس کے دل میں ایک عجیب سی ہلچل مچا گئی تھی۔

"خالہ یہ میرا دوست ہے کاشف۔" اس نے تعارف کروایا۔ جسے یاسمین نے خوش آمدید کہا۔

"تم بھی بری طرح بھیگ چکے ہو۔ ایسا کرو چینج کرلو ورنہ سردی لگ جائے گی۔" یاسمین نے کہا۔

"خالہ اس کی فکر نہ کریں..... اسے تو عادت ہے کیوں بھئی؟ سوئمنگ چیمپئن ہے میرا دوست۔ پانی تو اس کا دوسرا گھر ہے۔" آگے بڑھ کر اس نے کاشف کے شانوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے سینے کو ہلکا سا تھپتھپایا۔

"بالکل....." اس نے مسکرا کر کہا۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی..... اب بیٹھ جاؤ میں



www.zemtime.com

تمہارے لیے گرم دودھ لاتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف چل دیں جبکہ وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے جو بالخصوص انہی کے لیے یاسمین نے وہاں ہال میں رکھی تھیں۔

"کون ہے یہ اور معاملہ کیا ہے؟" اس نے کمرے میں پہنچتے ہی سوال کیا۔

"ارے بھول گئی تم؟ امی نے کل ہی تو بتایا تھا..... دونوں شہر سے آئے ہیں۔" اس نے دھیرے سے بتایا تو اس نے ابرو چڑھائے اور قدرے گہری سانس لی۔

"اوہ..... یعنی ساجن جی آ بھی گئے۔" اس نے شریر لہجہ اپنایا۔

"دیکھو..... اب پھر سے شروع مت ہو جانا۔ امی نے کہا ہے کہ دونوں کے سامنے اچھی لڑکیوں کی طرح رہنا۔" اس نے یاسمین کی نصیحت سے آگاہ کیا۔

"کیوں..... ہم اچھی لڑکیاں نہیں ہیں کیا؟" کبھی کبھی وہ پاگلوں کی سی باتیں کرتی اور آج بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

"پاگل..... امی کا مطلب تھا کہ یہ اوٹ پٹانگ حرکتیں بند کردو۔" اس نے وضاحت کی۔

"تو پھر ٹھیک ہے..... ویسے تمہیں زیادہ مشکل تو نہیں ہوگی ناں اپنی عادت کو بدلنے میں۔" اس نے ساری نصیحت اسی کے کھاتے میں ڈال دی۔

"عبیرہ....." اس نے آنکھیں دکھائیں اور ساتھ ہی کمرے میں کھی کھی کی آواز رقص کرنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

زبید کے آنے پر آج اس کی پسند کے ہی کھانے پکائے گئے تھے۔ یاسمین نے سب کچھ اس کی پسند کا پکایا تھا۔ ساتھ ہی اس کے دوست کی پسند بھی پوچھ لی تھی اور اس کی پسند کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا۔ ایسے میں فائزہ بھی اپنے ڈائجسٹوں کی دنیا سے باہر آچکی تھی۔ اس نے بھی لحاظ رکھتے ہوئے یاسمین کی مدد کی۔ یاسمین نے بھی اسے منع نہ کیا۔ آخر اس کے رشتے کی بات تھی۔ اگلے گھر جا کر بھی تو اسے کچن سنبھالنا ہی تھا۔ عبیرہ نے بھی کچھ مدد کرنے کی پیشکش کی مگر یاسمین نے یہ کہہ کر منع کردیا کہ وہ جا کر کاشف اور زبید سے پوچھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں جس پر وہ حیران ہوئی۔

"کیا ہوا..... کیا دیکھ رہی ہو؟ جاؤ..... ویسے بھی تمہاری وجہ سے کاشف بارش میں بھیگا ہے ہوسکتا ہے اسے کسی چیز کی ضرورت ہو۔" یاسمین ابھی تک اسی بات پر اٹکی ہوئی تھیں۔ اسے بھی بخوبی علم تھا کہ آئندہ چند روز اسے یہ طعنہ لازمی سننے کو ملے گا۔ باہر کا موسم بھی اب خوشگوار ہوچکا تھا۔ بارش تھم چکی تھی مگر ہوا اب بھی ویسی تھی۔ وہ کھوئے ہوئے انداز میں کچن سے باہر آئی اور ایک پل کے لیے کسی سوچ میں ڈوبی۔ بالائی منزل پر جو دوسرا کمرہ تھا کاشف اور زبید وہی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے زینے کی طرف قدم بڑھائے تھے کہ ایک ہوا کے جھونکے نے اسے پلٹنے پر مجبور کردیا۔ باہر کا دروازہ کھلا تھا۔

"شاید..... وہ باہر ہوں۔" اسی سوچ کے ساتھ اس نے اوپر جانے کی بجائے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ ان کے گھر چونکہ سڑک سے قدرے اونچا تھا اور پتھریلے راستے سے دروازے کی دہلیز کا فاصلہ بھی مناسب تھا۔ درمیان کا حصہ مختلف قسم کے پودوں سے سجا ہوا تھا جو کہ اس علاقے کی فطرت کے عین مطابق تھا۔ وہ باہر آئی تو سامنے وہی وجود پھولوں کی بیل کے بالکل پاس کھڑا تھا۔ پشت اس کی جانب تھی۔ ہوا اب بھی تیز تھی۔ اس کا دوپٹا اڑ رہا تھا جسے وہ بہ مشکل سنبھالے ہوئے تھی۔ انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے وہ آگے بڑھی۔

"سنیں....." اس کی آواز پہ وہ پلٹا، چہرے پر وہی مسکراہٹ اور کشش تھی۔

"جی کہیے۔" وہ شائستہ لہجہ میں گویا ہوا۔

"شکریہ..... وہ آپ نے گھر تک آنے میں میری مدد کی۔" اس نے نظروں کو جھکاتے ہوئے کہا، اس کی یہ ادا اسے کافی بھائی۔

"اس میں شکریہ کی کیا بات؟ آپ کو اتنی تیز بارش میں دیکھا، بس اسی لیے مدد کے لیے چلا آیا۔" اس نے



www.zemtime.com

وضاحت دی۔

"مگر آپ وہاں کیسے؟ وہاں سے تو کوئی بھی سڑک شہر سے نہیں آتی۔" اس کا انداز استفہامیہ ہوا۔

"بالکل صحیح کہا آپ نے۔ دراصل کار میں ہی مجھے نہر کے پاس کسی کے عکس کا ابہام ہوا تھا مگر زبید نے اسے میرا خیال تصور کیا لیکن مجھے یقین تھا تب ہی وہ تو کار پارک کرنے گیراج کی طرف چلا گیا مگر میں اپنے شک کو یقین کا لبادہ پہنانے اس تیز بارش میں چلا آیا اور دیکھیں ناں کتنا اچھا ہوا..... میرے آنے کا فائدہ ہوگیا۔" اس نے تفصیل سے اپنی کاروائی بتائی جس پر اس کا چہرہ افسردہ ہوگیا۔

"آپ کو کیا ہوا، یوں افسردہ کیوں ہوگئیں، کہیں میرا مدد کرنا برا تو نہیں لگا؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں..... ایسی بات نہیں ہے۔" کافی دیر دونوں کے درمیان خاموشی کا راج رہا۔ وہ اردگرد کے ماحول سے کافی حظ اٹھا رہا تھا۔ اس کے لیے یہ سب نیا تھا۔

"مجھے آپ سے سوری بھی کرنا تھی۔" دفعتاً اس کے ذہن میں اپنی بے وقوفی کا منظر آیا، کاشف نے تعجب بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شکریہ کا جہاں تک تعلق تھا، اسے تو میں سمجھتا ہوں مگر یہ سوری کہاں سے درمیان میں آگیا، کیا یہاں شکریہ کے ساتھ ساتھ اضافی لفظ بھی بولا جاتا ہے؟" اس ہلکے پھلکے مزاح پر وہ مسکرادی۔

"نہیں..... نہیں..... ایسا کوئی رواج نہیں ہے یہاں۔ وہ تو میں اپنے رویے پر آپ سے سوری کہہ رہی تھی۔ وہ دروازے پر میں نے آپ کو روکا تھا ناں۔ دراصل مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ زبید کے دوست ہیں۔ بس اس لیے۔"

"آپ کو معافی مانگنے یا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں..... دراصل سچویشن ہی کچھ ایسی تھی۔ دراصل غلطی تو اس میں میری بھی ہے میں نے ہی آپ کو اپنا تعارف مکمل نہیں کرایا تھا اس لیے مجھے بھی آپ سے سوری کرنا چاہیے۔" وہ دونوں اب کھل کر ہنس دیے۔ تب ہی وہاں زبید آیا۔ وہ لائیٹ گرین رنگ کی ہاف بازو والی ٹی شرٹ اور لائیٹ بلیو جینز میں ملبوس تھا۔

"میری کزن کے ساتھ کیا خوش گپیاں لگائی جارہی ہیں بھئی؟" اس نے آتے ہی کاشف کے شانے پر ہاتھ رکھا، ابرو اچکاتے ہوئے اس نے عبیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ کیا بولتی؟ بس خاموشی کے ساتھ اس کو دیکھتی رہی۔ اس کا حسین چہرہ جو تصویر میں جس قدر پرکشش تھا، حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ تابناکی کو سمیٹے ہوئے تھا۔ وہ تو اس کے چہرے سے نظریں ہی ہٹا نہیں پارہی تھی۔

"کیوں..... اب بات کرنے پر کوئی ٹیکس لگتا ہے کیا؟ اگر لگتا ہے تو بتادو، میں وہ بھی ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے واہ..... اتنی بے تکلفی وہ بھی پہلی ملاقات میں ہی؟ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اگر خالہ جان کو معلوم ہوگیا ناں اسی وقت ہم دونوں کو چلتا کردیں گی۔" اس نے تنبیہہ کی۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا..... آخر رشتے کے لیے ہی تو آئے ہیں ہم، اس لیے وہ ہمیں کبھی کہیں نہیں جانے دیں گی۔" کاشف کی بات پر اس نے گردن جھکائی جبکہ کاشف نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ دل سے جیسے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ اب آزاد فضا میں سانس لے سکتی تھی۔ اس بار اس نے زبید کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش تھا۔ کوئی تاثر اس نے نہیں دیا تھا۔

"شہر سے تمہارے لیے رشتہ آیا ہے۔" یاسمین نے کچھ ایسا ہی کہا تھا۔ وہ کیسے بھول گئی۔ اب ضروری تو نہیں شہر سے زبید کا ہی رشتہ آیا ہو فائزہ کے لیے؟ کاشف بھی تو شہر سے ہی تعلق رکھتا تھا اور پھر اس کا یوں کسی کے بھی گھر آنے کا مقصد کیا ہوسکتا تھا؟ دوستی اپنی جگہ مگر دوست کے رشتے داروں کے گھر مہمان بننا یقیناً کسی مقصد کے تحت ہی ہوتا ہے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی جبکہ وہ دونوں آپس میں ہی باتیں کررہے تھے۔



www.zemtime.com

"آپ باتیں کریں..... کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیجیے گا۔" وہ کہہ واپسی پلٹ گئی تو زبید نے مسکرا کر گردن ہلا دی جبکہ کاشف اس کو جاتا دیکھتا رہا۔ اپنی طرف دھیان نہ پا کر زبید نے چٹکی بجائی جس پر وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات کے کھانے کے بعد سب ہال میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ زبید اور کاشف تو ایسے باتیں کر رہے تھے جیسے وہ مہمان نہ ہوں بلکہ یہ ان کا اپنا ہی گھر ہو جبکہ عبیرہ اور فائزہ تو مہمانوں کی طرح بالکل خاموش تھیں۔ اگر کوئی سوال کیا جاتا تو ہاں، ہوں میں جواب دیتیں اور ساتھ میں مسکرا دیتیں۔ یاسمین کو ایک پل کے لیے ایسا لگا جیسے دونوں بہت بڑی ہو چکی ہیں۔ بیٹیاں واقعی بہت جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کب وہ ماں کے برابر آجاتی ہیں پتا ہی نہیں چلتا اور پھر وہ وقت آجاتا ہے جب ان کے پیا کے گھر میں جانے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔

"کیا ہوا خالہ، کن سوچوں میں گم ہیں آپ؟" زبید نے جب ان کو خود سے بے گانہ دیکھا تو فوراً استفسار کیا۔ خیالات کو جھٹکتے ہوئے انہوں نے مسکراتے ہوئے بات کا رخ بدلا۔

"بس یہی کہ تم اکیلے آگئے۔ تمہاری امی نہیں آئی اگر وہ بھی آجاتیں تو زیادہ بہتر رہتا۔"

"آنا تو ماما نے بھی تھا ساتھ مگر کرن کے پیپرز چل رہے تھے آج کل اور پھر ڈیڈ کی بھی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ آپ سے کل بات ہو چکی تھی ورنہ شاید میرا بھی آنا کینسل ہو جاتا۔" اس نے تفصیل سے وضاحت دی۔

"آپ کرتے کیا ہیں؟" فائزہ نے فوراً پوچھا جس پر وہ پل بھر کے لیے تو خاصا حیران ہوا۔

"آپ بولتی بھی ہیں، مجھے تو لگا تھا جیسے ہمارے دن بہت ہی بور گزرنے والے ہیں۔" وہ شہری ماحول کا عادی تھا تب ہی جو دل میں آیا فوراً کہہ دیا۔

"یہ تو تمہارے سامنے اتنی سیدھی بنی ہوئی ہیں دونوں ورنہ تو پورے گھر کو سر پر اٹھا کر رکھتی ہیں۔" یاسمین نے ان کے سامنے بھی انہیں نہ چھوڑا یہ بات ان دونوں کو ناگوار گزری۔

"ارے واہ..... سر پر اٹھا لیتی ہیں یہ؟" کاشف نے تعجب بھرے انداز میں کہا۔

"کیوں نہیں بھئی..... آخر زبید کی کزن ہیں۔" اس نے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

"بتایا نہیں آپ نے؟" اس نے دوبارہ استفسار کیا گیا۔

"ایسا کرو..... تم بیٹھ کر باتیں کرو، میں ذرا آرام کر لو۔" یاسمین اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ ذرا سہولت کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"بڑوں کی موجودگی میں بات کرتے ہوئے کتنی احتیاط کرنی پڑتی ہے ناں؟" زبید نے شریر لہجے میں کہا۔

"اور لڑکیوں کی موجودگی میں بھی۔" اس بار بولنے کی باری عبیرہ کی تھی جس پر دونوں لڑکوں نے ایک قہقہہ لگایا۔

"یعنی ہم پر اعتبار نہیں آپ دونوں کو؟" کاشف کی نگاہیں عبیرہ پر تھیں۔ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے تصدیق کی جس پر وہ ذرا سمٹے تھے۔

"بہت ہی مشکوک کزنز ہیں تمہاری۔"

"کوئی بات نہیں ان کا شک ابھی دور کر دیتے ہیں۔ سنیے مس عبیرہ اور مس فائزہ..... میرا نام زبید اشرف ہے، گورنمنٹ کالج سے ایم بی اے کیا ہے اگرچہ اپنا بزنس نہیں ہے مگر مستقبل میں اپنا ہی بزنس کرنے کا خواہش مند ہوں، فی الحال ایک انٹرنیشنل کمپنی کا مینیجر ہوں اور اچھا خاصا کما لیتا ہوں۔" اس نے اچھے سے اپنا تعارف کروا دیا۔

"اور آپ؟" فائزہ نے کاشف کو مخاطب کیا۔

"جی میرا کوئی خاص تعارف تو ہے نہیں۔ بس عام سا بندہ ہوں..... اپنے لیے ایک اچھا سا ہمسفر ڈھونڈ رہا ہوں۔" اس کا انداز فلسفیانہ تھا جس پر فائزہ نے حیرت کا مظاہرہ کیا جبکہ زبید مسکرا دیا۔

www.zemtime.com

"کیا ڈائیلاگ ہے آپ کا؟ کہیں آپ بھی تو میری طرح ڈائجسٹ کے شوقین تو نہیں۔" فائزہ نے جھٹ سوال پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ جسے جان کر وہ بہت خوش ہوئی۔

"اس عام سے بندے کا کوئی گھر بار بھی ہوگا، کوئی تعلیم وغیرہ بھی ہوگی یا پانچویں جماعت بھی پاس نہیں؟" عبیرہ نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتے سوال کیا جس پر وہ حیران رہ گیا۔ زبید کو بھی ایسے سوال کی امید نہ تھی۔

"شکر ہے جو میں نے صحیح سے اپنے بارے میں بتا دیا ورنہ مجھے جانے کیا کیا سننے کو ملتا؟ اب تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے فوراً اپنا تعارف کروا دو کہیں ایسا نہ ہو تمہارا بستر باہر اتنی سردی میں لگا دیں۔" زبید نے سرگوشی کی۔

"میرا نام کاشف حسن ہے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا ہے، اپنا چھوٹا سا بزنس ہے جس کا فی الحال میں ہی اکلوتا والی وارث ہوں، مستقبل میں اپنے اس بزنس کو انٹرنیشنل سطح پر لے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بس یہی ہے میرا تعارف ہے مختصر سا۔" اس نے آخر میں اپنے شانے اچکائے۔

"بزنس..... مگر کس چیز کا؟" اگلا سوال بھی عبیرہ کی ہی طرف سے آیا۔

"بے بی گارمنٹس کا۔"

"دیکھا میرا دوست کتنا عقل مند ہے۔ فیوچر میں اسے مشکل نہ ہو ابھی سے پلاننگ کر لی۔" زبید نے اچھے سے اس کی ٹانگ کھینچی جس پر وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"تو اس میں برائی کیا ہے؟ کم سے کم اپنا بزنس تو ہے، ویسے بھی انسان کا اپنا ہی بزنس ہونا چاہیے، کم سے کم کسی کی باتیں وغیرہ تو سننے کو نہیں ملتیں۔" عبیرہ نے کاشف کے حق میں جواب دیا۔

"واہ..... یعنی کزن کے دوست کو اتنی فوقیت کہ کزن کو ہی پچھاڑ کر رکھ دیا۔ یہ اچھی بات نہیں۔ کیوں فائزہ؟"

"اب اس میں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ مجھے تو اس بزنس اور کام شام سے دور ہی رکھیں۔" اس نے فوراً ہاتھ کھڑے کیے۔

"ہمارے بارے میں تو اچھے سے جان لیا۔ اب آپ بھی تو اپنے بارے میں بتائیں، آپ کو کیا پسند ہے، کیا خواب ہیں آپ کے؟" کاشف کے اس سوال نے ایک نئے رخ میں گفتگو کو ڈھالا، دونوں نے اپنے بارے میں اچھے سے حقیقت بیان کر دی۔ اس کے بعد یونہی ہنسی مذاق چلتا رہا اور باتوں ہی باتوں وہ سب ایک دوسرے کے اچھے دوست بن گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

صبح کی تازہ ہوا کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہو رہی تھی مگر وہ دونوں بے خبر نیند کے مزے لے رہے تھے۔ اگر دروازے پر دستک نہ ہوتی تو یقیناً ان کا اٹھنے کا ارادہ نہ تھا۔ زندگی میں شاید پہلی بار یا پھر ایک عرصے بعد ایسی پرسکون نیند سوئے تھے۔ آخر شہر میں کہاں ایسا سکون..... بناوٹی ماحول میں جیسے فضا بھی بناوٹی محسوس ہوتی تھی۔ سانس لو تو نہ ہی کوئی خوشبو اور نہ ہی کوئی احساس بس سانس لینے کا ایک ڈھونگ تھا جو وہ رچاتے آ رہے تھے مگر یہاں تو جیسے ایک ایک سانس میں تازگی بسی تھی، زندگی تھی۔ ایک عجیب سی خوشبو ان کو دوسرا سانس لینے پر بے قرار کر رہی تھی تب ہی نیند بھی پرسکون آئی تھی۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی تھی۔ اس بار کاشف نے کروٹ بدلتے ہوئے نیند میں ہی میز کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ادھر ادھر کسی شے کو ڈھونڈا۔ مطلوبہ شے تو ہاتھ نہ لگی البتہ پانی کا گلاس ضرور نیچے گرا جس کی آواز دروازے پر دی جانے والی دستک سے بھی زیادہ تھی۔

"کیا ہے، یار..... صبح صبح شور کیوں مچایا ہوا ہے؟" زبید کی نیند میں بھی خلل پڑا تھا۔

"الارم ڈھونڈ رہا ہوں۔ مل ہی نہیں رہا۔" وہ غنودگی میں بڑبڑایا۔

"یہ الارم نہیں..... دروازے کی دستک ہے۔" تیسری بار دروازے کی دستک ہوئی تو اس نے ایک پل کے لیے سر اٹھا کر مندی مندی آنکھوں سے دروازے کی طرف



www.zemtime.com

دیکھا۔

"دروازے پر دستک؟ تو دیکھ ناں یار۔" اس نے کروٹ بدل لی۔

"میں کیوں دیکھوں..... تو دیکھ..... تو نے پہلے سنی تھی یہ آواز۔" دونوں بڑے ہی کاہل واقع ہوئے تھے تب ہی ایک دوسرے کو حکم نامہ جاری کررہے تھے۔

"مگر آواز پہنچانی تو، تو نے ہے ناں اس لیے تو جا کر کھول دروازہ۔" اس نے اچھے سے کمبل کو منہ پر ڈھانپ لیا۔ اب نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہی دروازہ کھولنا تھا۔ کمبل کو سینے تک کھینچا اور لیٹے لیٹے ہی ایک لمبی انگڑائی لی۔ دستک دوبارہ سنائی دی تھی۔

"آرہا ہوں۔" جمائی لیتے ہوئے ٹانگیں بڑے ہی احتیاط کے ساتھ بستر سے نیچے لٹکائیں اور ڈھیلے قدموں کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولا تو وہاں فائزہ کھڑی تھی۔

"آپ ابھی تک سو رہے ہیں؟" اسے یہ سوال بے تکا لگا۔

"نہیں، جاگنے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"آپ مذاق کررہے ہیں؟" اس نے آنکھوں کو پھیلایا، چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

"تمہیں لگتا ہے میرا اور تمہارا مذاق ہے؟" دوسرے ہی دن اس کا مزاج بے تکلفانہ تھا۔ اسے اس کا انداز اچھا نہ لگا تب ہی کوئی جواب دیئے بغیر واپسی کے لیے پلٹی، اس کے چہرے کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے اس نے فوراً کہا۔

"ارے تم تو سیریس ہی ہوگئی، میں تو واقعی مذاق کررہا تھا کہو کیا کام ہے؟" اس جواب پر وہ پلٹی مگر چہرے پر پہلے کی سی رونق نہ تھی۔

"امی بلا رہی ہیں ناشتے کے لیے۔" اس نے مختصراً کہا۔

"ناشتہ وہ بھی اتنی جلدی..... کیا یہاں سورج کے طلوع ہوتے ہی ناشتہ کرلیا جاتا ہے؟" اس نے متحیر انداز میں پوچھا، ایک بار پھر اس نے جمائی لی۔

"سورج کو طلوع ہوئے بہت وقت بیت چکا ہے اور یہاں اسی وقت ناشتہ کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو بعد میں ناشتہ کرسکتے ہیں۔ امی کو یقیناً کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اس کے چہرے کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے لوٹنا شروع ہوئی، وہ جانے کے لیے پلٹی مگر اس نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ پہلی بار مردانا لمس کو اس نے اپنے اتنے قریب محسوس کیا تھا۔ وہ یک ٹک اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا تب ہی فوراً سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس سے بھی ایسا انجانے میں ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں کہا مگر وہ خاموش رہی اور ابھی تک اسی لمس کو اپنی کلائی پر محسوس کررہی تھی۔

"تم چلو..... ہم دونوں کچھ دیر میں آتے ہیں فریش ہوکر۔" اس نے کہا اور فی الفور دروازہ بند کردیا۔

دروازہ بند کرنے کے بعد وہ بھی اس احساس میں کھو چکا تھا۔ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا تو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ایسا احساس جو پہلے کبھی نہ ہوا تھا، جس کے بارے میں کبھی سنا نہ تھا، جسے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔

"کون تھا؟" کمبل کے اندر سے ہی اس نے پوچھا۔ اس نے چونک کر کاشف کی طرف دیکھا تو موصوف ابھی تک آرام فرما رہے تھے اور وہ بھی اس کی نیندیں اڑا کر مگر ایسا کہاں ممکن تھا؟ فوراً اس کے قریب آیا اور جھٹکے سے کمبل کھینچا۔ وہ بے چارہ اس حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھا اور کمبل کے ساتھ ساتھ خود بھی گھسٹتا ہوا زمین پر گرا۔

"آہ..... زبید کے بچے..... میری ہڈیاں توڑ کر رکھ دی تو نے۔" کمر پر ہاتھ رکھ کر اس نے منہ بگاڑا۔

"کانچ سی بنی ہڈیاں ہے تو نہیں تیری جو اتنی آسانی سے ٹوٹ گئیں۔ فوراً اٹھ جا نیچے خالہ ناشتے کے لیے بلا رہی ہیں۔ میں فریش ہوجاؤں۔ تم بھی ہوجانا بعد میں۔" کہتے ہی اس نے کمبل پھینکا اور واش روم میں گھس گیا۔

"ارے سوتے ہوئے کون ناشتہ کرتا ہے؟ نیچے جا کر

www.zemtime.com

کہہ دینا خالہ کو مجھے ابھی نیند آرہی ہے۔ میں نے نہیں کرنا ناشتہ۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے کمبل کھینچا اور وہیں زمین پر ہی دراز ہوگیا۔ فریش ہوکر وہ نکلا تو اس کو دوبارہ سویا ہوا پایا۔ جس پر وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

"تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں اگر یونہی سوتے رہے تو مجھے نہ کہنا کہ ناشتہ نہیں ملا۔" وہ شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ اپنے بالوں کو سنوارا اور باہر جانے سے پہلے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا موصوف نے اٹھنا تو درکنار جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا تھا۔

"سوتارہ..... میں نے بھی نہیں اٹھانا اب۔" اس نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا مگر مجال ہے جو اس نے ذرا بھی اثر قبول کیا ہو۔

ناشتے کی میز پر تینوں خواتین موجود تھیں اور بس انہی لڑکوں کا انتظار کررہی تھیں۔ زبید نے آتے ہی یاسمین کو سلام کیا جس کا جواب انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دیا۔ عبیرہ کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی جبکہ فائزہ ابھی تک اسی لمحے کے حصار میں تھی جسے وہ بھانپ چکا تھا اور اس نے نظریں چراتے ہوئے ناشتے کی طرف کی تو رات کے کھانے کی طرح ناشتہ بھی اس کا من چاہا تھا۔ گرم گرم بل دار پراٹھوں کے ساتھ آلو چنا، اچار اور دودھ بالائی والی چائے جس میں الائچی کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اگرچہ اسے پہلے بھوک نہ تھی مگر اب وہ کھانے سے اپنے آپ کو روک نہ پایا۔

"کاشف نہیں آیا؟" یاسمین نے کافی دیر گزر جانے کے بعد پوچھا۔

"میں یہاں ہوں۔" اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، وہ آموجود ہوا اور سلام کرتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"اب کیوں آئے؟ اب بھی نہ اٹھتے۔" اس نے سرگوشی کی۔

"کیوں..... سارا مزیدار ناشتہ خود ہی ہڑپ کرنے کا ارادہ تھا کیا؟" اس نے بھی سرگوشی میں ہی جواب دیا، یاسمین بھی ان کے ساتھ ناشتے میں شریک تھیں۔

"آپ دونوں کو ناشتے سے پرہیز ہے کیا؟" کاشف نے عبیرہ اور فائزہ کو بیٹھے دیکھا تو فوراً پوچھا۔

"نہیں پرہیز کی بات نہیں ہے اگر کسی شے کی ضرورت ہوئی تو....." عبیرہ نے جواب دیا۔

"میرا نہیں خیال..... ان سب چیزوں کے بعد کسی چیز کی مزید ضرورت ہوگی، آپ بھی ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک ہوسکتی ہیں۔ یقین مانیں، اتنا سب کچھ ہم سے اکیلے نہیں کھایا جائے گا۔" اس نے ہلکا پھلکا مزاح کی طرف بات کا رخ بدلا جس پر سب کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی سوائے فائزہ کے۔

"اب تمہیں کیا ہوا؟" یاسمین نے اس کے کھوئے ہونے کا جواز جاننا چاہا جس پر زبید کو ایک زبردست ہچکی آئی اور نوالہ جیسے گلے میں ہی اٹک کر رہ گیا۔

"آرام سے یار..... ناشتہ کہیں بھاگا نہیں جارہا۔" کاشف کی بات کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے عبیرہ نے پانی کا گلاس زبید کی طرف بڑھایا جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" یہ کہتے ہی وہ وہاں سے چلی گئی۔ یاسمین نے ابرو اچکاتے ہوئے عبیرہ کی طرف دیکھا مگر اس نے انجان ہونے کا اشارہ کیا۔ زبید یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا مگر انجان بنے ناشتے میں مصروف رہا اور جواز بتانے سے گریز کیا۔

☆.....☆.....☆

آج اس وادی میں ان کا پہلا دن تھا اگرچہ زبید بچپن میں یہاں آتا رہا تھا مگر ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پہلی بار یہاں آیا تھا۔ اسی لیے یہاں آکر ہر شے کاشف کی طرف اس کے لیے بھی بالکل نئی تھی۔ جس طرح کاشف میں اس وادی کو گھومنے کا کریز تھا بالکل اسی طرح اس میں بھی تھا۔ یاسمین تو ہمیشہ کی طرح ہال میں اپنی کریشہ کی چیزیں لے کر بیٹھ گئی جبکہ دونوں لڑکیوں نے کچن کا کام



www.zemtime.com

جلدی سے سمیٹ لیا تھا۔

"خالہ میں اور کاشف باہر گھومنے جا رہے ہیں۔" زبید نے گاڑی کی چین کو انگلی میں گھما کر کہا، یاسمین نے عینک کو ناک سے ذرا نیچے کی طرف کھسکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"بیٹا کل بہت تیز بارش ہوئی ہے، سڑکیں تو ویسے بھی یہاں پھسلن ہیں، بارش نے مزید پھسلن بنا دیا ہوگا۔ میرا نہیں خیال کار میں تمہارا گھومنا ٹھیک رہے گا۔" انہوں نے اپنی رائے دی جس پر کاشف نے سر ہلایا۔

"جی امی..... علی بتا رہا تھا کہ مین سڑک پر کل رات ایک حادثہ بھی ہوا ہے، بے چارہ ڈرائیور فوری جاں بحق ہوگیا۔" عبیرہ نے آخری پلیٹ کو صاف کر کے سلیب پر رکھا، زبید نے اس طرف دیکھا تو اپنے سے بے گانہ پایا۔

"یعنی نکلنے سے پہلے ہی بددعائیں دی جا رہی ہیں۔" اس نے شریر لہجے میں کہا۔

"نہیں بیٹا..... بددعا نہیں، احتیاط کہتے ہیں اسے، ویسے بھی تم یہاں نئے ہو، یہاں کی سڑکیں شہر کی طرح نہیں۔ جیسے چاہا گاڑی چلا لی۔ یہاں بہت مہارت چاہیے ہوتی ہے۔ میری مانو آج رہنے دو ہاں اگر تمہارا کافی دل چاہ رہا ہے تو کار کی بجائے پیدل گھوم آؤ۔" اس نے دونوں کے چہروں کے تاثر بھانپ لیے تھے۔ جس پر کاشف فوری طور پر رضامند ہوگیا البتہ زبید پیدل چلنے کے حق میں نہ تھا۔

"اتنی وسیع وادی کی سیر..... وہ بھی پیدل کرنا میرے خیال سے امپاسیبل ہے۔" زبید نے اپنی رائے دی۔

"جی نہیں..... ناممکن کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر آپ پیدل چلنے سے گھبراتے ہیں تو الگ بات ہے۔" ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ باہر آئی، ادھر فائزہ نے بھی صاف ستھرائی کے لیے جھاڑو سنبھال لی تھی۔

"میں گھبراؤں..... یہ اس سے بھی زیادہ امپاسیبل ہے۔" اس نے اپنا پلڑا جھکنے نہ دیا۔

"یہ پاسیبل اور امپاسیبل مشن میرے خیال سے بعد میں بھی جاری رکھا جا سکتا ہے۔ فی الحال ہمیں چلنا چاہیے۔" کاشف نے دونوں کی تکرار میں مداخلت کی۔

"میں نے تو نہیں روکا..... چلو چلتے ہیں۔" اپنے اوپر وہ بات کیسے آنے دے سکتا تھا، فی الفور چلنے کی حامی بھری۔ دونوں ابھی دہلیز کے پاس ہی پہنچے تھے کہ کاشف نے پلٹ کر عبیرہ کی طرف دیکھا جو یاسمین کے پاس بیٹھی تھی۔ انگلی کو بے مقصد زمین پر پھیرتے ہوئے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"عبیرہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ناں۔" کاشف کی بات پر وہ چونکی۔ فائزہ نے بھی صفائی کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ جسے وہ فوراً سمجھ گیا۔

"خالہ ہم جلدی آجائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" وہ اچھے سے جانتا تھا یاسمین کی اجازت کے بنا وہ نہیں جائے گی۔ یاسمین نے بھی بنا سوچے سمجھے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مگر امی..... میں..... میں کیا کروں گی؟ ایسا کریں فائزہ کو بھی بھیج دیں۔" اس نے بھی فوراً تجویز دی۔

"ٹھیک ہے..... تم دونوں جاؤ۔ ہاں، جلدی آنے کی کوشش کرنا۔ مجھے یہ چادر مکمل کرنے کے بعد شاہین کے پاس جانا ہے۔ پیچھے گھر اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔" تلقین کرتے ہوئے کہا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ فائزہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر لے آئی۔

"زبردست....." زبید نے کاشف کے شانوں کو تھپتھپایا۔

☆.....☆.....☆

چلتے ہوئے وہ سب نہر کے پاس پہنچ گئے تھے۔ زبید اور کاشف دونوں آگے آگے تھے جبکہ دونوں بہنیں پیچھے، اپنے سر کو دوپٹے سے ڈھانپے وہ پورے احتیاط کے ساتھ چل رہی تھیں مگر چلنا کافی محال تھا۔ کل کی بارش کی وجہ سے جگہ جگہ کیچڑ تھی۔ اگرچہ وہ ان سب کی عادی تھیں مگر کبھی ایسے حالات میں باہر نہ نکلی تھیں۔



www.zemtime.com

"میرا خیال ہے خالہ نے ہمیں جلدی گھر لوٹنے کا کہا تھا مگر تم دونوں کی رفتار دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے ان کا فرمان پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔" زبید نے پلٹ کر قدرے اونچے لہجے میں کہا۔

"آپ کو بہت فکر ہے امی کے قول کی؟" عبیرہ نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا جس کا جواب دینا شاید اس نے مناسب نہ سمجھا اور کاشف کے ساتھ آگے کی راہ لی۔

"میں صبح سے دیکھ رہی ہوں تم کچھ بول ہی نہیں رہی، خیریت تو ہے ناں؟" عبیرہ نے اس کی خاموشی بھانپ لی جس پر اس نے جھرجھری لی۔

"نہیں تو..... ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے مختصر کہا۔

"کہیں تمہارا ڈائجسٹ ختم تو نہیں ہوگیا؟ کیونکہ اکثر تمہیں کہانیاں پڑھنے کو نہ ملیں تب ہی ایسا ری ایکٹ کرتی ہو۔" اس نے خود سے اندازہ لگایا مگر وہ خاموش رہی۔

"یا پھر تمہارے ہیرو کی موت تو نہیں ہوگی۔" یہ دوسرا انداز تھا جس پر وہ گڑبڑائی۔

"نن..... نہیں۔" نجانے یہ الفاظ بے ساختہ زبان سے جاری ہوئے تھے۔ عبیرہ جان نہیں سکی اور وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ نگاہوں میں اب تک وہی منظر تھا جب زبید نے اس کی کلائی کو پکڑا تھا۔ کیسا خوشگوار احساس تھا؟ وہ اسی احساس میں کھوئی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں جھرنے کے اس پار جانا چاہیے۔" وہ ٹھنڈے وشفاف پانی کے جھرنے کے مقابل تھے۔ ہوا کے سنگ ہلکی ہلکی بوندیں بھی ان کے چہرے سے مس ہو رہی تھیں۔

"مگر وہاں جانے کا کوئی راستہ نہیں۔" عبیرہ نے زبید کی بات پر کہا۔

"شاید تم نے دیکھا نہیں..... یہ لکڑی کا پل ہے۔ یہ کس کام آئے گا؟" اس نے ایک فرلانگ فاصلے پر لکڑی کے تختے کی طرف اشارہ کیا جو شاید کل کی بارش میں گر چکا تھا۔ کاشف نے فوراً حامی بھری۔ شروع میں دونوں نے منع کرنا چاہا مگر ان کی ضد کے آگے بے بس رہیں۔

"پہلے تم دونوں اس پار جاؤ۔ ہم بھی پیچھے پیچھے آتے ہیں۔" زبید نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں آگے بڑھنے کو کہا۔

"نہیں..... نہیں..... مجھے ڈر لگتا ہے، میں نہیں جانے والی۔" ایک لمبے وقفے کے بعد فائزہ بولی اور قدم پیچھے کر لیے۔

"اب اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے؟ بس چار قدم ہی تو چلنے ہیں اس پل پر۔" زبید نے کہا۔

"مگر مجھے ڈر لگتا ہے، میں نہیں جا رہی۔" وہ اپنی بات پر قائم رہی۔ ایک بار پھر زبید نے اس کی کلائی پکڑی۔ وہی احساس ایک بار پھر جسم میں سرایت کرنے لگا تھا۔

"اگر ڈر لگ رہا ہے تو میں تمہارے ساتھ اس جھرنے کو پار کرتا ہوں..... تب تو ڈر نہیں لگے گا ناں؟" شائستہ لہجے میں جانے کیا سحر تھا۔ اس نے دھیرے سے ہاں میں سر ہلا دیا۔

وہ دونوں ہاتھوں کو ہوا میں لہراتے سبک رفتاری سے جھرنا پار کر رہے تھے۔ اس کے پیچھے ہی فائزہ تھی جو اگرچہ ابھی تک ڈر رہی تھی مگر جانے کیوں اس کے لمس نے اس کے اندر کے ڈر کو ماند کر دیا تھا۔

"دیکھا..... کچھ بھی نہیں ہوا۔ تم بلاوجہ ڈر رہی تھی۔" اس پار پہنچنے کے بعد وہ مسکرا کر بولا، وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے کافی دیر دیکھتی رہی۔

"اب تم بھی آجاؤ۔" اس نے بلند آواز میں کاشف سے کہا۔ جھرنے کے شور میں دوسری طرف آواز مشکل سے جا رہی تھی۔ اس نے اشارے سے جواب دیا۔

"پہلے آپ چلیں۔" کاشف نے عبیرہ کو پیشکش کی، وہ مسکرائی اور اپنا قدم تختہ پر رکھا ہی تھا کہ ایک پانی کا بھنور تیزی سے وہاں آیا اور تختہ کو بہا کر آگے نکل گیا۔ عبیرہ بھی گرتے گرتے بچی تھی۔

"ٹھیک تو ہے ناں آپ؟" کاشف نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ فائزہ کی بھی جان نکل گئی تھی۔

"جی..... شکریہ۔" اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے



www.zemtime.com

ہوئے دوپٹے کو صحیح کیا جو دفعتاً سر سے کندھوں پر آ گیا تھا۔

"یہ کیا واپسی کا راستہ ہی نہیں رہا..... اب ہم وہاں کیسے جائیں گے؟" فائزہ کو ایسا لگا جیسے وہ بری طرح پھنس چکی ہے تب ہی چہرے پر افسردگی نے جنم لیا تھا۔ اس نے پہلی بار اسے ایسے پریشان دیکھا تھا۔

"میں نے پہلے ہی آپ کو کہا تھا کہ مجھے یہاں نہیں آنا مگر آپ نے میری ایک نہیں سنی۔ اب دیکھا انجام کیا ہوا؟ ہم بری طرح یہاں پھنس چکے ہیں۔ دور دور تک کوئی پل بھی دیکھائی نہیں دے رہا۔ اب کیسے جائیں گے ہم اس طرف؟" اس نے پہلی بار اسے اتنا کچھ کہتے سنا تھا۔ تب ہی کافی حیران تھا۔

"اگر دیر ہوگئی تو امی بھی پریشان ہو جائیں گی اور اگر کل کی طرح بارش شروع ہوگئی تو؟ یہاں تو کوئی گھر بھی نہیں ہے جہاں بندہ تھوڑی دیر کے رک ہی جائے۔" خفت کے ساتھ وہ بول رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے بھی تشویش ہوئی تب ہی اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"دیکھو..... ہم جانے کا کوئی اور راستہ ڈھونڈ لیں گے۔"

"ڈھونڈ لیں گے سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ ڈھونڈیں ابھی اور اسی وقت۔" اس نے حکم نامہ جاری کیا جس پر وہ چونکنے کے ساتھ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ فائزہ کا یہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ بچپن میں بھی وہ اکثر ایسے ہی بولتی تھی۔ جب بولتی تو چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ زبید کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

"یہاں میں پریشان ہوں اور آپ مسکرا رہے ہیں۔" اسے بہت برا لگا۔

"سوری..... جانے کیوں مجھے تمہاری باتوں پر ہنسی آرہی ہے۔" اس بار وہ کھل کر ہنس دیا۔ اسے بھی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا تب ہی چہرے کے تاثرات کو بحال کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو مطمئن کیا۔

"میرے خیال سے ہمیں اس طرف جا کر دیکھنا چاہیے۔ شاید وہاں کوئی راستہ ہو۔" وہ بائیں جانب چل دیئے۔

"اب یہ کہاں جا رہے ہیں؟" پانی کا شور اس قدر تھا کہ دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو ان کی سماعت تک نہ پہنچ پا رہی تھی۔ تب ہی ان کو بائیں جانب جاتا دیکھ کر وہ پریشان ہوئے۔

"اس طرف تو جنگل ہے اور جھرنا بھی نہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔" عبیرہ پریشان ہوئی۔

"تو اس میں گھبرانے والی بات کیا ہے؟ نہر پر تو اکثر پل ہوتے ہیں۔" کاشف نے اندازہ لگایا۔

"نہیں..... اس طرف پل نہیں ہے، میں سب سے چھپ کر اکثر وہاں گئی ہوں۔" اس نے بے دھیانی میں راز کی بات کہہ دی جس پر وہ خاصا حیران ہوا۔

"چھپ کر؟" اس کا انداز استفہامیہ تھا۔

"ہاں..... دراصل امی مجھے اکیلا دور جانے نہیں دیتی ناں۔" اس نے بات سنبھالی۔

"اور تمہیں جنگل دیکھنے کا اشتیاق رہتا ہے۔" اس نے ادھورا جملہ مکمل کیا جس پر اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

"تو اب کیا کریں؟" کچھ پل توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

"ایسا کرتے ہیں ہم دوسری طرف سے چلتے ہیں۔ وہاں پر پل بھی ہے اور ہم شاید ان تک پہنچ بھی جائیں۔" وہ اسی جگہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ جہاں وہ اکثر بیٹھ کر بچپن کے دنوں کو یاد کرتی تھی۔

"تو پھر جلدی کرو۔ اس سے پہلے کہ موسم خراب ہو جائے۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں اب بھی سرمئی بادلوں کا راج تھا۔ دونوں تیز قدموں کے ساتھ دائیں جانب بڑھے، کچھ ہی دیر میں دونوں اسی پل پر تھے جہاں دونوں کل ملے تھے۔

"یہ تو پل خاصا کمزور ہے۔" کاشف نے پہلی نگاہ ڈالتے ہی کہا۔

"نہیں..... ایسا نہیں ہے۔ کل بارش کی وجہ سے ایسا ہوا تھا ورنہ میں تو اکثر یہاں آجایا کرتی ہوں۔" اس نے



www.zemtime.com

کاشف کے شک کو دور کرتے ہوئے کہا۔ فائزہ کے بالکل الٹ یہاں عبیرہ نے آگے چلنا مناسب سمجھا، آج بھی قدم لڑکھڑائے مگر وہ انہیں سنبھالنا خوب جانتی تھی۔

"آپ تو بہت ماہر ہیں، لگتا ہے آپ کا مشغلہ ہے یہ۔" اس نے داد دی اور جواب میں وہ بھی مسکرادی۔

"بالکل..... مجھے دراصل اس جنگل سے بہت لگاؤ ہے، امی تو بہت منع کرتی ہیں مگر میں ان کی ایک نہیں سنتی اور جب بھی بوریت محسوس ہوتی یا پھر دل ہر شے سے اچاٹ ہونے لگتا ہے تو میں یہاں آجایا کرتی ہوں۔ مجھے یہاں آکر بہت اچھا لگتا ہے۔" وہ اب نہر پار کرچکی تھی۔ اس کے پیچھے کاشف تھا۔ آج اس کا پاؤں پھسلنے والا تھا مگر اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا تھا۔

"سنبھال کر..... یہ لکڑی بہت پھسلن ہے اور نمی نے اس کو بڑھاوا دے دیا ہے۔" اس نے کہا۔

"شکریہ۔" کاشف مسکرایا۔

"شکریہ کی کیا بات ہے؟ کل آپ نے مجھے گرنے سے بچایا تھا اور آج میں نے آپ کا قرض لٹا دیا۔" اس نے حاضر دماغی سے کام لیا اور آگے کی طرف بڑھی۔

"آپ کو یہاں کیا اچھا لگتا ہے؟" اس نے جنگل کی طرف دیکھا تو کوئی غیر معمولی شے نظر نہ آئی۔

"اچھے لگنے کے لیے کسی شے کا ہونا ضروری نہیں ہوتا، دراصل یہ جگہ میرے لیے بچپن سے ہی اہم ہے، آپ کو شاید زبید نے نہ بتایا ہو۔" اس کے منہ سے پہلی بار زبید کا نام سن کر وہ خاصا حیران ہوا۔ دل میں ایک خلش بھی ابھرنے لگی تھی مگر وہ اس کا کزن تھا۔ تب ہی نظر انداز کرتے ہوئے اس کی بات سننے لگا۔

"ہم بچپن میں یہاں اکثر کھیلنے آتے تھے۔ فائزہ اور کرن تو گھر میں ہی گڈے اور گڑیا سے کھیلتیں مگر ہم دونوں سب سے چھپ چھپا کر یہاں نہر کے اس پار جنگل کے پاس آکر خوب کھیلتے..... کبھی آنکھ مچولی، کبھی ایک دوسرے کو پکڑتے تو کبھی دیوہیکل شاہ بلوط سے گرتے پتوں کو نیچے زمین پر گرنے سے روکتے۔" وہ پرانے دنوں میں کھو چکی تھی۔ لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔ قدم منجمد ہوئے۔ وہ اس کی کیفیت بھانپ چکا تھا۔ تب ہی چٹکی بجا کر خوابوں کے تسلسل کو توڑا۔

"میرا خیال ہے آپ خواب بہت دیکھتی ہیں۔" اس نے اندازہ لگایا جس پر وہ مسکرادی۔

"بالکل..... آپ کہہ سکتے ہیں، مجھے خوابوں میں جینا اچھا لگتا ہے۔ فائزہ ہر وقت اپنی کہانیوں میں گھسی رہتی ہے، امی کڑھائی میں وقت کاٹتی ہیں۔ بچی میں..... میں نت نئے خواب بنتی رہتی ہوں۔" اس نے تفصیل سے اپنے بارے میں بتایا۔

"اچھا..... کیا، کیا آپ نے خواب بنے ہیں اب تک اگر آپ کو برا نہ لگے تو بتانا پسند کریں گی؟"

"میں نے سنا ہے کہ خواب اگر بتادیے جائیں تو پورے نہیں ہوتے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور قدم آگے بڑھائے۔

"یعنی آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے خواب پورے ہوں۔" اس نے وہی معنی لیا جو کوئی بھی اخذ کرسکتا تھا۔

"کہہ سکتے ہیں، ویسے آپ میرے بارے میں ہی پوچھ رہے ہیں کچھ اپنے بارے میں بھی بتائیں۔" اپنی ذات کو موضوع بنتا دیکھ کر اس نے بات کا رخ بدلا۔

"رات بتایا تو تھا آپ کو اور میرے بارے میں کیا جاننا چاہیں گی آپ؟" اس نے فیصلہ اس پر چھوڑا، وہ رکی اور سوچتے ہوئے یک دم پلٹی۔

"آپ یہاں شادی کے لیے آئے ہیں؟" جانے کیوں اس نے یہ بات پوچھی، بعد میں اسے شرمندگی بھی ہوئی۔ شاید اسے ایسا نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ وہ بھی اس سے ایسے سوال کی توقع نہیں کررہا تھا تب ہی ایک پل کو حیران دیکھائی دیا۔

"اگر برا لگا تو سوری۔" دفعتاً اس نے نظریں چراتے ہوئے آگے کی راہ لی۔

"نہیں..... آپ کو سوری کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر سچ پوچھیں تو پہلے تو ارادہ بالکل نہیں تھا مگر اب ارادہ بن رہا

www.zemtime.com

ہے کہ سسرال ایسی ہی حسین وادی میں ہونا چاہیے۔" اس نے گھما پھرا کر جواب دیا، جانے کیوں یہ سن کر اس کے دل کو ایک تسکین حاصل ہوئی، وہ ایک لمحے کو رکی۔ گہری سانس لی، پلکیں جھپکیں تو زبید کو اپنے قریب پایا۔ اس کے تمام تر شبہات دور ہو چکے تھے۔

"امی نے شہر سے رشتہ آنے کا کہا تھا۔" اس نے خود سے کہا۔ "اگر زبید کا ہوتا تو امی ڈائریکٹ نام لیتیں۔" وہ مسکرادی۔

"آپ خوابوں میں مسکراتی بھی ہیں؟" وہ کب اس کے سامنے کھڑا اسے بغور دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ تسلسل ٹوٹا تو وہ اپنے دراز قد کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔ چہرے پر وہی مسکراہٹ، وہی شائستہ انداز لیے وہ پوری یکسوئی سے اسے سن رہا تھا۔

"میرے خیال سے ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہوں وہ دونوں بہت دور نکل جائیں اور ان تک پہنچنا مشکل ہو جائے۔" وہ اس کے بائیں جانب سے آگے نکلی۔ اس ادا پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ دونوں چل رہے تھے۔ کافی دیر تک خاموشی رہی جو زبید کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔

"میرے خیال سے آپس میں اگر بات چیت کی جائے تو وقت آسانی کٹ جائے گا کیونکہ کہتے ہیں ناں اگر ہمسفر اچھا ہو تو زندگی کا پتا ہی نہیں چلتا۔" اس نے مسکرا کر معنی خیزی سے کہا جس پر وہ چونکی۔ معاملے کو کسی حد تک تو سمجھ ہی چکی تھی مگر بات واضح نہ ہوئی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ دھیرے سے بولی۔ دوپٹا اس کے سر پر تھا جو ہوا کے جھونکے سے کندھوں پر آ گرا ساتھ ہی بال بھی ہوا میں لہرانے لگے تھے اس نے فوراً بالوں کو جوڑے کی شکل دینی چاہی تو اس نے ٹوک دیا۔ جسے مجبوراً اس نے سر پر ڈھانپنا چاہا تھا۔

"رہنے دو..... کھلے بال بھی اچھے لگتے ہیں۔" اس نے ایک دن میں تیسری بار اس کی کلائی کو پکڑا تھا۔ وہ دم بخود رہ گئی۔

"مگر مجھے عجیب فیل ہو رہا ہے۔" اس نے وجہ بتائی اور جوڑا بنا کر دوپٹا اوڑھ لیا۔

"اچھا..... مرضی ہے تمہاری، ویسے ایک بات بتاتا چلوں کہ ہم کل واپس جا رہے ہیں۔" اس کی بات پہ وہ بری طرح چونکی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر زبردست وار کیا ہو۔

"پروگرام تو ایک ہفتہ رہنے کا تھا مگر میں سوچ رہا ہوں کہ اتنے دن یہاں بلاوجہ گزارنے کا کیا فائدہ؟ واپسی کی جتنی جلدی راہ لی جائے اتنا ہی اچھا ہے۔" اس نے جیسے اس کے دل پر چھریاں چلائی تھی۔ پہلے خود اس کے دل میں احساس کو اجاگر کیا اور اب خود ہی واپسی کی باتیں کر کے اس کے وجود کو چھلنی کرنے لگا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بھیگتی چلی گئیں۔ دل کے اندر ایک انجانے سے دکھ نے کروٹ لی تھی۔

"کیا ہوا، تم کچھ بول نہیں رہی؟" اس نے فائزہ کی خاموشی کو محسوس کیا۔

"بولنے کے لیے اب بچا ہی کیا ہے؟" ایک آہ دل سے نکلی، وہ فوراً آگے بڑھا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ رو رہی ہے، تب ہی تھوڑی سے چھو کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ اس کا شک صحیح ثابت ہوا۔ اس کی پلکیں نم تھیں۔

"یہ کیا..... تمہاری آنکھوں میں آنسو؟" اس کے انداز میں فکر نمایاں تھی۔

"نہیں تو..... یہ ہوا چل رہی ہے ناں..... مٹی کا ذرہ آنکھوں میں چلا گیا ہے۔ بس اسی لیے۔" اس نے بناوٹی انداز اپنایا مگر وہ بچہ تو تھا نہیں جو مٹی کے ذرے سے ابھرنے والے اور حقیقی آنسو میں فرق محسوس نہ کر سکے۔

"کبھی کبھی یہ ذرات بھی بے وقت آنکھوں میں آجاتے ہیں ناں؟" اس نے مسکرانا چاہا مگر مسکراہٹ تو جیسے اس سے روٹھ چکی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ حقیقی آنسو ہیں، اب ان کی وجہ بھی



www.zemtime.com

بتاؤ ورنہ میں خالہ کو بتادوں گا سب سچ سچ۔" اس نے دھمکی آمیز لہجہ اپنایا۔

"کہا ناں..... بس ویسے ہی، آپ بلا وجہ پریشان ہو رہے ہیں۔" اس نے پہلی بار اس کے چہرے پر اپنے لیے پریشانی دیکھی۔

"بلاوجہ پریشان نہیں ہو رہا، تم میرے جانے والی بات پر اپ سیٹ ہوئی ہو؟" وہ خود ہی اندازہ لگا کر اس کی خاموشی پہ فوراً بولا۔

"یعنی میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔" وہ مسکرایا۔

"اندازہ..... کیسا اندازہ؟" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یعنی کہ تم نہیں چاہتی کہ میں ابھی یہاں سے جاؤں۔" اس نے اصل بات سامنے رکھ دی۔ اس کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔

"نہیں..... آپ غلط سوچ رہے ہیں۔"

"یعنی تم چاہتی ہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟" وہ اس کے انداز سے خوب محفوظ ہو رہا تھا۔ دونوں بازوؤں کو سینے پر لپیٹے وہ یک ٹک اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کہا۔" وہ اس کے لفظوں کے جال میں بری طرح پھنس چکی تھی۔ بے چارگی کے ساتھ اپنی انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے اپنے اضطراب کو کم کرنا چاہا۔

"تم یہ بھی نہیں چاہتی کہ میں یہاں سے جاؤں اور روکنا بھی نہیں چاہتی تو پھر چاہتی کیا ہو؟" اس نے اس کے گرد چکر لگاتے ہوئے کہا، وہ شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"میرے خیال سے امی انتظار کر رہی ہوں گی۔ ہمیں واپسی کا راستہ جلد سے جلد ڈھونڈنا چاہیے۔" اس نے بات کا رخ بدلا جس پر وہ مسکرا دیا۔

"مگر مجھے تو یہاں کوئی راستہ نہیں دکھائی دے رہا۔ لگتا ہے آج کی رات ہمیں یہاں اکیلے ہی جنگل میں گزارنی پڑے گی۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ وہ دفعتاً پلٹی۔

"نہیں..... کبھی نہیں۔" اس نے فوراً تردید کی اور دائیں بائیں دیکھا، کسی پل پالکڑی کے ستون کو مگر دور دور تک کوئی ایسی شے دکھائی نہ دی جو انہیں دوسرے کنارے پر لے جائے۔

"اگر واپسی کی راہ ملے تو مجھے ضرور بتانا..... میں یہاں کچھ دیر آرام کر رہا ہوں۔" وہ اس کی کیفیت سے اب حظ اٹھا رہا تھا۔ تب ہی ایک درخت تلے وہ ٹانگیں پھیلائے بیٹھ گیا۔ یہ بات اسے ایک آنکھ نہ بھائی مگر بے بس تھی۔ نہ کچھ کہہ سکتی تھی اور نہ ہی کچھ کر سکتی تھی۔ کافی دیر یونہی بیت گئی جب کچھ بھی ہاتھ نہ لگا تو اس کے پاس آئی۔

"آپ کچھ کرتے کیوں نہیں، یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ گئے۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"تو اور کیا کروں؟ تم تو یہاں بچپن سے ہو، تمہیں معلوم ہوگا کہ واپسی کا کوئی دوسرا راستہ ہے بھی یا نہیں؟" اس نے دوٹوک انداز میں کہا اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس بھی نہ ہوا۔

"مجھے کہاں معلوم؟ میں تو اپنے ڈائجسٹ سے ہی باہر نہیں نکلی کبھی۔ ہاں عبیرہ اگر ہوتی تو اسے لازمی معلوم ہوتا، وہی ایسی جگہوں پہ آتی ہے۔" اس نے زیر لب کہا اور پھر بے چارگی کے ساتھ سامنے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل بری طرح اچاٹ ہو چکا تھا۔ وہ کافی دیر تو اسے یوں بیٹھا دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر اس کے بالکل پاس آ بیٹھا۔ ہاتھ میں کچھ کنکریاں تھیں جسے وہ پانی میں پھینک رہا تھا۔

"ویسے خالہ نے تم سے بات کی تھی ناں؟" وہ اب سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا مگر وہ انجان بننے کا ڈراما کر رہی تھی۔

"بات..... کون سی بات؟" اس نے شانے اچکائے۔

"کیا مطلب تمہیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" اس نے متحیر انداز میں اس کی طرف دیکھا جو بہتے پانی کو دیکھ رہی تھی۔



www.zemtime.com

"سیر و تفریح کے لیے۔" اس نے لاپروائی سے جھوٹ بولا، دل کو ایک عجیب سے احساس نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ دھیرے سے اس کے سامنے ہوا۔

"مگر مجھے ایسا نہیں لگتا کہ تمہیں بات کا پتا نہ ہو۔" وہ بھی اس کے منہ سے سننے کا خواہ تھا۔ آنچل کو انگلیوں پہ لپیٹتے ہوئے وہ اٹھی اور چار قدم کے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔ وہ مسکرایا۔

"یعنی تمہیں بخوبی علم ہے۔ اگر علم ہے تو کیا میں تمہاری مرضی جان سکتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم کوئی فیصلہ کسی دباؤ میں آ کر کرو۔" اس کے الفاظ مسلسل اس کے دل کا حصہ بنتے جا رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ جیسے ایک حسین خواب کے زیر اثر ہو اور آنکھ کھلنے پر منظر کے بدل جانے سے ڈرتی ہو۔

"اگر تم کچھ نہیں کہو گی تو میں سمجھ نہیں سکوں گا کیونکہ ماما اکثر مجھے کہتی ہیں کہ میں چہرہ پڑھنے میں ناکام رہتا ہوں۔ اب اگر تمہاری خاموشی کا میں غلط مطلب لے گیا تو؟ اس لیے تمہیں بول کر ہی بتانا ہوگا۔ ہاں اگر تم منع بھی کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہر انسان کو اپنی زندگی جینے کا پورا حق ہے۔ تمہیں بھی ہے کہ تم اپنے لیے اس کو چنو جس کو تم چاہتی ہو۔ اسے نہ تو بداخلاقی کہا جاتا ہے اور نہ ہی ہمارا مذہب اس سے منع کرتا ہے۔" وہ اب بھی اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم کچھ نہیں بولو گی تو میں ابھی جا کر خالہ کو منع کر دیتا ہوں۔" اس نے فقط اتنا ہی کہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی سانس کھینچ لی ہو وہ فوراً پلٹی۔ ہاتھ بڑھا کر اس کو روکا۔

"مجھے امی کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ جو کریں گی، میری بہتری کے لیے ہوگا۔" تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اس نے جواب دیا جس پر وہ مسکرا دیا۔ گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی جہاں حیا کے رنگ تھے۔ وہ نگاہیں جھکائے جانے زمین پر کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ اپنی بے چینی کو چھپانے سعی کر رہی تھی۔

"ماشاءاللہ..... کیا اخلاق سے بھرپور جواب دیا ہے۔" اس نے تمسخرانہ کہا یا مذاق کیا تھا؟ وہ الجھی الجھی دیکھائی دی۔

"مجھے اچھا لگا۔" دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک در آئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت تھم چکا ہو اور وہ ساری دنیا سے الگ تھلگ ایک انجان وادی میں کھڑے ہوں۔ جہاں کوئی نہ ہو، بس وہ تھی اور زبید مگر ان حسین لمحوں کے بھی ٹوٹنے کا انتظام ہو چکا تھا۔

"فائزہ....." دور سے عبیرہ کی آواز پر دونوں کا تسلسل ٹوٹا۔ نگاہیں جو آپس میں جانے کیا کیا راز و نیاز کی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک دوسرے سے غافل ہوئیں۔ عبیرہ کی آواز پر وہ اس کے عین قریب سے گزری تھی۔

"کباب میں ہڈی بننے کا لوگ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔" اسے یوں اچانک سے ان کا یہاں آنا بالکل اچھا نہ لگا تب ہی بڑبڑایا۔ کاشف بھی ان کو دیکھ کر خوش ہوا۔

"یار..... کتنی دور آ گئے۔ بندہ ایک دو پل کے لیے کہیں ٹھہر ہی جاتا ہے۔" کاشف نے گلہ کیا۔

"ٹھہر ہی تو گئے تھے ہم ورنہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے۔" اس نے ذومعنی لہجے میں کہا، نگاہیں یک ٹک فائزہ کے وجود پر تھیں جس کا مطلب کاشف نہ سمجھ سکا۔

"یہ بتا تجھے اتنی جلدی آنے کی کیا ضرورت تھی؟ تھوڑی دیر بعد نہیں آ سکتا تھا۔" اس نے دھیمے لفظوں میں اسے اچھے سے جھاڑا۔

"یار..... ہمیں فکر تھی تیری..... اویں اس وادی میں گم ہو جاتا تو؟" اس جملے پر سب مسکرا دیئے مگر فائزہ کے مسکرانے کی وجہ تو کچھ اور ہی تھی جس کا مطلب زبید جانتا تھا۔

"اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" عبیرہ کے کہنے پر فائزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔



www.zemtime.com

سب نے اب واپسی کی راہ لی۔ راستے میں دونوں دوستوں میں کئی باتیں ہوتی رہیں جبکہ عبیرہ، فائزہ سے اس کا احوال ہی پوچھتی رہی مگر وہ خاموش رہی۔ اپنی اور زبید کی گفتگو کے بارے اسے آگاہ نہ کیا۔

گھر پہنچنے پر انہیں ایک دھچکا لگا جیسے ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو یاسمین کو زمین پر بے سود پڑا پایا تھا۔ یہ دیکھ کر عبیرہ اور فائزہ کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔

"امی.....!" یک زباں پکارتے ہوئے وہ دونوں اس کی طرف دوڑیں۔ کاشف اور زبید بھی فکر مند ہوئے۔

"امی آنکھیں کھولیں..... کیا ہوا آپ کو، زبید دیکھیں ناں امی کو کیا ہوا، آنکھیں کیوں نہیں کھول رہیں امی؟" فائزہ نے روندھی ہوئی آواز میں کہا۔ عبیرہ نے یاسمین کا سر اپنی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ وہ دونوں بھی یاسمین کو دیکھ کر شاک تھے۔ صبح ہی تو وہ اسے صحیح سلامت چھوڑ کر گئے تھے۔ اب اتنی سی دیر میں جانے کیا ہوا؟

"خالہ کو کچھ نہیں ہوا۔ میں کچھ کرتا ہوں۔" وہ پریشانی میں باہر کی طرف دوڑا مگر کچھ یاد آنے پر واپس پلٹا۔

"یہاں کوئی ڈاکٹر ہے، کسی ڈاکٹر کا نمبر وغیرہ؟" اس نے فوراً پوچھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے۔

"وہ..... علی..... ساتھ والی شاپ....." الفاظ تو جیسے کہیں کھو گئے تھے۔ عبیرہ نے ٹوٹے پھوٹے لفظ بولے، ہاتھوں سے مسلسل یاسمین کے چہرے کو تھپتھپا رہی تھی۔

"امی پلیز..... آنکھیں کھولیں۔ امی۔" وہ چلائی مگر آواز ان کی سماعت کا بھی حصہ نہ بن پائی تھی۔

"زبید تم یہاں رکو..... میں جا کر دیکھتا ہوں۔" کاشف دوڑ کر باہر نکلا۔ زبید نے ادھر ادھر دیکھا تو پانی کا گلاس نظر آیا، تیزی کے ساتھ اس نے وہ گلاس اٹھایا اور فائزہ کو تھماتے ہوئے کہا۔

"خالہ کے چہرے پر ڈالو..... شاید انہیں ہوش آجائے۔" فائزہ نے بالکل ویسا ہی کیا مگر خاطر خواہ فرق نہ پڑا۔ وہ اب بھی بے جان جسم لیے زمین پر تھیں۔ نہ ہاتھوں میں کوئی جنبش اور نہ ہی سانسوں کے چلنے کی آواز۔

"کچھ نہیں ہوا زبید..... پلیز کچھ کرو..... امی..... آنکھیں کھولیں۔" اس بار وہ بھی گھبرایا تب ہی نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یہ کہنا پڑا۔

"عبیرہ..... دیکھو ذرا خالہ کی سانسیں چل رہی ہیں۔" اس پر وہ بپھری۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں، ایسا سوچ بھی کیسے لیا آپ نے؟" وہ چلائی، وہ ایسا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ تب ہی فائزہ نے اپنا ہاتھ یاسمین کے نتھنوں کے بالکل قریب کیا اس کے تو آنسو ہی جیسے ساکت ہو گئے۔ نگاہیں بھی ٹھہر سی گئیں۔ چاروں اطراف سے ایک خلا نے اسے آگھیرا تھا۔

"کیا ہوا فائزہ؟" اس کے یوں بت بننے کا جواز جانا مگر وہ تو کس سے مس نہ ہوئی۔ بس یک ٹک یاسمین کی طرف نگاہیں جمائے بیٹھی رہی۔

"یہ کاشف کہاں رہ گیا؟" وہ بھاگتا ہوا دروازے کے قریب آیا مگر دور دور تک اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ واپس پلٹا تو اسے ویسے ہی پایا۔ عبیرہ کے تو آنسو ہی تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ تب ہی وہ آگے بڑھا اور گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے اس نے یاسمین کی کلائی کو پکڑ کر نبض دیکھی، ایک لمحے نے اس کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ بری طرح بوکھلایا، عبیرہ کے لیے اب انجان بننا ناممکن ہو چکا تھا۔

"کک..... کیا ہوا؟" گلوگیر لہجہ میں وہ گویا ہوا مگر اس نے جواب دینے کی بجائے اپنے دائیں ہاتھ کو یاسمین کے نتھنوں کے قریب کیا۔

"کیا ہوا، مجھے بتاتے کیوں نہیں، کیا ہوا امی کو؟" وہ روتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگانے لگی۔

"سانسیں نہیں چل رہیں ان کی۔" ایک جملے نے جیسے اس کے سر پہ پہاڑ توڑ ڈالا تھا۔ اسے ایسے لگا جیسے کسی نے آسمان سے اسے دھکا دے دیا ہو اور وہ کسی گہری کھائی میں گر رہی ہو۔

"امی.....!" دلدوز چیخ وادی میں گونجی تھی۔

www.zemtime.com

☆.....☆.....☆

آج یاسمین کو دنیا سے گزرے تیسرا دن تھا مگر وہ دونوں ابھی تک اس صدمے سے باہر نہ نکلی تھیں۔ شہر سے نسرین اور کرن بھی آگئی تھیں۔ وہ مسلسل انہیں حوصلہ دے رہی تھیں مگر صبر اتنی جلدی کہاں آسکتا تھا۔ کل تک جو ماں ان کے ساتھ تھی، ان کے لیے فکر مند تھی وہ آج منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔ وہ اسی جگہ پر پتھر بنی بیٹھی تھی جہاں یاسمین کا وجود اس نے اپنی گود میں رکھا تھا۔

"ماما..... دیکھیں ناں عبیرہ نے تو اپنے آپ کو پتھر بنالیا ہے نہ کچھ کہتی ہے اور نہ ہی کچھ کھاتی ہے، نگاہیں بھی ایک ہی جگہ ٹھہری ہوئی ہیں۔" کرن نے نسرین سے کہا، اس نے اپنے چہرے سے آنسوؤں کو پونچھا اور ڈھیلے قدموں کے ساتھ اس کے پاس آئی اور پیار سے چھوا۔

"عبیرہ..... میری بیٹی..... تم ٹھیک ہو ناں؟" نسرین نے چاہا کہ وہ کچھ بولے مگر ایسا کہاں ممکن تھا؟ جس کا سب کچھ اجڑ چکا ہو وہ کیسے کچھ بول سکتی تھی۔ جس کی ماں ہی اس کا سب کچھ تھی۔ اگرچہ وہ انہیں تنگ کرتی، ان کے کہے کو اکثر ٹالتی مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں وہ ان سے ایسا ناراض ہو کر ایسے جہاں چلی جائیں جہاں سے واپسی ہی ممکن نہ ہو۔ انہوں نے کئی بار اسے بلانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی جگہ پر مورت بنی بیٹھی رہی تھی۔ سانسیں چل رہی تھیں، جسم زندہ تھا مگر سب کچھ بے معنی تھا۔

اس نے پلٹ کر فائزہ کی طرف دیکھا جو سیڑھیوں پر اپنے سر کو گھٹنوں پہ پر رکھے بیٹھی تھی۔ آنسو یہاں بھی تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ اٹھ کر اب اس کے پاس گئی۔ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا مگر اس نے سر اٹھا کر نہ دیکھا۔

"میں جانتی ہوں فائزہ کہ ماں کے جانے کا دکھ کتنا گہرا ہوتا ہے، کوئی بھی یاسمین کی کمی تمہاری زندگی میں پوری نہیں کرسکتا مگر بیٹی یہ زندگی ہے، اس زندگی نے کہاں کسی کے ساتھ وفا کی ہے؟ آج یاسمین کے ساتھ دغا کیا اس نے، کل میرے اور تمہارے ساتھ وہ دغا کرے گی۔ اپنے آپ کو اتنی اذیت میں مت ڈالو۔" وہ پیار سے سمجھاتے ہوئے اس کے بالوں کو سہلا رہی تھی۔ جذبات اب آنسوؤں کے ساتھ باریک سی آواز میں بھی عیاں ہونے لگے تھے۔

"میں یاسمین کی جگہ تو نہیں لے سکتی مگر ہوں تو تمہاری خالہ ہی اور خالہ بھی تو ماں کی طرح ہوتی ہے ناں؟ کیا اپنی ماں کی اتنی بھی بات نہیں مانو گی؟" اس نے دھیرے سے اس کا چہرہ اٹھایا، رو رو کر اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں جو اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ پچھلی دو راتوں سے سوئی نہیں۔ زبید سے یہ سب دیکھا نہ گیا اور مٹھیاں بھینچے باہر چلا گیا۔ کاشف اسے اس حالت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ تب ہی اس کو سمجھانے کے لیے اس کا تعاقب کیا۔

"نہیں میری بچی..... اب اور نہیں۔ دیکھو اگر تم اپنے آپ کو نہیں سنبھالو گی تو عبیرہ کو کون سنبھالے گا، اپنے لیے نہیں تو عبیرہ کے لیے ہی اپنے آپ کو سنبھالو۔ دیکھو ذرا اس کی طرف..... ابھی تک اسی جگہ پر بت بنی بیٹھی ہوئی ہے۔ نہ کچھ بول رہی ہے اور ہی کوئی حرکت کرتی ہے۔ ہم سب نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر..... اب تمہیں ہی اسے سمجھانا ہوگا۔ تمہیں اب بڑی بہن کا فرض نبھانا ہوگا۔ چلو شاباش۔ عبیرہ کو سمجھاؤ۔" پیار سے اس کے رخسار کو تھپتھپایا تو آنکھوں کی پتلیوں میں جنبش ہوئی۔ عبیرہ کی طرف دیکھا تو وہ پتھر بنی بیٹھی تھی۔ کتنا گہرا صدمہ لگا تھا ناں اس کو۔ صدمہ تو اسے بھی تھا۔ سائبان تو اس کا بھی چھین گیا تھا لیکن اب اسے ہی اپنی بہن کو سنبھالنا تھا۔ تب ہی اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے اٹھی اور ڈھیلے قدموں کے ساتھ اس کے پاس آبیٹھی تھی۔ لرزتے ہاتھوں کے ساتھ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

"عبیرہ۔" گلوگیر آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو جیسے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹتے چلے گئے۔ وہ اس کے ساتھ آ لگی تھی۔

"فائزہ..... امی..... کیوں چھوڑ کر چلی گئی ہمیں؟ امی کو کہو ناں لوٹ آئیں پلیز..... امی کو کہو ناں۔" وہ رونے

www.zemtime.com

لگی اور پورے گھر میں اس کی ہی آواز گونج رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے فائزہ کو اتنی مضبوطی کے ساتھ جکڑا ہوا تھا جیسے وہ اسے کبھی کہیں جانے نہیں دے گی۔

"امی اب کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گی عبیرہ..... کبھی نہیں۔" اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہوگیا تھا۔ تب ہی جل تھل ایک بار پھر شروع ہوچکی تھی، کرن کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔

"امی....." درد سے بھری آواز نکلی مگر وہ اس آواز کو کیونکر سن سکتی تھی، جانے والے تو چلے جاتے ہیں اور پیچھے اذیت بھرے لمحے چھوڑ جاتے ہیں۔

"بیٹا سنبھالو خود کو۔" نسرین نے پاس آکر دونوں کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ دونوں ان کے ساتھ لگ کر رونے لگیں۔

☆.....☆.....☆

"یقین ہی نہیں آرہا یار اتنی جلدی اتنا کچھ ہوگیا۔ زندگی کتنی تیز ہے ناں..... بہتی ندیا سے بھی زیادہ تیز..... کب، کیا، کیسے اور کس طرح ہوجائے، ہمیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔" کھڑکی کے پاس کھڑے اس نے آسمان پر نگاہ دوڑائی، زبید نے تکیے کو اٹھا کر گود میں رکھا اور اپنی کہنیاں اس پر جمائیں۔

"بالکل ٹھیک کہا تو نے، کیسے ان دونوں کے چہرے سے خوشیاں روٹھ گئیں، مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔" وہ بھی کھوئے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا لیکن سچ بدلا تو نہیں جاسکتا ناں اور سچ تو یہی ہے کہ یاسمین خالہ اب نہیں رہیں۔" اس کی آنکھوں میں بھی نمی اتر آئی تھی۔ اگرچہ اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا مگر پچھلے چند دنوں میں وہ ان سے اتنا مانوس ہوچکا تھا، جیسے کوئی گہرا تعلق ہو اس کا ان کے ساتھ۔ ان کے دکھ کو وہ اپنا ہی دکھ سمجھ رہا تھا اور یہی تو انسانیت کا تقاضا ہے۔

"میں تو یہی سوچ رہا ہوں کہ اب کیا ہوگا آگے؟" کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنی بات کو جاری رکھا جس پر اس نے تعجب بھرے انداز میں دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ اس کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔

"مطلب یہ کہ کیا اب وہ یہاں اکیلی رہیں گی، کیونکہ کل تو ہماری واپسی ہے ناں؟" وہ پلٹا اور استفہامیہ انداز سے اس کی طرف دیکھا مگر اس کا چہرہ مطمئن تھا۔ جیسے وہ جانتا تھا آگے کیا ہونے والا ہے۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک ایک چیز کو بغور دیکھ رہی تھی۔ یہ کمرہ بھی اسے کھانے کو آرہا تھا۔ ایک عجیب سی وحشت ہو رہی تھی اسے۔ دل کر رہا تھا کہ ابھی وہاں سے نکل جائے۔ ماں کے بنا پورے گھر سے ایک کوفت ہو رہی تھی۔

"کیسے رہیں گے اب ہم یہاں؟" عبیرہ نے گلوگیر لہجے میں چھت کو دیکھ کر کہا، پلکیں جھپکیں اور آنکھیں بھیگ ہوئی تھیں۔ فائزہ جو پاس ہی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ معصومیت تو جیسے کہیں کھو ہی چکی تھی۔ ہنستا ہوا چہرہ آج مرجھایا ہوا تھا۔

"اب تنہا رہنے کی عادت ڈالنی ہوگی ہمیں۔" یاسیت کے ساتھ اس نے جواب دیا تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ کچھ لمحوں بعد نسرین وہاں آگئی۔

"کیسی ہو تم دونوں؟" ان کے پاس آکر وہ بیٹھ گئیں۔

"بن ماں کے کیسی ہوگی زندگی؟ سوال ہی بے معنی ہے۔" عبیرہ نے کھوئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں بیٹا..... ایسا نہیں کہتے۔" انہوں نے بازو پھیلاتے ہوئے اس کو اپنے شانے سے لگایا۔ ایک بار پھر آنسو ضبط سے باہر ہوئے۔ وہ دوبارہ رونے لگی۔ اس بار انہوں نے اسے چپ نہ کرایا جی بھر کے اسے رونے دیا۔ کافی دیر بعد اس کے چہرے کو تھپتھپایا۔

"انسان کو اتنا بھی غم نہیں منانا چاہیے کہ اپنی ذات پر ہی ظلم کر بیٹھے۔ تمہیں اب حوصلہ رکھنا ہوگا۔ پوری زندگی پڑی ہے تمہاری، تمہیں دلدل کی طرح ایک جگہ کھڑے نہیں رہنا بلکہ جھرنے کی طرح آگے بڑھنا ہے۔" وہ اسے

www.zemtime.com

سمجھا رہی تھی۔ فائزہ بھی ان کے پاس آبیٹھی تھی۔

"اب تمہیں ہی تو ایک دوسرے کا سہارا بننا ہے، میں یہ نہیں کہہ رہی کہ میں تمہیں اکیلا چھوڑ دوں گی مگر جو احساس سگی بہنوں میں ہوتا ہے وہ شاید تم کسی کے ساتھ محسوس نہ کر پاؤ۔" اس نے دونوں کے ہاتھوں کو پکڑ کر سہلایا، کچھ ہمت بندھتی محسوس ہوئی۔ فائزہ نے تو شاید خود کو سنبھال لیا تھا مگر عبیرہ کے لیے یہ سب اتنا آسان نہ تھا۔

"اچھا اب تم ایسا کرو۔ سو جاؤ صبح جانا بھی ہے۔" کھڑے ہو کر اس نے دونوں کے سامنے ایک انکشاف کیا جس پر استفہامیہ انداز میں دونوں نے ان کی طرف دیکھا۔

"جانا ہے مگر کہاں؟" فائزہ نے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ شہر۔" انہوں نے مختصر کہا۔

"مگر کیوں؟ ہمیں کہیں نہیں جانا، ہم یہی رہیں گی۔" فائزہ نے عبیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اس نے بھی ہاں میں سر ہلایا۔

"مگر کیسے؟ دیکھو بیٹا، میں تمہیں یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی اور تمہارے ساتھ یہاں رہنا میرے لیے ناممکن ہے۔ میری بات مانو ہمارے ساتھ شہر چلو وہاں تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔ یہ میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"لیکن خالہ..... یہاں امی کی یادیں ہیں، یہاں کی فضاؤں میں امی کی خوشبو رچی ہوئی ہے، جب بھی ہم سانس لیتے ہیں تو ہمیں ایسا لگتا ہے جیسے امی یہیں ہیں ہمارے پاس..... ہمیں دیکھ رہی ہیں، ہمیں سن رہی ہیں، ہماری باتوں کا جواب دے رہی ہیں، بس ہم ہی ان کی باتوں کو سن نہیں پا رہے، انہیں دیکھ نہیں پا رہے۔" ایک بار پھر آنکھیں بھر آئیں۔

"دیکھو فائزہ..... یادیں چیزوں کے پاس رہنے سے زندہ نہیں رہتی بلکہ یہ تو دل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یاسمین تمہارے دل میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔" اس نے ہر ممکن سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن خالہ....." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر انہوں نے ٹوک دیا۔

"نہیں..... مجھے کچھ نہیں سننا، مجھے خالہ کہتی ہو اور خالہ کا حکم ماں کے حکم کی طرح ہوتا ہے۔ اگر تم نے مجھے منع کیا تو میں ایسا سمجھوں گی کہ یاسمین کے جانے کے بعد تم نے مجھے پرایا کر دیا۔" انہوں نے ایموشنل بلیک میل کیا جو کافی کارآمد ثابت ہوا۔ نفی میں سر کو ہلاتے ہوئے دونوں اس کے شانے سے لگیں۔

"نہیں خالہ..... اب آپ کے علاوہ ہمارا اس دنیا میں ہے ہی کون؟ اب آپ ہی تو ہمارا واحد سہارا ہیں۔"

"سہارا صرف اللہ کی ذات کا ہے، ہم تو بس وسیلہ بنتے ہیں۔" دونوں کو اپنے سے جدا کرتے ہوئے باری باری پیشانی چومی اور پھر نیک دعائیں دیتے ہوئے وہاں سے چل دیں۔ ان کے جانے کے بعد بھی دونوں شل کھڑی رہیں۔ کافی دیر گزر جانے کے بعد عبیرہ نے فائزہ کی طرف دیکھا۔

"کیا ہمیں یہ گھر چھوڑنا پڑے گا؟" اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔ جہاں اس کا بچپن گزرا، وہ اس جگہ کو کیسے چھوڑ سکتی تھی، لیکن حالات نے انہیں کس قدر مجبور کر دیا تھا۔ انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کرنا پڑ رہا تھا۔

"شاید یہی صحیح رہے گا۔" وہ حالات کی نزاکت کو سمجھ چکی تھی۔ تب ہی سر ہلا دیا۔ آنکھوں میں دوسرا غم بھی ابھر آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شہر کی پر رونق فضاؤں میں وہ قدم رکھ چکے تھے مگر اس ماحول سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ پورے سفر میں وہ دونوں بالکل خاموش، ایک بت کی طرح بیٹھی بس اپنی اپنی طرف کی ونڈو اسکرین پر نظریں جمائے رہیں۔ کئی بار کرن نے دونوں کو بلانا چاہا بس وہ ہوں ہاں کے جواب اس کو سننے کو ملا۔ نسرین نے بھی انہیں مزید سنبھلنے کا موقع دیا تھا۔ کار ایک نیلے رنگ کے دیوہیکل گیٹ کے سامنے رکی، ہارن بجا تو گیٹ کھلتا چلا گیا۔ عبیرہ کے وجود میں معمولی سا



www.zemtime.com

ارتعاش ہوا۔ زبید کار کو گیراج کی طرف آہستگی سے لے جارہا تھا۔ سفید رنگ کے ماربل پر مبنی گیراج اس کی آنکھوں پر چبھنے لگا تھا تب ہی اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"یہ رہا ہمارا گھر۔" کرن نے کہا، سب سے پہلے فائزہ اتری اور اس کے بعد باقی سب بھی ایک ایک کر کے اترتے۔ دونوں نے ایک عمیق نگاہ گھر پر دوڑائی، سفید اور نیلے ماربل سے سجا خوب صورت گھر جو کسی کا بھی خواب ہوسکتا ہے۔ عبیرہ اور فائزہ نے بھی ایسے ہی گھر کے خواب دیکھے تھے جو ہر طرح کی آرائش سے آراستہ ہو۔ کیا معلوم تھا ان کا خواب ایسے پورا ہوگا۔

"اندر چلیں۔" فائزہ کی نگاہیں بائیں جانب چھوٹے سے لان پر مرکوز تھیں۔ جہاں گلاب اور موتیے کے کئی پھول کھلے ہوئے تھے۔ پودوں کی بھی اچھے سے کانٹ چھانٹ کی ہوئی تھی۔ اس نے جھرجھری لی اور سر ہلاتے ہوئے اندرونی دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ کرن مسلسل عبیرہ کو اپنے گھر کے بارے میں بتا رہی تھی مگر اس کا خالی ذہن تو شاید کہیں اور ہی تھا۔ ایک لفظ بھی اس کی سماعت میں صحیح سے نہ ٹکرایا تھا۔

اندر ایک بڑی سی راہداری تھی۔ جس کے اطراف میں کئی ڈیکوریشن پیس تھے۔ ایک طرف بڑا سا شیشہ بھی تھا شاید اس لیے کہ باہر سے آنے والا اپنا حلیہ درست کرسکے۔ اس راہداری کے بعد وہ ایک بڑے سے لاؤنج میں داخل ہوئے جہاں اشرف صاحب صوفے پر آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔ ان کی طبیعت اب بھی ناساز تھی۔ قدموں کی چاپ سن کر آنکھیں کھولیں تو خوشی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"السلام علیکم! میں تم سب کا ہی انتظار کر رہا تھا۔" انہوں نے خندہ پیشانی سے کہا اور آگے بڑھ کر دونوں لڑکیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"وعلیکم السلام! اب طبیعت کیسی ہے خالو۔" فائزہ نے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے، اب کچھ بہتر ہے اور اپنی بیٹیوں کو دیکھ کر مزید بہتر ہوجائے گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پیچھے سے آپ نے اپنا خیال تو رکھا تھا ناں، شمو (ان کی ملازمہ) نے فون پر بتایا تھا کہ آپ اپنی میڈیسن کے معاملے میں ٹال مٹول کر رہے تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟ دس از ناٹ فیئر، آپ سمجھدار ہیں، آپ کو تو اپنی صحت کی فکر ہونی چاہیے۔" کرن نے شکوہ کیا۔

"یہ کیا آتے ہی باپ سے شکوے شروع ہوگئے، دیکھ رہی ہیں آپ نسرین بیگم آپ کی بیٹی کی بہت لمبی زبان ہوگئی ہے، باپ کو نصیحتیں کر رہی ہے۔"

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں، یہ آپ باپ بیٹی کا معاملہ ہے۔" وہ صوفے پر براجمان ہوئیں۔

"میرے خیال سے اب عبیرہ اور فائزہ کو آرام کرنے دینا چاہیے، کرن تم ایسا کرو دونوں کو کمرہ دکھادو۔" زبید نے فائزہ کے کھوئے ہوئے انداز کو بھانپتے ہوئے کہا، اس نے سر ہلایا اور دونوں کو لے کر زینے کی طرف بڑھ گئی۔ ان کے جانے کے بعد وہ ریلیکس ہوکر بیٹھا۔

"ویسے اچھا ہوا جو تم انہیں ساتھ لے آئیں۔ وہاں اکیلے رہ کر کیا کرتیں دونوں بہنیں؟ یہاں سب کے ساتھ رہیں گی تو دل بہلا رہے گا۔" اشرف صاحب نے نسرین بیگم کے فیصلے کی حمایت کی۔

"وہ تو آنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی ڈیڈ، یہ تو ماما نے انہیں بڑی مشکل سے منایا۔" زبید نے وضاحت کی، شمو ان کے لیے فریش جوس لے آئی تھی۔

"میرے لیے کافی لانا، کافی دن ہوگئے کافی نہیں پی۔" زبید نے جوس لینے سے منع کیا اور فرمائش کی۔

"شروع ہوگئی اس کی فرمائشیں۔ شمو بس کچھ دن اسے مزید برداشت کرلو، اس کے بعد یہ جانے اور اس کی بیگم۔ تمہیں کم سے کم اس کے نخرے پورے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔" اشرف صاحب کی آنکھوں میں ایک شرارت تھی جس پر اس نے اپنی گردن جھکالی۔

"بالکل..... میں تو سوچ رہی تھی، اگلے ہفتے ہی فائزہ



www.zemtime.com

اور زبید کا نکاح کردیا جائے۔ اس بہانے ان کا بھی دل بہل جائے گا اور وہ زندگی میں آگے بڑھنا شروع کردیں گی۔" نسرین نے گویا زبید کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ ابھری۔

"دیکھنا اپنے بیٹے کی طرف، کیسے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں اس کے لیکن میرا خیال ہے تمہیں ایک بار فائزہ سے بھی اس کی مرضی پوچھ لینی چاہیے۔ یاسمین نے اگرچہ اس رشتے کے لیے حامی بھرلی تھی مگر لڑکی کی مرضی بھی اہمیت رکھتی ہے۔" اشرف صاحب کی بات پر وہ فوراً بولا۔

"اسے کوئی اعتراض نہیں اس رشتے پر۔" دونوں کی استفہامیہ نگاہوں کا مرکز اب اس کی ذات تھی جس کا مطلب وہ نہ سمجھ سکا۔

"کیا ہوا..... کچھ غلط کہا؟" متحیر استفہامیہ انداز اپنایا تھا۔ جس پر دونوں کا قہقہہ بلند ہوا۔

"دیکھ لیا..... کتنی جلدی ہے آپ کے بیٹے کو دلہا بننے کی۔" اشرف نے پیار سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا جواباً وہ بھی مسکرادیا۔

☆.....☆.....☆

ناشتے کی میز پر سب جمع تھے سوائے زبید کے۔ شمو کھانا کچن سے لاکر میز پر رکھ رہی تھی۔ عبیرہ اور فائزہ کھانے میں مصروف تھیں، کرن تو اپنے ہاتھ ایسے چلا رہی تھی جیسے کوئی پیچھے لگا ہو اور اسے جلد سے جلد ناشتہ مکمل کرنا ہو۔

"آرام سے کھاؤ، کہیں جانے کی جلدی ہے کیا؟" نسرین نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"جلدی تو ہے ماما..... کالج کا ٹائم ہوچکا ہے اور بھائی بھی بس آتے ہی ہوں گے اور آپ کو تو معلوم ہے، بھائی نے آتے ہی شور مچادینا ہے اگر میں نے ڈھیل کی تو وہ مجھے چھوڑ کر ہی چلے جائیں گے۔" اس نے بریڈ کا ایک پیس ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو نسرین مسکرادیں۔

"تمہیں زبید کالج چھوڑنے جاتا ہے؟" فائزہ نے پوچھا۔

"ہاں پہلے ڈرائیور کے ساتھ جاتی تھی۔ ابھی کچھ دن پہلے ڈرائیور چھٹی پر گیا ہے، بس اسی وجہ سے بھائی کے ساتھ جانا پڑ رہا ہے۔ ڈیڈ سے اتنی بار کہا ہے کہ دوسرے ڈرائیور کا انتظام کرلیں تاکہ بھائی پر بوجھ نہ بنوں۔" اس نے شکوہ کیا۔

"بس ایک ہفتہ اور صبر کرلو۔" اشرف صاحب نے دلاسہ دیا۔

"ویسے تم نے کتنا پڑھا ہے؟" نسرین نے پوچھا۔

"میں تو بی اے کرچکی ہوں اور آگے پڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس نے تفصیل سے بتا کر عبیرہ کی طرف دیکھا وہ ناشتے میں ہی محو تھی۔ اس کا انداز آج بھی کھویا کھویا سا تھا۔

"تم نے تو شاید ایف اے کیا ہے ناں اور آگے نہیں پڑھنا کیا؟"

"یہ تو ایم اے کرنا چاہتی ہے، وہ تو امی تھیں جو کہتی تھیں کہ بس کردو۔ آگے پڑھ کر کیا کرنا ہے؟" عبیرہ کی بجائے فائزہ نے جواب دیا، وہ خاموش رہی جس کو اشرف صاحب اور نسرین بیگم دونوں نے بھانپ لیا تھا۔

"میرا خیال ہے پھر تو عبیرہ بیٹی کو اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کردینی چاہیے، کیوں اچھا خیال ہے ناں؟" اشرف صاحب نے اپنا خیال پیش کیا، سب نے اثبات میں سر ہلا دیا سوائے عبیرہ کے۔

"تمہارے کالج میں ایڈمشن اوپن ہیں کیا؟" اس سے پہلے کہ کرن جواب دیتی زبید نے پوچھا۔

"چلو کرن..... ناشتہ واشتہ بعد میں کرلینا اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو تمہیں ابھی چلنا ہوگا۔" وہ کوٹ کی کف ٹھیک کررہا تھا۔ فائزہ نے اسے پہلی بار پینٹ کوٹ میں دیکھا تھا، ایک وجیہہ مجسم، وہ ایک پل کے لیے اس پر سے نظریں نہ ہٹا سکی۔

"جی، اوپن ہے۔" اس نے دودھ کا گلاس ایک گھونٹ میں ہی ختم کیا اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"زبید تم میرا ایک کام کرنا آج۔ کرن کو چھوڑنے کے



www.zemtime.com

بعد وہاں کی پرنسپل سے بات کرنا عبیرہ کے ایڈمشن کے سلسلے میں۔ یہ اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کرے گی۔" اشرف صاحب نے اس کے ذمہ کام لگایا، پہلے تو وہ شاک ہوا اور گہری نگاہ عبیرہ پر ڈالی۔ جو کھوئے ہوئے انداز میں اب خالی پلیٹ میں ہی چمچ چلا رہی تھی پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"واؤ..... یعنی کل سے میں اور عبیرہ اکٹھے کالج جائیں گے۔ مزہ آجائے گا۔" کرن پرجوش انداز میں بولی۔

"وہ کل سے جائے گی۔ ہاں اگر تم نے مجھے لیٹ کروانے کا ارادہ ہے تو تم بھی کل سے ہی جانا۔" زبید نے اسے تنبیہہ کی جس پر اس نے ناک چڑھا کر اس کی طرف دیکھا اور پاؤں پٹختے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"اچھا ڈیڈ..... اچھا ماما میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔" وہ باہر کی طرف چل دیا۔

"زبید ناشتہ نہیں کرتا کیا؟" فائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بالکل نہیں..... پتا نہیں کیسے اس کی عادت بگڑ گئی، پہلے تو پیٹ بھر کر ناشتہ کرتا تھا مگر جب سے آفس جوائن کیا ہے تب سے تو بس ایک کپ کافی پی کر ہی آفس جاتا ہے۔" نسرین بیگم نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا، ان کے انداز میں فکر نمایاں تھی۔

"یہ تو اچھی عادت نہیں، اس طرح تو وہ کمزور ہو جائے گا۔" اسے بھی فکر ہوئی، سب خاموش رہے۔

"اب ہم نے تو سمجھا کر دیکھ لیا تم ہی سمجھانا اس کو۔" وہ دوبارہ ناشتے میں مصروف ہو گئیں جبکہ عبیرہ کو ایک زبردست شاک لگا، اس نے اتنی دیر میں پہلی بار نگاہیں اٹھائی تھیں۔ استفہامیہ نگاہیں، جن میں کئی سوال تھے۔ اس نے فائزہ پر نگاہ دوڑائی تو ایک مسکراہٹ کو لبوں پر سجا پایا۔ اس کا ذہن جیسے ماؤف ہو چکا تھا۔ سب کچھ آئینے کی طرح شفاف تھا مگر پھر بھی اس پر ایک گرد تھی۔ جسے وہ مسلسل جھٹلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ اپنے کمرے میں گم صم بیٹھی تھی۔ بے خیالی میں وہی منظر سامنے تھا۔ اس نے سر جھٹک کر اسے جھٹلانا چاہا مگر جانے کیوں وہ اس سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسی کی نفی کرے اور وہاں سب کی باتوں کا جو مطلب تھا کیا وہی سچ تھا؟

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ امی نے ایسا تو نہیں کہا تھا۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا، پرنم آنکھوں میں اس کے خواب ٹوٹ کر بکھر رہے تھے، جنہوں نے ابھی کمال بھی حاصل نہ کیا تھا۔ ایسے موتی زمین بوس ہو رہے تھے۔ جو بے مول تھے۔

"کن خیالوں میں گم ہو؟ میرا خیال تھا کہ تم تیاریوں میں مصروف ہو گی مگر تم نے تو میرے خیال کو بالکل غلط ثابت کر دیا۔" کرن کالج سے سیدھا اس کے کمرے میں آئی، ہینڈ بیگ ابھی تک اس کے شانے پر تھا۔ جسے اس نے بیڈ کے سامنے صوفے پر رکھ دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ وہ آنسوؤں کو اس پر آشکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تیاری..... کیسی تیاری؟" اس کے ذہن سے یکسر نکل چکا تھا۔

"ارے..... کل کالج بھی تو جانا ہے تم نے میرے ساتھ، تمہیں معلوم ہے بھائی نے تمہارا ایڈمشن بھی کرا دیا۔ ویسے تو ہماری پرنسپل بڑے نخرے کر رہی تھی۔ کہتی تھیں کہ وقت کم ہے، رزلٹ کارڈ چاہیے اور بھی پتا نہیں کیا کچھ کہہ رہی تھیں مگر بھائی نے بڑی مہارت سے سارے معاملات طے کر دیئے اور اب تم کل سے میرے ساتھ کالج جا رہی ہو۔" اس نے پرسکون انداز میں اسے بتایا، اس نے نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی جو مطمئن تھی اور اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھی سب کچھ بتا رہی تھی۔

"یہ سب زبید نے کیا؟" اس کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

"اور کیا..... ویسے تو بھائی میرا کوئی بھی کالج سے ریلیٹڈ کام نہیں کرتے، مجھے ڈراپ کرتے ہوئے بھی انہیں جانے کیا پرابلم ہوتی ہے، ایک منٹ بھی لیٹ

www.zemtime.com

ہو جاؤں، مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں مگر آج تو وہ ڈیڈ کے ایک آرڈر پر پرنسپل کے پاس چلے گئے۔ مجھے خود بہت حیرت ہوئی۔ تم کافی لکی ہو وغیرہ۔" اس آخری جملے نے اس کے دل کو راحت پہنچائی، وہ دھیرے سے مسکرادی۔

"تم کس ائیر میں ہو؟" کافی دیر بعد اس نے پوچھا۔

"میں تو فورتھ ائیر میں ہوں مگر تم تو تھرڈ ائیر میں ہو ناں لیکن تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، تھرڈ ائیر میں بھی میری کافی دوست ہیں، تمہیں کسی بھی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔ وہ بہت اچھی ہیں اور سب سے زیادہ روشنی وہ تو ہماری علاقے میں ہی رہتی ہے۔ کل جب کالج جائیں گے، تمہارا سب سے پہلے اس سے ہی تعارف کرواؤں گی۔" اس نے کل کی پلاننگ بتائی۔

"شکریہ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں شکریہ کی کیا بات؟ میری کزن اب میری کالج فیلو بن گئی ہے، اس سے زیادہ اچھی بات کیا ہو سکتی ہے اوہ..... باتوں ہی باتوں میں، میں تمہیں کتابیں دینا تو بھول ہی گئی۔" اس نے ہلکا سا ہاتھ پیشانی پر مارا اور اٹھ کر صوفے سے بیگ اٹھایا اور اس میں سے کئی کتابیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں، وہ کتابیں دیکھنے لگی جب کہ کرن اس کو کالج کے بارے میں بتانے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ آفس سے آنے کے بعد سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔ بریف کیس میز پر رکھا اور ستانے کے لیے صوفے پر بیٹھ گیا۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے بیگ سے سر نکالیا۔ کافی دن کی چھٹیوں کے بعد آج آفس میں کئی کام پینڈنگ میں تھے۔ جس بنا پر اسے گھر پر بھی اپنی اسائنمنٹ کو مکمل کرنا تھا۔ اسی بنا پر اس نے بریف کیس کو نیچے زمین پر رکھنے کی بجائے سامنے میز پر ہی رکھا تھا۔ تب ہی اسے ایک آہٹ سنائی دی مگر اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔

"چائے میز پر ہی رکھ دو، میں بعد میں پیوں گا اور ہاں آدھے گھنٹے بعد کافی کا ایک کپ میرے کمرے میں پہنچا دینا۔ مجھے بہت سا کام ہے۔ میں اگلے دو گھنٹے تک یہی ہوں۔ ماما پوچھیں تو بتا دینا۔" اس نے سر کو ہلکا سا دبایا۔

"اگر آپ کہیں تو سر دبا دوں۔" اس آواز پر وہ فوراً سیدھا ہوا۔ آنکھوں کو مسلتا ہوا سامنے دیکھا۔ وہ اس کے قریب کھڑی تھی۔

"تم یہاں؟ میں سمجھا شمو ہے، تمہیں چائے لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ خیر تمہارا شکریہ۔" اس نے مسکرا کر چائے کا کپ اٹھایا۔

"اس میں شکریہ والی کیا بات ہے؟" اس نے بریف کیس کو اٹھا کر الماری میں رکھنا چاہا مگر اس نے روک دیا۔

"نہیں..... مجھے کام کرنا ہے، ویسے چائے اچھی بنا لیتی ہو۔" چائے کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے تعریف کی، وہ مسکرادی۔

"آپ کو اچھی لگی تو میں روزانہ آپ کے لیے بنا دیا کروں گی۔" وہ اس کے سامنے بیڈ پر ہی بیٹھ گئی۔

"نہیں..... نہیں اس کی ضرورت نہیں، شمو ہے ناں، تم بس اپنی پڑھائی پر ہی توجہ دینا۔ ویسے تم نے کل کے لیے تیاری تو کر لی ہے ناں۔" اس نے بات کا رخ بدلا۔

"جی سب تیاری کر لی، کتابیں اور ہینڈ بیگ تو کرن نے دے دیا ہے۔ اسٹیشنری کالج سے ہی خرید لوں گی۔ باقی کیا تیاری کرنی؟" اس نے دھیرے سے شانے اچکائے۔

"بھئی..... تم لڑکیوں نے فیشن بھی تو کرنا ہوتا ہے ناں، تمہارے پاس ڈریسز تو ہے ناں اگر نہیں تو کرن کو بتا دینا، اس کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک ڈیزائنر کے نمبر ہیں وہ ارجنٹ تمہارے لیے آرڈر کر دے گی۔ دیکھنے میں جتنی معصوم ہے ناں اندر سے ہے نہیں۔ ویسے ایک مشورہ دوں گا، کالج میں بھی اس سے بچ کر رہنا ورنہ اپنے جیسا بنا لے گی فیشن ایبل۔" اس نے پر مزاح انداز میں کہا۔

"ایسی بھی بات نہیں، کتنی اچھی تو ہے وہ۔ آج کل تو ہر کوئی کرتا ہے فیشن، کیا آپ کو فیشن ایبل لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں؟" اس نے فوراً اس کی پسند پوچھ لی۔



www.zemtime.com

"نہیں..... ایسی بات نہیں ہے، بس فیشن ہو مگر حد میں رہ کر..... اوور فیشن بہت بکواس لگتا ہے مجھے۔ سمپل سا ہو تو اور بات ہے۔" اس نے چائے کا خالی کپ سامنے میز پر رکھا اور سیدھا ہو کر اپنی آستینیں فولڈ کرنے لگا۔ وہ اب ہشاش بشاش دیکھائی دے رہا تھا۔ بریف کیس کھول کر کچھ فائلز نکالیں اور انہیں میز پر رکھ دیں۔ جس کا مطلب وہ اب کام کرے گا۔

"اچھا آپ کام کریں میں چلتی ہوں اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو مجھے بلا جھجک کہہ سکتے ہیں۔" اٹھتے ہوئے اس نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"آدھے گھنٹے تک آپ کے لیے کافی لے آؤں گی۔" دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے کہا تو وہ ٹھٹکا اور اس پر نگاہ ڈالی وہ مسکرا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

"کتنی عجیب ہے ناں یہ۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج اس کے کالج کا پہلا دن تھا۔ نارمل سے کپڑوں کے ساتھ وہ ناشتے کی میز پر آئی تھی۔ کرن اسے دیکھ کر خاصا حیران ہوئی۔ زبید نے بھی اسے استفہامیہ انداز میں دیکھا تھا۔

"اس ڈریس میں جاؤ گی؟" کرن بے ساختہ بولی۔

"کیوں..... کوئی برائی ہے اس میں؟" اس نے حیرانی سے اپنی طرف دیکھا، اسے تو ایسا کچھ غلط نہ لگا تھا۔

"نہیں..... برائی تو کچھ نہیں ہے، میرا مطلب تھا کوئی ڈیزائنر کا سوٹ پہن لیتی۔" اس نے ٹوکا۔

"تم اس کی باتوں کی طرف دھیان نہ دو، تمہیں جو اچھا لگتا ہے وہی پہنو۔ یہ تو فیشن کی پروپوٹی ہے، بس چلے تو جو جوڑا آج پہنا ہے وہ کبھی پہنے ہی نا۔" زبید نے اس کی جھجک کو دور کرنا چاہا، کرن کی بات پر وہ دکھی ہوئی۔

"کرن..... تمہیں دیکھ کر بات کرنی چاہیے۔" نسرین بیگم نے سمجھایا، اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا تب ہی شرمندہ دکھائی دی۔

"زبید نے مجھے کل بتایا تھا۔" اس نے بات واضح کی تو کرن کی استفہامیہ نگاہیں زبید کی طرف اٹھیں جو اس وقت صوفے پر بیٹھا بوٹ پہن رہا تھا۔

"میری طرف کیا دیکھ رہی ہو؟ جو سچ تھا، وہی بتایا۔" اس نے اپنا معاملہ صاف کیا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ رسٹ واچ کی طرف نگاہ دوڑائی تو آٹھ بج چکے تھے۔

"میرے خیال سے جانے کا وقت ہو چکا ہے۔ عبیرہ تم تو تیار ہو ناں اسے تو لگتا ہے ٹائم لگے گا۔ تم ایسا کرنا آج لوکل ٹرانسپورٹ سے جانا میں تو عبیرہ کو لے کر جانے لگا ہوں۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"دیکھا ماما..... عبیرہ کو دیکھ کر کیسے پر نکل آئے ہیں اس کے، عبیرہ میرے بغیر کہیں نہیں جائے گی ہے ناں عبیرہ۔" اس نے ابرو اچکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"میرے خیال سے تمہیں اپنے بھائی کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔" اس نے صوفے کی طرف بڑھ کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا۔

"یعنی تم بھی بھائی کی زبان بولنے لگی۔ دس از ناٹ فیئر عبیرہ۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھی اور بڑے بڑے ڈگ بھرتے ہوئے صوفے کی طرف آئی اور زبید کو منہ چڑھا کر اپنا بیگ اٹھایا۔ عبیرہ بھی اس کے ساتھ چل دی۔

"اب دیر نہیں ہو رہی۔" وہ اپنی فائلیں بریف کیس میں رکھ رہا تھا۔ اس کی کھینچائی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ سر ہلاتا ہوا وہ باہر کی طرف جانے والی راہداری کی طرف چل دیا۔

"کتنی رونق لگ گئی ہے ناں گھر میں دونوں کے آجانے سے۔" نسرین نے ناشتہ ختم کرتے ہوئے فائزہ کی طرف دیکھا، وہ مسکرا دی۔

"بالکل..... میرے خیال سے اس رونق کو اب ہمیشہ کی رونق بنا دیا جائے۔ کیا خیال ہے؟" اشرف صاحب کا لہجہ استفہامیہ ہوا۔ اب بھلا نسرین بیگم کیسے منع کر سکتی تھی، ہاں میں سر ہلا دیا۔



www.zemtime.com

"میں کچن میں شمو کی مدد کردیتی ہوں۔" وہ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرے پر حیا کے بادل منڈلانے لگے تھے۔

"شرما گئی۔" ہنستے ہوئے اشرف صاحب نے کہا۔

"پھر کب کی تاریخ طے کریں؟ میرے خیال سے منگنی وغیرہ کے جھنجٹ میں نہ ہی پڑیں تو اچھا ہے، کیوں نہ نکاح کی رسم ہی رکھ لی جائے۔ اگلے دن ولیمے میں خاندان والوں کو انوائیٹ کرلیں گے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"اب سارا پلان آپ بنا ہی چکے ہیں تو مجھ سے رائے لینے کا تو جواز نہیں بنتا ناں۔" انہوں نے شکوہ کیا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے، آخری فیصلہ تو آپ کا ہی ہوگا۔" انہوں نے کہا تو وہ دوبارہ صوفہ پر بیٹھ گئیں۔

"ارے، میں تو مذاق کررہا تھا، اس سے اچھی بات کیا ہوسکتی ہے پھر ایسا کرتے ہیں اگلے جمعہ کو نکاح رکھ لیتے ہیں۔ ویسے بھی جمعہ کا دن ہوتا بھی بابرکت ہے۔" انہوں نے دن بھی طے کرلیا تھا جس پر وہ بھی مسکرادی تھیں۔

☆.....☆.....☆

وہ لیپ ٹاپ آن کیے اپنے کیبن میں موجود تھا۔ نگاہیں سامنے اسکرین پر مرکوز تھیں جہاں پاور پوائنٹ اوپن تھا۔ کئی گرافس، کمپنی کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں بتارہے تھے۔ ہاتھ میں ایک قلم تھا جس سے وہ وقتاً فوقتاً کاغذ پر کچھ نوٹ بھی کررہا تھا۔ موبائل سامنے رکھا تھا جس پر بیل ہوئی۔ اس نے دیکھے بغیر ہی کال ریسیو کرلی تھی۔

"السلام علیکم!" اس کا دماغ کام میں الجھا ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام! لگتا ہے موصوف بہت مصروف ہوگئے ہیں واپس آنے کے بعد کوئی خیر خبر ہی نہیں۔" کاشف آواز سے خاصا پرجوش دیکھائی دے رہا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے، بس وقت ہی نہیں ملا، تم سناؤ کیا حال چال ہے؟" اس نے قلم میز پر رکھا اور سر کرسی کی بیک سے ٹکایا۔ وہ اب مکمل اس کی طرف متوجہ تھا۔

"الحمدللہ! میں تو بالکل ٹھیک ہوں مگر موصوف کچھ ٹھیک نہیں لگتے، لگتا ہے محبوب کے پاس آجانے کے بعد دوست کو منہ لگانا مناسب ہی نہیں سمجھتے۔" اس نے شکوہ کیا، اس نے واقعی اسے کال بھی نہ کی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے، آفس میں کام ہی اتنا زیادہ ہے، پچھلے دنوں چھٹیاں کی تھیں ناں، باس لگتا ہے اسی کا بدلہ لے رہے ہیں، ساری اسائنمنٹ اسی ہفتے مکمل کرنے کو کہا ہے۔ اب تو دل کررہا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنا بزنس شروع کرہی لوں۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ تو میں پہلے ہی کہتا رہا ہوں مگر تم ہی تھے جو میری بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ اب آگئے ناں ٹریک پر۔ ویسے تمہارے پاس اپنی کچھ سیونگ ہے ناں؟" وہ ذرا سیدھا ہوا اور کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں..... ایک کروڑ کے لگ بھگ ہیں میرے اکاؤنٹ میں۔"

"گڈ..... میں تمہیں ایک نمبر سینڈ کرتا ہوں۔ افضل علی نام ہے ان کا۔ وہ اپنا نیا بزنس شروع کررہے ہیں اگر تم چاہو تو ان کے ساتھ پارٹنر شپ کرسکتے ہو۔ وہ بہت ہی ناس پر سنیلیٹی کے مالک ہیں، ان سے میں نے تمہارے بارے میں بات کی تھی۔ وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ ویسے بھی وہ ابروڈ میں بزنس کرچکے ہیں۔ ان کا تجربہ یقیناً تمہیں کافی مدد دے گا۔" اس نے پوری تفصیل بتائی جس پر وہ خاصا خوش ہوا۔

"ٹھیک ہے، میں آج ہی ان سے بات کرتا ہوں، اب تو میں جتنا جلدی ہوسکے بزنس کرنے کا خواہ ہوں۔" اس نے دل کی بات کہہ دی۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ عبیرہ کیسی ہے؟ اس کا دل تو لگ گیا ناں تمہارے گھر؟" بالآخر اس نے کال کرنے کا جواز ظاہر کرہی دیا جس پر وہ مسکرادیا۔

"اوہ..... میں اب سمجھا کال کرنے کا مقصد یہ تھا۔" اس نے چھیڑا۔

"کیا سمجھے؟ میں نے بس خیریت ہی تو پوچھی ہے،



www.zemtime.com

اب اچھے دوست ایک دوسرے کی کیا خیریت بھی نہیں پوچھ سکتے؟" اس نے بات کو گول کرنا چاہا۔

"اچھے دوست..... واہ..... مجھے معلوم ہی نہیں ہوا کہ تم دونوں اچھے دوست بھی بن گئے، عبیرہ نے تو مجھ سے ایسا کچھ نہیں کہا۔ آج ہی میں اس سے پوچھوں گا۔ بس کالج سے واپس آجائے۔"

"کیا وہ کالج جانا شروع ہوگئی، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے، میری طرف سے اسے مبارک باد دے دینا۔"

"یہ مبارک باد تم اسے خود بھی دے سکتے ہو۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

"مجھے ایک کام ہے میں بعد میں کال کرتا ہوں۔" اس نے جلدی سے کال ڈسکنیکٹ کردی۔ وہ مسکرادیا۔

"یعنی موصوف کا دل آگیا ہے۔ اب کچھ کرنا پڑے گا۔" اس نے زیرلب کہا اور پھر دھیرے سے مسکرادیا۔

☆.....☆.....☆

زبید اپنے نکاح سے فی الحال لاعلم تھا۔ نسرین بیگم نے اسے جلدی سے شاپنگ مال آنے کا کہا تو فون پر اس نے جواز پوچھا مگر وہ بتانے سے احتراز برتتی رہیں۔ وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھیں تب ہی وہ جھنجھلایا ہوا سا آفس سے سیدھا شاپنگ مال آیا تھا۔ وہاں نسرین بیگم، فائزہ اور کرن پہلے سے موجود تھیں۔ آج کرن نے کالج سے چھٹی کی تھی جبکہ عبیرہ تو چھٹی کے حق میں نہ تھی۔ وہ آج کل اپنی پڑھائی کے سلسلے میں بہت حساس ہوگئی تھی۔ اگلے ہفتے مڈ ٹرم جو تھے۔ بس اسی لیے ہر وقت کتابوں اور اسائنمنٹ میں گھسی رہتی۔ گھر میں کیا ہو رہا ہے اس سے بھی لاعلم تھی۔ صبح اٹھتی ناشتہ کرتی اور ناشتے کے دوران بھی ہاتھ میں کتاب رہتی۔ جس کی سزا کرن کو بھگتنی پڑتی تھی۔ زبید اسے طعنہ دیے بغیر نہ رہتا۔ اسی طرح کالج میں بھی وہ تمام کلاسیں اچھے سے اٹینڈ کررہی تھی۔ فارغ وقت میں لائبریری کے چکر لگاتی اور ڈھیروں کتابیں اشو کروالیتی۔ کوئی ایسا دن نہ گزرتا جب کرن اس کے ہاتھ میں نئی کتاب نہ دیکھتی۔

"تم تھکتی نہیں ہو ان سب سے؟" اکثر ایک ہی سوال اس کی زبان پر رہتا۔

"بھلا پڑھائی سے کیا تھکنا؟" یہ جواب اسے ازبر ہوچکا تھا پھر بھی جھنجھلا جاتی۔ کالج سے لوٹنے کے بعد وہ سیدھا اپنے کمرے میں جاتی اور کتابیں بکھیر کر گھنٹوں پڑھتی رہتی۔ اسائنمنٹ بناتی، اگلے دن کی پریزینٹیشن کی تیاری کرتی، لنچ اور ڈنر اکثر اس کے کمرے میں ہی بھجوادیا جاتا تھا۔

"کچھ اپنی صحت کا بھی خیال رکھو۔ اتنا پڑھو گی تو کمزور ہوجاؤ گی۔" فائزہ اسے سمجھاتی تو وہ مسکرادیتی۔

"پہلے امی پڑھنے سے روکتی تھی اور اب تم لیکن اس بار میں نہیں رکنے والی، اب جاؤ مجھے پڑھنا ہے ورنہ خالہ سے تمہاری شکایت کردوں گی کہوں گی کہ تم نہیں چاہتی کہ میں تم سے زیادہ پڑھوں۔" وہ اس کی بات پر حیران رہ جاتی اور مسکرا کر کمرے سے باہر چلی جاتی۔

"آپ نے مجھے جلدی آنے کو کیوں کہا؟" اس کا سانس بری طرح اکھڑا ہوا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ پارکنگ ایریا سے یہاں تقریباً بھاگتا ہوا آیا ہے۔

"بھئی..... تمہیں بلانا لازمی تھا اگر ناپ میں کچھ کمی بیشی رہ جاتی تو بعد میں تم مجھے ہی الزام دیتے۔" نسرین بیگم نے ایک سرمئی رنگ کی شیروانی اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ کرن نے بھی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

"ناپ..... مگر کس لیے؟" وہ ابھی تک انجان تھا۔

"بھئی..... تمہارے نکاح کے لیے۔ اوہ..... تمہیں بتانا یاد ہی نہیں رہا کہ کل تمہارے نکاح کی ڈیٹ فکس کی ہے تمہارے ڈیڈ نے۔" یہ اس کے لیے ایک حیران کن خبر تھی۔

"واٹ؟" بے اختیار لبوں سے نکلا، اسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا تب ہی تصدیق چاہی۔

"جی ہاں..... اور اگر کل آپ نکاح نہیں کرنا چاہتے تو ڈیڈی سے کہہ دیتی ہوں میں۔" کرن نے اسے چھیڑا۔

"تم چپ رہو..... ماما آپ سچ کہہ رہی ہیں، مجھے کسی



www.zemtime.com

نے بتایا ہی نہیں۔" وہ خاصا خوش دیکھائی دیا۔ چہرے پر رعنائیاں بکھر رہی تھیں۔ اس نے کن انکھیوں سے فائزہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی شرما گئی۔

"یہ شیروانی اچھی لگے گی تم پر۔" نسرین کا دل گرے رنگ پر ہی آیا تھا۔ وہ یہی شیروانی بار بار دیکھ رہی تھیں۔ اس نے بھی سر ہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ شاپنگ کے بعد وہ انہیں گھر لے آیا۔ لاؤنج میں شاپنگ کی چیز رکھنے کے بعد سب نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

"آج تو مزہ آگیا، ویسے تم نے عبیرہ کے لیے شاپنگ تو کرلی ناں؟ بے چاری تو گئی ہی نہیں بازار جب دیکھو کتابوں میں گھسی رہتی ہے۔ اسے تو یہ علم بھی نہیں کہ کل اس کی بہن کا نکاح ہے۔" نسرین کے چہرے پر حسرت کے تاثر تھے۔

"ماما..... میں نے تو کئی بار اسے کہا کہ بازار چلتے ہیں مگر وہ ہر بار منع کردیتی تھی، پتا نہیں اسے کیا نظر آتا ہے کتابوں میں۔ ایسا لگتا ہے صدیوں کی پیاسی ہے وہ علم کی۔" اس نے اچھی خاصی برائی کی۔

"شرم کرو تم..... تم سے تو لاکھ گنا اچھی ہے، جب دیکھو پڑھتی رہتی ہے، تمہاری طرح نہیں بس میک اپ کروالو یا پھر ڈیزائنر سے ڈریسز کے متعلق ڈسکس کروالو۔" زبید اس کی کھینچائی کا یہ موقع کیسے ہاتھ سے جانے دے سکتا۔

"اب تم دونوں پھر سے شروع مت ہوجانا۔" نسرین بیگم نے شاپنگ بیگ کھولتے ہوئے کہا۔

"آپ تو کچھ نہیں بول رہی بھابی..... بھائی کے سامنے آپ کو بولنا منع ہوتا ہے کیا؟ ویسے تو آپ بہت بولتی تھیں۔ برا تو نہیں لگا میں نے تم سے ڈائریکٹ آپ کہا۔ دراصل اب بھابی بننے جارہی ہیں ناں آپ اس لیے سوچا کہ کچھ لحاظ رکھ لوں آپ کا۔" اس نے میز پر رکھے سیب کو اٹھا کر کھانا شروع کردیا جواب میں وہ مسکرادی۔ تب ہی باہر سے کار کی آواز آئی۔

"لگتا ہے ڈرائیور لے آیا ہے عبیرہ کو، چلو اچھا ہے لگے ہاتھوں اسے بھی تمہارے نکاح کا علم ہوجائے گا، کچھ وہ بھی اپنی پسند ناپسند بتادے گی آخر بہن ہے اس کی۔" نسرین بیگم نے کہا۔

دروازہ کھول کر جیسے ہی وہ راہداری میں داخل ہوئی تو اندر سے ہنسنے کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائی، جانے کیوں اس کے قدم ایک پل کے لیے رکے تھے۔ اپنے بائیں شانے پر لٹکے ہینڈ بیگ کو اس نے سیدھا کیا اور شیشے کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے بکھرے بالوں کو سنوارا تھا۔

"یہ تو میں ہی پہنوں گی۔" کرن کی آواز آئی جو خاصا پرجوش انداز میں کہہ رہی تھی۔ وہ لمبی راہداری عبور کرنے کے بعد لاؤنج میں داخل ہوئی تو شاپنگ بیگز دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ یوں تو پچھلے کئی دنوں سے شاپنگ کا سلسلہ جاری تھا مگر آج تو حد ہوچکی تھی۔ چمکتے دمکتے سوٹوں کے ساتھ ساتھ کئی زیور بھی تھے۔ کرن ایک موتیوں کے ہار کو اپنے گلے سے لگا کر خوش ہورہی تھی۔ اس کی نگاہوں نے سب کا جائزہ لیا۔

"آؤ عبیرہ بیٹا..... بس تمہارا ہی انتظار تھا۔" نسرین بیگم کے لہجے میں چاشنی تھی مگر یہی چاشنی اسے زہر لگی تھی۔ وہ سب کچھ برداشت کرسکتی تھی مگر بے وفائی نہیں۔ اس کی نگاہیں سب کچھ نظر انداز کرسکتی تھیں مگر اس شیروانی کو نہیں جو زبید کے بالکل پاس رکھی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا اسی شیروانی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کی کلی بھی کھلی تھی یعنی جو خواب وہ بچپن سے دیکھ رہی تھی وہ پورا ہونے جارہا ہے۔

"تم ایسے کیا دیکھ رہی ہو، بھائی کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ آؤ تم بھی ساتھ دو ناں۔" کرن کے لفظوں نے اس کو حقیقتاً خوشی دی، وہ خوابوں میں ہی پھولوں کی سیج پہ جا بیٹھی تھی۔

"اور جانتی ہو کس کے ساتھ؟ فائزہ کے ساتھ اور وہ بھی کل۔" اس نے ایک دم اس کے سر پر بم پھوڑا، سر سے آسمان تو چھن ہی گیا تھا اب نیچے سے زمین بھی نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ کسی گہرے کنویں میں خود کو گرتا ہوا محسوس کررہی تھی جہاں چاروں اطراف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس کے شانے سے بیگ خود بخود پھسلا، آنکھوں میں



www.zemtime.com

نمی اس قدر آئی کہ خود کو سنبھالنا ناممکن ہوا۔ اب اگر وہ مزید یہاں رکتی تو اس کی کیفیت سب پر عیاں ہو جاتی۔ اس کا وجود جو پہلے ہی چھلنی ہو چکا تھا اب کانچ کے ٹکڑوں کی مثل بکھر جانا تھا۔

''اسے کیا ہوا؟'' سب اس کے اچانک وہاں سے بھاگ جانے پر حیران ہوئے۔ فائزہ کو بھی دھچکا لگا تھا۔

''بیگ بھی یہیں پھینک گئی۔'' کرن کی نظر سامنے گئی تو لفظ خود بخود ادا ہوئے۔ اس بار سب کو تشویش ہوئی۔

''فائزہ جا کر تو دیکھو کیا ہوا اسے؟'' نسرین کے کہنے پر وہ اٹھی اور عبیرہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کمرے میں آتے ہی اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا اور وہیں زمین پہ بیٹھ کر رونے لگی تھی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہہ رہے تھے، لبوں پر کئی شکوے ابھرے مگر لفظ تو جیسے معدوم ہو چکے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے دل کو کسی نے بری طرح مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ دھڑکنیں بھی بے ترتیب تھیں۔

''عبیرہ.....!'' فائزہ نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس کا نام پکارا۔ پہلی بار اسے اس کا پکارنا زہر لگا تھا۔ دل چاہا ابھی باہر جائے اور تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر دے اس نے ایسا کیوں کیا، کیوں اس کی خوشیوں کو چھینا، کیوں اس کی محبت پر ڈاکا ڈالا، وہ ان سوالوں کا جواب چاہتی تھی مگر سب شکوے اپنی ذات میں سمیٹے وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں لیتی رہی۔

''عبیرہ..... دروازہ کھولو، تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' اس کے لہجے میں فکر تھی۔

''پلیز..... دروازہ کھولو..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس کے الفاظ گویا زہر آلود تھے۔ ایک ایک حرف اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔ سسکیاں بھرتے وجود نے بہ مشکل اپنے آپ کو سنبھالا۔

''میرے سر میں درد ہے، مجھے آرام کرنا ہے۔'' دل کے زخموں کو سیتے ہوئے اس نے کہا۔

''سر میں درد ہے، دروازہ تو کھولو، میں تمہارا سر دبا دیتی ہوں۔ دیکھو عبیرہ دروازہ کھولو۔'' لہجے کی تشنگی کو وہ قطعاً بھانپ نہ سکی تب ہی جھوٹے لفظوں پر یقین کر لیا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ پلیز جاؤ۔'' پہلی بار اس نے سختی سے کہا، آنکھوں میں اس کے لیے صرف نفرت تھی۔ وہ نفرت جو کسی بھی رقیب کے لیے ہوا کرتی ہے۔ اپنے چہرے کو نوچتے ہوئے وہ وہیں زمین پر لیٹ گئی تھی۔ اپنے نصیب پر ماتم کرتے کرتے کب اس کی آنکھ لگی اسے خبر نہ ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج کا دن جہاں سب کے لیے خوشیوں کا پیامبر تھا وہیں اس کے لیے بڑا بھاری تھا۔ سب نکاح کی تقریب میں پوری طرح مشغول تھے۔ اسی لیے ناشتے کی میز پر بھی سب اکٹھے نہ ہو سکے تھے جس کو وقت ملتا گیا وہ ناشتہ کرتا رہا۔ اشرف صاحب نے بھی اپنے ذمہ کئی کام لے رکھے تھے۔ آنے کو تو کاشف بھی صبح سے آجاتا مگر اسے ایک ضروری کام تھا جس کی وجہ سے اس نے باقاعدہ فون کر کے زبید سے معذرت کر لی تھی۔

''تم بہت مطلبی دوست ہو، وقت آنے پر ایسے پیچھے ہٹے، بے فکر رہو۔ کل تمہارا بھی وقت آئے گا اور تم مجھے اپنے جیسا ہی پاؤ گے۔'' زبید نے کہہ کر فون بند کر دیا اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ کہاں سننے والا تھا۔

''کوئی بات نہیں..... وقتی غصہ ہے اور جائز بھی ہے، بعد میں سمجھاؤں گا تو سمجھ جائے گا۔'' اس کی آج بہت اہم میٹنگ تھی اگر وہ کینسل ہو جاتی تو اسے لاکھوں کا نقصان ہو سکتا تھا۔ بس اسی وجہ سے اس نے منع کیا تھا مگر اس کا پورا ارادہ تھا کہ وہ وقت سے پہلے پہنچ جائے گا۔

''ساری تیاریاں ہو گئی ہیں ناں؟'' نسرین بیگم نے کرن سے پوچھا، اس نے اپنے کپڑوں پر نگاہ دوڑائی۔ گول گول گھوم کر اپنے آپ کو دیکھا اور پھر ہاں میں سر ہلا دیا۔ نسرین بیگم نے سر پکڑ لیا۔

''یہ تو ایسی ہی ہے ماما۔'' زبید نے یہ موقع بھی ہاتھ

www.zemtime.com

سے جانے نہ دیا۔

"ارے میں تمہاری نہیں دلہن کی بات کر رہی تھی۔ تم نے اسے دیکھا تیار ہوگئی وہ؟ کچھ دیر بعد مہمان جمع ہونا شروع ہوجائیں گے۔" نسرین بیگم نے کہا۔

"وہاں تو شاید عبیرہ ہے ناں۔ ویسے بھی سگی بہن کا زیادہ حق بنتا ہے اپنی بہن کو تیار کرنے کا۔" کرن نے پہلی بار سمجھداری کی بات کی جس پر نسرین بیگم نے داد دی۔

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا، ویسے صبح سے وہ بھی نظر نہیں آرہی شاید اسی کے کمرے میں ہو۔ خیر جب تم فارغ ہوجاؤ تو ایک چکر لگا آنا، انہیں کسی مدد کی ضرورت نہ ہو، مجھے تو یہاں سے ہی فرصت نہیں مل رہی ورنہ تمہیں نہ کہتی۔ شمو ادھر آؤ قاضی صاحب کو تو وقت کا بتا دیا تھا؟"

"اس کی فکر نہ کریں۔ قاضی صاحب کو میں نے وقت کا بتا دیا تھا آپ باقی کے کام سمیٹ لیں۔ ویسے بھی بہت کم ٹائم بچا ہے۔" شمو کی بجائے اشرف صاحب نے جواب دیا۔

"بہت خوب..... یہ تو آپ نے اچھا کیا اور تم زبید..... تم کب تیار ہوگے؟ دیکھو تم بھی تیار ہوجاؤ۔ کیا اپنے نکاح میں یہی کپڑے پہننے کا ارادہ ہے اور تمہارا دوست کیا نام ہے اس کا کاشف..... وہ نظر نہیں آرہا، اسے بتایا بھی یا نہیں؟" ایک ساتھ ہی وہ کئی سوال کر گئی تھیں۔ اس کو کوئی کام نہ سونپ دیا جائے، بس اسی ڈر سے کرن نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔

"بالکل ماما..... اسے بتا دیا تھا۔ بس اسے ایک ضروری کام پڑ گیا اچانک سے۔ اسی لیے دیر ہوگئی۔ کہہ رہا تھا نکاح سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔" اس نے وضاحت پیش کی۔

"صحیح۔" کہتے ہوئے وہ لاؤنج کی طرف بڑھیں۔

"میرے خیال سے تمہاری ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں، تمہیں بھی تیار ہوجانا چاہیے، مہمان بھی آتے ہوں گے میں ذرا باہر دیکھ کر آتا ہوں کہ تیاریاں ٹھیک سے چل رہی ہیں؟" اشرف صاحب نے بھی فرمان جاری کیا، اب تو اس کا تیار ہونا بنتا تھا۔ تب ہی اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

ادھر سب مصروف تھے۔ ادھر عبیرہ کسی کو بنا بتائے کالج چلی گئی تھی، وہ اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب ہوتا قطعاً نہیں دیکھ سکتی تھی، ایک بار تو دل چاہا کہ جا کر سب کو سچ سچ بتا دے مگر پھر خود ہی حوصلہ ہار گئی، اپنی بہن کی خوشیوں کی قاتل وہ کیسے بن سکتی تھی، اپنے خواب تو ٹوٹے، اس کے سپنوں کو کیسے بکھیر سکتی تھی؟ خوابوں کے ٹوٹنے کا دکھ کتنا گہرا ہوتا ہے اس سے بہتر بھلا کون جان سکتا تھا۔ سب سے بڑھ کر جو منظر اس نے صبح دیکھا، اس کے بعد تو کوئی بھی امید رکھنا بے کار تھا۔ وہ اگرچہ اسے چاہتی تھی مگر بھیگ یا ترس کھا کر ملی محبت اسے ہرگز قبول نہ تھی۔

صبح جب وہ اپنے کمرے سے نکلی تو راہداری میں فائزہ اور زبید کھڑے تھے، جانے آپس میں کیا باتیں ہو رہی تھیں؟ اسے کوئی غرض نہ تھی، وہ تو بس اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی جہاں فقط فائزہ کے لیے چاہت تھی۔ وہ مقام تھا جو اس نے کبھی اپنے لیے نہیں دیکھا اگر دیکھا بھی تھا تو شاید خوابوں میں ہی اور خواب تو خواب ہوتے ہیں، یہ تو بنتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں اس کے بھی ٹوٹ گئے تھے۔ تب ہی اس نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی کو کچھ نہیں کہہ گی۔ اپنا دکھ اپنے دل میں ہی کہیں دفن کرلے گی۔ ان خشک پتوں کی طرح جو سرسبز درختوں سے زمین پر اس آس سے گرتے ہیں کہ شاید وہ دوبارہ اسی درخت کا حصہ بن سکیں مگر یہ حسرت لیے وہ وہیں اس کے پہلو میں پڑے پڑے دم توڑ دیتے ہیں۔ لوگوں کے پاؤں کی خاک چھانتے ہیں مگر دوبارہ لوٹ کر نہیں جاتے۔

لیکچر کے دوران وہ کھوئی کھوئی رہی تھی۔ خالی پیریڈ کے دوران اس نے اپنے آپ کو مصروف رکھنا چاہا تب ہی لائبریری چلی گئی مگر جانے کیوں آج کتابیں بھی اس کے لیے بوجھ ثابت ہو رہی تھیں۔ جس کتاب کو چھوتی وہی بوجھل محسوس ہوتی۔ جس وجود کو دیکھتی اس کی ذات کا تمسخر اڑاتا محسوس ہوتا۔ اب اس کے لیے یہ سب برداشت کرنا

www.zemtime.com

ناممکن ہو چکا تھا۔ تب ہی اپنی چیزیں سمیٹ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر آئی مگر اندر کی کیفیت تبدیل نہ ہوئی۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا میرے ساتھ زبید؟ اگر میرا نہیں ہونا تھا تو اپنی ذات کے خواب کیوں دیکھائے، کیوں میرے خوابوں میں آکر میرے جذبات کے ساتھ کھیلتے رہے؟ بچپن سے آج تک میں اس آس پر جیتی رہی کہ آپ میرے سب سے اچھے دوست ہیں مگر جب آپ کو دیکھا تو ایسا محسوس ہوا کہ یہ دوستی نہیں بلکہ دوستی سے بڑھ کر جذبہ ہے مگر آپ نے اس جذبے کو بری طرح روندھ ڈالا، میری ذات کو فراموش کرنا ہی تھا تو بہت پہلے کر دیا ہوتا۔ اتنی دیر تو نہ لگاتے اگر پہلے فراموش کرتے تو مجھے آج اتنا دکھ اور درد تو نہ ہوتا۔ میری یہ کیفیت تو نہ ہوتی۔"

پھولوں سے سجے لان میں وہ ایک بینچ پر بیٹھے آسمان کی طرف چہرہ کر کے دل ہی دل میں شکوہ کر رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے جو بہہ رہے تھے۔ ایسے میں کب کالج کا وقت ختم ہوا، اسے علم بھی نہ ہوا۔ ہر اسٹوڈنٹ کالج کے خارجی دروازے تک جاتا دیکھائی دیا مگر وہ بیٹھی رہی۔ ارد گرد کے ماحول سے غافل..... اپنی ہی ذات میں کھوئے ہوئے۔

"کیا ہوا..... تمہیں آج لینے کوئی نہیں آئے کیا؟" روشنی پارکنگ ایریا سے لوٹ آئی تھی۔ اس نے عبیرہ کو یوں بیٹھے دیکھا تو فوراً سوال کیا۔ اس کے سوال کرنے پر وہ چونکی اور بھیگی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے اس پر گہری نگاہ ڈالی۔

"یہ کیا..... تم رو رہی تھی؟" اسے تشویش ہوئی، ساتھ بیٹھ کر اس کا جواز جاننا چاہا۔

"کیا ہوا..... مجھے بتاؤ، کسی نے کچھ کہا تم سے، کسی نے ڈانٹا ہے کیا؟" وہ خود سے اندازے لگا رہی تھی جو بالکل غلط تھے، اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں، بس یوں ہی دل بھر آیا تھا، میرے خیال سے تمہیں بلا رہے ہیں۔ تمہیں جانا چاہیے۔" اس نے بہ مشکل کہا۔

"مگر تم یہاں اکیلی بیٹھی ہو؟ اگر کوئی لینے نہیں آیا تو میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" اس نے پیشکش کی مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ تم جاؤ میں چلی جاؤں گی۔" اس نے بناوٹی مسکراہٹ کو چہرے پر لانے کی کوشش کی، اس دن اسے احساس ہوا کہ وہ ایسا بھی کر سکتی ہے۔ اپنے دکھ درد کو دل میں چھپا کر دوسروں کے سامنے خوش ہونے کا جھوٹا ناٹک کرنا کتنا اذیت دیتا ہے اسے آج محسوس ہوا تھا۔

"پکا؟" اسے شک تھا کہ کوئی بات ضرور ہے جو اسے اندر ہی اندر تکلیف پہنچا رہی ہے۔ جاتے ہوئے اس نے سوچا کہ وہ اس کا تذکرہ کرن سے لازمی کرے گی۔ آخر وہ اس کی کزن ہے اسے لازمی معلوم ہوگا اس کا جواز۔

اس کے جانے کے بعد وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے ارد گرد دیکھا تو سوائے مہکتے پھولوں کے کوئی نہ تھا۔ پارکنگ ایریا بھی اب خالی ہو چکا تھا۔ ٹیچرز کے پارکنگ ایریا سے بھی کاریں اب تیزی کے ساتھ کم ہو رہی تھیں۔ اسے اب وہاں سے چلے جانا تھا مگر جاتی کہاں؟ ڈرائیور کو اس نے واپسی پر لینے سے منع کر دیا تھا۔ ایسا کیوں کیا وہ خود نہیں جانتی تھی۔ بس دل نے چاہا تو کہہ دیا تھا۔ وہ اپنے بیگ کو شانوں پر لٹکائے کالج سے باہر آئی تو تیز چمکتی دھوپ سے اس کی آنکھیں چندھیائیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو زندگی رواں دواں تھی۔ کسی کو اس کی ذات میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ڈھیلے قدموں کے ساتھ فٹ پاتھ پر چلنے لگی، اسے معلوم تھا کہ گھر میں سب بہت مصروف ہوں گے کہ کسی کو اس کی خبر ہی نہ ہوگی۔ شاید وہ لینے بھی نہ آئیں۔ بس یونہی بے مقصد چلتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ ایک کار اس کے عین قریب آکر رکی ہے مگر اس نے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے ایک شناسا چہرہ سامنے تھا۔

"عبیرہ..... آپ..... یہاں؟" وہ اسے وہاں دیکھ کر



www.zemtime.com

خاصا چونکا اسے قطعاً یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اس وقت یہاں ہوسکتی ہے مگر وہ اس کی آواز کیوں کر سن سکتی تھی؟ اپنے بوجھل دل کو بہ مشکل سنبھالے وہ آگے بڑھتی رہی۔ اس کے پکارنے پر وہ نہ رکی تو اس نے شانوں کو ہلکا سا چھوا جس پر وہ بری طرح چونکی اور پلٹ کر دیکھا تو وہاں کاشف کھڑا تھا جو یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ یہاں کیسے.....! آج تو آپ کی بہن کا نکاح ہے اور آپ اس طرح یہاں، خیریت تو ہے؟'' اس کا فکر مند لہجہ تھا مگر وہ خاموش رہی بس آنکھوں میں بھرے سمندر کو روکنے کی اپنی تئیں کوشش کی مگر جانے کیسے اب ان کا تھمنا مشکل ہوچکا تھا۔ ایک قطرہ آنکھوں کے کناروں پر چمکنے لگا جسے وہ اس کے صاف کرنے سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

''چلیں میرے ساتھ، کار میں بیٹھیں۔'' اس نے اس کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور وہ بھی بنا کوئی مزاحمت کیے بیٹھ گئی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوا اور کار دوبارہ اسٹارٹ کی۔

''آپ کو تو اس وقت گھر ہونا چاہیے تھا، آج آپ کی بہن کا نکاح ہے۔'' وہ بار بار اس جملے کو دہرا رہا تھا جو وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ جس سے پیچھا چھڑا کر ہی وہ کالج آئی تھی۔ یہاں بھی وہی لفظ، وہی جملے سننے کو مل رہے تھے۔ اس کے چہرے پر تاثر یکسر بدلنے لگے تھے۔ وہ گم صم ونڈو اسکرین کی طرف نظر جمائے جانے کس سوچوں میں گم تھی۔ عبیرہ کی یہ کیفیت اس کے لیے بالکل نئی تھی۔

''کیا ہوا..... تم ٹھیک تو ہوناں؟'' اس نے دوبارہ سے اس کے شانوں کو ہلکا سا چھوا، اس نے جھرجھری لی اور پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو آنکھوں میں آنسوؤں کے سمندر کو آباد دیکھا، ایسا لگا جیسے وہ ابھی رو دے گی۔

''تم روئی تھی؟'' اس کی سرخ آنکھوں سے اس نے اندازہ لگایا تو اس کے جذبات بپھر گئے اور دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپائے وہ رونے لگی۔ اس کی کیفیت دیکھ کر اس کا پاؤں بریک پر پڑا اور ہاتھ اسٹیرنگ سے اٹھ کر اس کے وجود کی طرف بڑھے مگر چھونے سے اجتناب برتا۔

''کیا ہوا عبیرہ، کسی نے کچھ کہا کیا، گھر میں کوئی بات ہوئی؟ تم مجھے بتا سکتی ہو۔'' وہ اسے روتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے آنسو اس کی سانسوں کو عجیب سی کشمکش میں مبتلا کیے دے رہے تھے جبکہ وہ اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی۔ وہ جی بھر کے روئی اور اس نے اس کو رونے دیا تھا۔ کافی دیر بعد جب اس نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ اٹھایا تو کاشف نے ٹشو بکس سے کئی لیف نکال کر اسے پکڑائے جس سے اس نے اپنے چہرے کو اچھے سے صاف کیا۔

''اب بتائیں گی آپ..... ایسا کیا ہوا جس نے آپ کو اتنا زیادہ ہرٹ کیا؟'' وہ کسی بھی طرح جواز جاننے کا خواہ تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں..... بس دل بھر آیا تھا۔'' اس نے جھوٹ بولا، سچ بتا کر بھی کیا ملتا، کون سا حقیقت بدل جانی تھی جو نکاح کچھ پلوں میں ہونے جارہا تھا وہ کون سا ٹل جانا تھا۔

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں، کوئی بلاوجہ نہیں روتا۔ جہاں تک دل بھر آنے کا سوال ہے تو دل بھی جب بھر آتا ہے جب کسی نے تکلیف پہنچائی ہو یا کسی اپنے سے وہ دکھ ملا ہو جس کی ہمیں توقع ہی نہ ہو۔'' اس کی بات پر اس نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کس قدر بے چین دیکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شکنیں اس کی بے قراری کا ثبوت تھیں۔ وہ بھی ان آنکھوں میں سرخی کو دیکھ سکتا تھا۔

''شاید میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا تو وہ چونکا۔

''مطلب؟'' وہ شش و پنج میں مبتلا ہوا۔

''مطلب رہنے دیں۔ میرے خیال سے اس کے بتانے کا کوئی جواز نہیں اب۔'' اس نے بات ٹالتے ہوئے دوبارہ ونڈو اسکرین کی طرف نظریں جمالیں۔

''ٹھیک ہے..... اگر آپ بتانا نہیں چاہتیں تو میں آپ پر دباؤ بھی نہیں ڈالوں گا لیکن گھر جا کر اس بات کا تذکرہ زبید سے لازمی کروں گا۔ وہ خود ہی آپ سے پوچھ



www.zemtime.com

لے گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"نہیں..... زبید کو کچھ مت بتایئے گا۔" اس نے کہا وہ تشویش میں مبتلا ہوا۔ گہری نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے کار دوبارہ اسٹارٹ کی۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" کچھ دور آنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"گھر۔" اس نے بنا دیکھے مختصراً کہا۔

"مگر مجھے نہیں جانا۔" معاملے کی سنگینی اب اس کو سمجھ آنا شروع ہوئی، اس نے اس کی طرف دیکھا۔ انداز اب بھی کھویا کھویا تھا۔

"مگر جانا پڑے گا آج آپ کی بہن اور میرے دوست کا نکاح ہے اور اپنوں کی خوشی میں شریک ہونے سے اکثر دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔" اس بار وہ خاموش رہی۔ اردگرد کی تیز رفتار گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے دل میں سوچا۔

"اگر اپنے ہی اس بوجھ کا سبب ہوں تو کیا کریں؟" کاش وہ کہہ سکتی مگر لب خاموش رہے، وہ وقتاً فوقتاً اسے دیکھتا رہا مگر وہ بے خبر تھی۔

☆.....☆.....☆

گھر میں سب عبیرہ کی غیر موجودگی پر پریشان تھے۔ فائزہ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے، کل کا رویہ بھی اس کے سامنے تھا ایسے میں ایک عجیب سا ڈر دل میں گھر کرنے لگا تھا۔

"جانے کہاں ہے عبیرہ؟ فون بھی بند ہے۔" کرن نے کئی بار اس کا نمبر ڈائل کیا مگر وہ سوئچ آف جا رہا تھا۔ جس سے ان کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوا۔ خوشی کا ماحول جیسے یاسیت میں گھر گیا تھا۔ تب ہی راہداری سے قدموں کی چاپ نے سب کی توجہ اپنی جانب کی اور اگلے ہی پل وہاں کاشف اور عبیرہ کھڑے تھے جسے دیکھ کر وہ دلہن کے لباس میں دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اور اسے گلے لگا لیا تھا۔

"کہاں چلی گئی تھی تم، تمہیں معلوم بھی ہے میں کتنا


آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل کراچی

ماہنامہ حجاب کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 1050 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

23000 روپے

مڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

21500 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام و ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

بلڈنگ نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ
بلاک A، ناظم آباد کراچی 74700

فون نمبرز: 0300-8264242

naeyufaq.com

Info@naeyufaq.com


www.zemtime.com

پریشان ہوگئی تھی؟ تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔" وہ بت بنی کھڑی سب کچھ سنتی رہی تھی۔ یہ لہجہ بھی اسے بناوٹی لگا تھا۔

"کہاں گئی تھی تم اگر جانا ضروری تھا تو بتا کر تو جانا تھا؟ کتنے فکر مند تھے سب تمہارے لیے۔" زبید نے بھی اپنی ناراضی کا اظہار کیا تو اس نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ کاش وہ سب کی جگہ یہ کہتا کہ اسے اس کی فکر تھی مگر یہاں بھی وہ بے وفائی کر گیا۔

"بولو..... کچھ بولتی کیوں نہیں ہو تم؟" اس نے دھیرے سے اس کو جھنجوڑا تب ہی زبید کاشف کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ تو کچھ بول ہی نہیں رہی تم ہی بتاؤ کہاں گئی تھی یہ اور تمہیں کہاں ملی؟" زبید کے سوال پر اسے ایسا لگا جیسے وہ سب کچھ انہیں بتا دے گا۔ تب ہی برق رفتاری سے مداخلت کی۔

"آج کچھ ضروری ٹیسٹ دینا تھا۔ بس اسی لیے کالج چلی گئی۔ راستے میں مجھے آپ کے دوست ملے۔ بس اس لیے آنے میں دیر ہوگئی۔" اس نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔ عبیرہ کے اس لہجے پر کاشف سمیت سب نے اس کو بغور دیکھا۔

"اس جھوٹ کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟" کاشف نے دل میں سوچا مگر سچ بتانے سے احتراز برتا۔

"اگر ایسا تھا تو بتا تو سکتی تھی تم۔ خیر جو ہوا سو ہوا اب ایسا کرو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ تمہاری بہن بھی تمہارے لیے بہت فکر مند تھی۔ تم آؤ گی تو یہ نکاح شروع کریں۔" نسرین بیگم کا فرمان ایک بار پھر اس پر پہاڑ بن کر ٹوٹا، جس بات سے وہ بھاگ رہی تھی بالآخر اس کے سامنے تھی۔ ایک پل کے لیے تو وہ پتھرا سی گئی تھی مگر سب کی نظروں کے سامنے اپنی ذات کو کیسے سوالیہ نشان بنتے دیکھ سکتی تھی۔ تب ہی خود کو سنبھالا اور اپنے کمرے میں آ کر تیار ہوئی اور دس منٹ بعد واپس لاؤنج میں موجود تھی۔

سب اسی کے منتظر تھے۔ عبیرہ اور زبید ایک ساتھ صوفے پر بیٹھے تھے۔ زبید کے ساتھ ہی اشرف صاحب جبکہ عبیرہ کے ساتھ نسرین بیگم تھیں۔ کرن بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ قاضی صاحب بھی آ گئے تھے۔ مہمانوں کی اس بھیڑ میں وہ خود کو سب سے بے گانہ تصور کر رہی تھی۔ سب سے پیچھے زینے کے عین پاس کھڑی وہ پرنم آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سیج جہاں وہ خود کو دیکھنا چاہتی تھی آج اس کی بہن تھی۔ جس وجود کے ساتھ خود کو منسوب کرنا چاہتی تھی۔ آج وہ کسی اور کو اپنا شریک حیات بنانے جا رہا تھا اور وہ بالکل بے بس و مجبور تھی۔ خالی ہاتھوں میں سوائے یادوں کے ایک لامحدود تسلسل کے کچھ بھی نہ تھا۔ قاضی صاحب نے نکاح پڑھانا شروع کیا تو خود کو سنبھالنا مشکل ہوگیا اور وہ بھاگتی ہوئی لان میں آ گئی۔ کاشف نے اسے راہداری کی طرف جاتا دیکھا تب ہی اس کے پیچھے گیا۔

لان میں آ کر وہ خوب روئی، دل کا غبار ان آنسوؤں میں بہانا چاہا مگر یہاں بھی کاشف آ گیا۔ اسے اپنے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں چھپانا پڑا۔

"کیا ہوا عبیرہ، آپ وہاں سے چلی کیوں آئیں؟" وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا تب ہی اس کے آنسو نہ دیکھ پایا تھا۔ اس نے سسکی بھرتے اپنے چہرے کو صاف کیا۔

"اندر میرا دم گھٹ رہا تھا اس لیے سوچا باہر کھلی فضا میں سانس لے لوں۔ شاید دل بہل جائے۔" جذبات و احساسات سے لبریز لفظوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ وہ اس کے سامنے آیا آنکھیں پہلے کی طرح سرخ تھیں۔

"تم رو رہی تھی؟" ایک بار پھر اس نے وہی سوال کیا۔

"آپ بار بار ایک ہی سوال کیوں پوچھ رہے ہیں؟ میں بالکل ٹھیک ہوں اور آپ بار بار میرے پاس مت آئیں، اندر مہمان جمع ہیں جانے کیا سوچیں گے۔" اس نے بات کا رخ بدلنا چاہا اور اپنے دوپٹے سے منہ پونچھتے ہوئے اندر کی جانب چل دی۔

"کوئی تو بات ہے جو آپ کو اندر ہی اندر پریشان کر رہی ہے اگر مناسب سمجھیں تو مجھے بتا سکتی ہیں، میں



www.zemtime.com

وعدہ کرتا ہوں آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔" اس کے کہنے پر وہ رکی۔ دل نے کہا کہ اسے بتا کر اپنا بوجھ ہلکا کرلے مگر پھر بدنامی کا خوف ہوا۔

"میرا نہیں خیال کہ آپ کے پاس میری اس تکلیف کی کوئی دوا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چل گئی۔

"یعنی کوئی تو بات ضرور ہے جو عبیرہ بتانا نہیں چاہتی، مجھے معلوم کرنا ہوگا۔" اس کے کھوئے ہوئے انداز اور پرنم آنکھوں سے وہ اتنا تو بھانپ ہی چکا تھا۔ تب ہی اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوا تھا۔ وہ اسے دکھی دیکھتا تو جانے کیوں اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہوجاتیں۔ سانس لیتے ہوئے بھی ایک بے چینی محسوس ہوتی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آنسوؤں کو پونچھنا چاہتا تھا مگر اس کے لیے پہلے سبب جاننا زیادہ ضروری تھا جو کہ وہ قطعاً پر خود سے بتانا نہیں چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ کھڑکی کے پاس کھڑا ابھی تک عبیرہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے آنکھوں میں چھایا درد اسے اندر ہی اندر کھائے جارہا تھا۔

"آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے اس کے یوں خاموش رہنے کی، پہلے تو وہ ایسے نہیں تھی۔ کوئی تو وجہ ضرور ہے مگر کیا؟" اس نے دیوار سے اپنی پشت ٹکائی۔ آنکھیں بند کرکے وہ اسی سبب کی تلاش میں ایک انجان دنیا میں نکل گیا تھا۔ قدموں کی آہٹ کمرے میں گونجی تو اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

"کیا ہوا..... تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ پہلے تو میں نے تمہیں اتنا پریشان نہیں دیکھا۔" شائستہ دودھ کا گلاس لیے کمرے میں آئی تھیں۔

"کچھ نہیں آپی، بس ایک دوست کے بارے میں سوچ رہا تھا، آج کل وہ بہت ٹینس ہے مگر وجہ بتا ہی نہیں رہی۔" جملے کے آخری حصے پر وہ چونکیں۔ دودھ کا گلاس میز پر رکھ کر وہ اس کے ذرا قریب آئیں۔

"صرف دوست؟" سوال سادہ تھا مگر معنی رکھتا تھا۔ آج تک کاشف نے کبھی کسی لڑکی کو اپنی دوست نہیں کہا تھا۔ آج اچانک اس کے لبوں سے ایسا جملہ سن کر وہ چونکیں۔

"جی آپی، آپ کو یاد ہے ناں میں زبید کے ساتھ گیا تھا شمالی علاقہ جات، وہاں اس کی کزن سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہاں تو وہ بہت خوش اخلاق لڑکی تھی مگر یہاں آنے کے بعد اس کا انداز ہی کچھ جدا ہے، نہ وہ پہلے کی طرح ہنستی ہے اور نہ بولتی ہے، کئی بار تو میں نے اسے روتے بھی دیکھا ہے اور جب پوچھتا ہوں تو خاموش ہوجاتی ہے یا پھر ایسا جواب دیتی ہے جس کا مفہوم میں سمجھ ہی نہیں پاتا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیسے مدد کروں اس کی؟" اس نے پوری تفصیل بتائی۔

"معاملہ تو کافی سنگین لگتا ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔

"بالکل..... میں نے اس کی آنکھوں میں کئی بار آنسو بھی دیکھے ہیں جنہیں وہ سب سے چھپا کر رکھتی ہے مگر جانے کیوں میری نگاہوں سے وہ چھپ نہیں پاتے، میں جب بھی اسے ایسے چپکے چپکے روتے دیکھتا ہوں ناں تو میرا دل بھی رونے کو چاہتا ہے۔ دل چاہتا ہے یا تو اس کے آنسوؤں کا سبب ڈھونڈ کر اس کی تسکین کا سبب بنوں یا پھر خود بھی اس کے ساتھ رو دوں۔ ایسا کیوں جی چاہتا ہے، میں خود نہیں جانتا بس جانتا ہوں تو صرف اتنا کہ میں اسے روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔" اس کا کھویا کھویا لہجہ اس کے جذبات کی عکاسی کررہا تھا۔ وہ عجیب سی حالت سے دوچار تھا۔

"ان سب کا کیا مطلب ہے میں تو اچھے سے سمجھ گئی ہوں۔ اب بہتر یہ ہوگا تم بھی سمجھ جاؤ، جہاں تک ان سب باتوں کا سولیوشن کا سوال ہے؟ میرے نزدیک تو ایک ہی حل باقی بچا ہے، وہ یہ کہ جلد سے جلد اس لڑکی سے میری ملاقات کراؤ تاکہ بات آگے بڑھائی جاسکے۔" انہوں نے پیار سے اس کے گال کو چھوا۔



www.zemtime.com

"نہیں آپی..... آپ شاید سمجھی نہیں۔" وہ کھڑا ہوا۔ اضطرابی کیفیت کا سبب کچھ اور ہی تھا۔

"اچھے سے سمجھ چکی ہوں، میرے بھائی کا دل آچکا ہے اس پر۔ جب کسی پر دل آتا ہے تب ہی خواب وخیال پر کوئی قابض ہوتا ہے۔" وہ بھی اٹھیں اور اس کے سر پر ہلکا سا تھپڑ رسید کیا۔

"مگر آپی میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ سب سے کیا چھپا رہی ہے؟ آپ تو ایک عورت ہیں، آپ جانتی ہوں گی کہ ایک لڑکی کب روتی ہے، کب وہ اپنے درد کو سب سے چھپانے کی کوشش کرتی ہے، کب وہ آنسوؤں کو سب سے چھپ کر بہاتی ہے، پلیز آپی بتائیں ناں؟" وہ فوراً شائستہ کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام کر بچوں کی طرح پوچھنے لگا، وہ اس کی عجیب وغریب کیفیت پر پتھرا سی گئی۔ وہ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے ہمدردی ومحبت کے ملے جلے احساس دیکھ سکتی تھیں۔

"میں پورے اعتماد کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی کیونکہ ہر انسان کے اپنے احساسات وجذبات ہوتے ہیں، آنسو جو بظاہر ایک سے نظر آتے ہیں مگر ان کا جواز مختلف ہوسکتا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے کھڑکی کی طرف آئیں۔

"اور یہ آنسو زیادہ تر تب ہی بارش کی بوندوں کی طرح برسنا شروع ہوتے ہیں جب کوئی اندر سے ٹوٹا ہو، بری طرح اس کے جذبات کا خون کیا گیا ہو کیونکہ انسان اس وقت ہی جی بھر کے روتا ہے جب اس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہ بچا ہو۔ جو تھا وہ بھی کھو چکا ہو، بکھر چکا ہو۔" شائستہ کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"میرا نہیں خیال آپ کے پاس میری اس تکلیف کی کوئی دوا ہے۔" عبیرہ کے الفاظ دوبارہ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔

"یعنی اس کا دل بری طرح سے ٹوٹا ہے۔" بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

"شاید۔" شائستہ نے جواب دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ایک عرصے بعد کاشف اپنی بہن شائستہ کے ساتھ زبید کے گھر آیا تھا۔ فائزہ ان کے لیے چائے کا بندوبست کرنے کچن میں چلی گئی تھی۔

"ابھی تو تمہاری شادی ہوئی ہے اور ابھی سے کام شروع کردیا۔ ابھی تو تمہاری مہندی کا رنگ بھی پھیکا نہیں پڑا۔" شائستہ نے کہا۔

"میں نے تو کئی بار روکا ہے اسے مگر یہ سنتی ہی نہیں، ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی عادت ہے اس کی۔" نسرین بیگم نے بھی پیار بھرا شکوہ کیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، نصیبوں والوں کو ملتی ہے ایسی بہوئیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا اور ایک نگاہ کاشف کی طرف ڈالی۔

"یار زبید یہ عبیرہ نظر نہیں آرہی۔" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے، ایگزام کی تیاری کررہی ہے۔" اس نے جواب دیا جس پر اس کے چہرے پر تشویش و پنج کے تاثر بکھرے تب ہی فائزہ سب کے لیے چائے لے آئی تھی۔

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔"

"اپنوں کے لیے کیسا تکلف؟ یہ تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ آنے والے مہمانوں کی میزبانی کی جائے۔" شائستگی کے ساتھ اس نے چائے پیش کی۔ جیسے ہی اس نے چائے کا کپ کاشف کو پکڑایا اس نے جان بوجھ کر کپ ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

"ایم سوری۔" وہ ہڑبڑائی چہرے پر بھی شرمندگی کا تاثر ابھرا تھا۔

"اٹس اوکے بھابی..... ٹھیک ہوجائے گا، میں ایسا کرتا ہوں واش روم میں جاکر دھو لیتا ہوں۔" اس نے وہاں سے جانے کا بہانہ کیا۔

"بالکل..... بلکہ ایسا کرو، میں تمہیں اپنی شرٹ دیتا ہوں تم چینج کرلو۔" زبید بھی اٹھ کھڑا ہوا۔



www.zemtime.com

"یار، تجھے میرے ساتھ چلنے کی ضرورت نہیں، میں یہاں پہلے بھی آتا رہا ہوں۔ مجھے اچھے سے معلوم ہے تیرا کمرہ کہاں ہے، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو لے لوں گا شرٹ بھی۔" اس بات پر وہ ہنسا اور واپس بیٹھ گیا۔ فائزہ نے باقی لوگوں کو پہلے سے محتاط انداز میں چائے سرو کی۔

"ویسے یہاں آنے کا ہمارا ایک مقصد ہے۔" شائستہ نے اپنے آنے کا مقصد بیان کرنا چاہا۔ جس پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک پل کے لیے فائزہ نے بھی اس کی طرف دیکھا۔

"مقصد..... کیسا مقصد؟" نسرین بیگم کا انداز استفہامیہ ہوا۔

"اب سمجھ میں نہیں آرہا کہ بات کہاں سے شروع کروں اور کرنی بھی چاہیے یا نہیں مگر....." وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئی۔

"بیٹا..... جو بات کرنا چاہتی ہو کھل کر کرو۔ یہاں سب اپنے ہی تو ہیں اور اپنوں میں کیسا تکلف؟" اشرف صاحب نے بھی اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"دراصل بات یہ ہے انکل..... میں عبیرہ کا رشتہ لے کر آئی ہوں کاشف کے لیے۔" یہ بات سن کر سب ایک لمحے کے لیے چونکے۔

"دیکھیں..... اگر آپ کو برا لگا تو میں معذرت چاہتی ہوں۔" اس نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے بات سنبھالنا چاہی۔

"نہیں..... ایسی بات نہیں ہے، دراصل عبیرہ ابھی چھوٹی ہے اور اس کی پڑھائی بھی مکمل نہیں ہوئی۔" نسرین بیگم نے وضاحت کرنی چاہی۔

"پڑھائی کی آپ فکر نہ کریں، کاشف تو خود اس کے پڑھنے کے حق میں ہے۔ وہ شادی کے بعد بھی اپنی پڑھائی جاری رکھ سکتی ہے اور جتنا چاہے پڑھے۔ اسے وہاں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوگا اور اگر آپ ابھی شادی کے حق میں نہیں تو ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں، ابھی منگنی کر لیتے ہیں شادی جب آپ چاہیں تب کر لیں گے۔" وہ جیسے پورے سیاق و سباق کے ساتھ آئی تھی تب ہی تمام آپشن انکے سامنے رکھ دیئے تھے۔

"بات تو ٹھیک ہے مگر....." نسرین بیگم نے فائزہ کی جانب دیکھا کیونکہ آخر حتمی فیصلہ تو وہی کر سکتی تھی اپنی بہن کے لیے، وہ بھی اتنی جلدی فیصلے کے حق میں نہ تھی۔

"میرے خیال سے ہمیں سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔" اس کی نگاہوں میں ایک بے چینی نظر آئی تھی۔

"آپ کو جتنا وقت چاہیں لے لیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے کہا جس پر وہ مسکرادی۔

ایک طرف رشتے کی بات چل رہی تھی تو دوسری طرف کاشف عبیرہ سے ملنے کی تمنا لیے اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ یہاں آیا ہی اسی مقصد کے لیے تھا۔ اس بے چینی و کرب کا جواز جان کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے چھٹکارا دینا چاہتا تھا۔ بالائی منزل پر کئی کمرے تھے۔ اسے زبید کے کمرے کا تو علم تھا مگر ان میں سے عبیرہ کا کون سا کمرہ ہو سکتا ہے؟ بس یہی سوچتے ہوئے اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا جو پہلے ہی ادھا کھلا تھا۔ خوش قسمتی کہیے یا اتفاق عبیرہ یہاں موجود تھی۔ وہ بہت سی کتابوں کو زمین پر بکھیرے خود بھی بیڈ کے ساتھ کمر ٹکائے، چھت کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک دروازے پہ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کافی دیر بعد وہ کھنکارا جس پر اس نے جھرجھری لی اور کاشف کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر چونکنے کے ساتھ حیران ہوئی تھی اور اپنا ہاتھ بیڈ پر مارا جہاں دوپٹا رکھا تھا۔ جلدی سے دوپٹا سر پر اوڑھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ یہاں؟ یوں کسی کے بھی کمرے میں بلا اجازت آنا بداخلاقی کے زمرے میں آتا ہے۔" اس نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"اس بداخلاقی کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل مجھے آپ کے کمرے کا صحیح علم نہیں تھا، بس اسی لیے بغیر ناک کیے آ گیا۔" اس نے وہیں کھڑے کھڑے وضاحت دی۔



www.zemtime.com

اس نے لحاظ رکھتے ہوئے اسے اندر آنے کی اجازت دی اور نیچے جھک کر تمام بکھری کتابوں کو سمیٹا۔ کاشف نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"آپ رہنے دیں میں سمیٹ لوں گی۔" اس کا لہجہ ابھی تک پھیکا تھا۔

"اگر آپ خود سے سمیٹ سکتیں تو شاید مجھے یہاں آنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔" کاشف کا انداز ذو معنی ہوا۔ اس نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ کتابیں اٹھائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں ایک نیا انداز دیکھ رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس نے کتابیں پکڑ کر میز پر رکھیں اور چادر کو جھاڑتے ہوئے اپنی ذات کو مصروف کرنا چاہا۔ وہ اس بار اپنے آپ کو اس کے سامنے آشکار کرنے کے حق میں نہ تھی۔

"مطلب آپ جانتی ہیں۔" وہ ایک قدم اس کی طرف بڑھا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم، میرے خیال سے آپ کو دوٹوک بات کرنی چاہیے۔" اس کا لہجہ سرد ہوا، وہ بے تکی باتوں میں خود کو الجھانا نہیں چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے اگر آپ کو دوٹوک ہی سننا ہے تو سنیں، میں اس لیے آیا ہوں تا کہ جان سکوں کہ آپ کو کون سی بات پریشان کر رہی ہے، آخر کیا غم ہے جو آپ کو ایک پل کے لیے چین نہیں لینے دے رہا؟" اس نے قدم اس کی طرف بڑھائے، اس بار اس کے ہاتھ منجمد دیکھائی دیے۔ چادر جو پہلے ہی وہ جھاڑ چکی تھی جانے کیوں مٹھی میں بھینچ لی تھی۔

"اب آپ کا ایسے ری ایکٹ کرنا میرے شک کو یقین میں بدل رہا ہے کہ ضرور کوئی بات ہے۔" اس نے بائیں جانب گردن کو جھکایا۔

"آپ یوں کسی پولیس آفیسر کی طرح مجھ سے پوچھ گچھ کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کو ایک بار کی گئی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میں بالکل ٹھیک ہوں، کوئی پرابلم نہیں ہے میرے ساتھ، آپ کو شک کرنے کی بیماری ہے کیا؟ ہزار بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے کچھ نہیں ہوا مگر آپ ہیں کہ یقین کرنے کو تیار ہی نہیں۔ ہر بار سامنے آ کر بس ایک ہی سوال..... پلیز لیو می آلون۔" اس نے سختی کے ساتھ کہا اور اس کے بائیں جانب سے نکل کر ڈریسنگ کے پاس آ کر چیزوں کو سمیٹنے لگی۔ اس کا یہ انداز بھی بالکل نیا تھا۔

"ایم سوری..... مجھے اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی مگر آپ کو بھی میری پرسنل لائف میں بار بار انٹر فیئر کرنے کی ضرورت نہیں۔" جلد ہی اسے اپنے رویے کا احساس ہوا۔ سرد آہ بھرتے ہوئے اس نے حواس کو بہ مشکل مجتمع کرتے ہوئے اس سے معافی مانگی مگر وہ خاموش رہا۔

ادھر ادھر دیکھا تو سامنے دیوار پر کتابوں کی ریک میں ایک ڈائری کو پایا۔ خوب صورت سی ڈائری۔ وہ بنا اس کی اجازت کے اس طرف بڑھا اور ڈائری کو کھولا۔ وہ یوں تو آئینے کے سامنے تھی۔ جہاں سے اس کا عکس نمایاں نظر آ رہا تھا مگر نگاہیں جھکی ہونے کے سبب وہ اس کے فعل سے بے خبر رہی۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ کا ارادہ غلط نہیں ہے مگر مجھے اچھا نہیں لگتا، میں شروع سے اپنے جذبات کو کسی پر آشکار نہیں کرتی اور اب بھی یہی کرنا چاہتی ہوں۔ مانتی ہوں میرا انداز جارحانہ ہے مگر اس کا سبب میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔ آپ بھی سمجھنے کی کوشش کریں اور اللہ کے واسطے دوبارہ اس بارے میں سوال مت کیجیے گا۔" وہ بے دھیانی میں کہہ رہی تھی مگر اسے کیا خبر تھی جس درد کو وہ سمیٹے ہوئے تھی۔ عیاں تو ہو ہی چکا تھا۔

میرے جذبات کی عکاسی کرتے
میرے درد کے ترجمان
میرے لفظ ہیں ذرا کھوئے کھوئے
میرے احساس ہیں مجھ سے روٹھے ہوئے
وہ جو اک شخص تھا
میرے خوابوں کا ترجماں
آج مجھ سے یوں روٹھ گیا
بن منزل کے مجھے چھوڑ گیا



www.zemtime.com

درد کے ایک تسلسل کو
پت جھڑ کے موسم میں
میرا ہمسفر بنا کر
وہ راہ گیر بن گیا

اس کے لفظ جیسے اس کی روح میں اترنے لگے تھے۔ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ ان لفظوں کو پڑھ رہا تھا۔ حالات سامنے آچکے تھے۔ بس کسی کا نام لیے بغیر اس کو حال دل بتایا جا رہا تھا۔ اس نے ورق پلٹا تو حیران رہ گیا۔ ایک دل تھا بالکل ٹوٹا ہوا، بہتا ہوا خون جو جذبات کی عکاسی کر رہا تھا۔ ساتھ ہی ایک لڑکی کی شبیہہ تھی۔ وہ اسے سنبھالے ہوئے تھی مگر زمانے کے نشیب و فراز بھلا اس کو ایسا کیونکر کرنے دے سکتے ہیں۔ ایک عجیب سا اسکیچ تھا جسے دیکھ کر اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

"یہ تم نے بنایا ہے؟" اس نے بے دھیانی میں پوچھا۔ جس پر وہ فوراً پلٹی، اس کے ہاتھ میں اپنی ڈائری دیکھ کر وہ برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھی اور جھپٹ کر وہ ڈائری چھینی۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ خود کو سنبھال نہ پایا۔ ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا تھے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، کسی کی پرسنل ڈائری کو بغیر اجازت کے ہاتھ لگانے کی آپ کی ہمت کیسے ہوئی؟" اس بار وہ چلائی۔ آنکھوں میں عجب سفاکیت تھی۔ انداز بھی مشتعل تھا۔ وہ بھرے وجود کے ساتھ اس ڈائری کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی جبکہ وہ ہکا بکا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میں بھول جاؤں کہ آپ یہاں مہمان ہیں آپ یہاں سے چلے جائیں۔" اس نے اسے باہر کا راستہ دکھایا۔

"آپ زبید کو پسند کرتی ہیں؟" کھوئے ہوئے لہجے نے جیسا اس پر ایک بم پھوڑا، وہ اپنی جگہ پر شل کھڑی ٹکٹکی باندھے بس اسے ہی دیکھتی رہی۔ سانسیں بھی ایک پل کے لیے رک گئی تھیں۔

"کیا آپ زبید کو چاہتی تھیں؟" وہی سوال نئے لفظوں کے ساتھ دہرایا گیا۔ وہ خاموش رہی، بولتی بھی تو کیا؟ الفاظ ساتھ ہی نہیں دے رہے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو بہ مشکل چھپایا اور آنکھوں میں نمی کے بادل امڈ آئے۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہیں آپ؟" اس نے پہلی بار ایسا جملہ استعمال کیا۔

"میں نے وہی کہا جو آپ کے لفظ بتا رہے تھے۔" اس نے سیدھا سادھا جواب دیا، آنکھوں میں جھانکا تو ایک درد کا جہاں آباد پایا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" نظریں چراتے ہوئے اس نے بے باکی سے جھوٹ بولا۔

"مگر آپ کا انداز کچھ اور ہی بتا رہا ہے اگر ایسا تھا تو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا اسے۔" اس کی آواز سماعت سے ٹکرائی مگر وہ خاموش رہی۔ اپنے جذبات و احساسات کو اپنے دل میں سمیٹے وہ مٹھیاں بھینچے کھڑی تھی۔ پلکیں جھپکی تو آنسو چمکنے لگے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا، کیوں اس کے زخموں کو کرید رہا تھا، اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔

"یوں اپنی محبت کو کسی اور کے دامن میں ڈال کر آپ کیا سمجھتی ہیں آپ نے کوئی مہان کام کیا ہے؟" اسے اس پر غصہ آیا۔

"کوئی اور نہیں..... میری بہن ہے وہ۔" وہ پلٹ کر چلائی۔ سچ زباں پر آ ہی گیا جس کا احساس اسے اگلے لمحے ہی ہوا۔ ڈائری سے گرفت کمزور ہونے پر وہ زمین پر گری اور ہاتھ لبوں کی طرف بڑھے۔ اس نے ایسا کیوں کہا، کیوں مخفی محبت کو اس کے سامنے آشکار کیا، وہ مسکرایا مگر اس مسکراہٹ میں بھی ایک درد تھا۔

"یعنی یہ سب سچ ہے کہ آپ زبید کو چاہتی تھیں۔" اس نے ایک بار پھر سے تصدیق چاہی، اس بار وہ منع نہ کر سکی اور دھیرے سے سر ہلا دیا۔ کافی دیر تک دونوں میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ وہ یونہی سر کو ہلکا سا خم دیئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچتا رہا۔ وہ بھی بے قابو روتی رہی۔ نڈھال ہو کر بیڈ پر دھڑام سے بیٹھی۔ کئی لمحے بیت جانے کے بعد اس نے ٹیشو سے ناک صاف کی تو اس نے

www.zemtime.com

بھی گہرا سانس لیا۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا؟'' گندھے ہوئے لہجے میں پھر سوال کیا۔

''اور کیا کرتی میں؟ سب کچھ تو ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ کچھ بھی تو باقی نہیں بچا تھا۔ خالہ نے خود زبید کی بات فائزہ سے طے کردی اور جب مجھے علم ہوا تب تک بہت دیر ہوچکی تھی۔'' وہ اپنا دکھڑا بیان کرگئی۔

''تو اسی وجہ سے آپ نکاح والے دن کالج گئی تھیں اور گھر آنا نہیں چاہتی تھیں؟'' اس نے سر ہلا کر تصدیق کی۔ اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔ اس دن وہ کیسے اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔ وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔

''آپ نے زبید کو بتایا؟'' نفی میں گردن ہلا کر اس نے جواب دیا، آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

''مگر کیوں؟'' اس نے متحیر انداز میں پوچھا۔

''شاید اس نے مجھے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور میں پاگل یہ سمجھتی رہی کہ اسے سب علم ہے۔'' اسے اپنے آپ پر ہنسی آئی، وہ کس قدر بے وقوف تھی جو یک طرفہ محبت کو ہی اپنا سب کچھ مان چکی تھی۔ اسے واقعی اپنے اوپر رحم آیا۔

''بچپن میں جب وہ ہم سے ملنے آتا تو فائزہ کے بجائے میرے ساتھ اپنا وقت گزارتا، بس یہی بے وقوفی تھی میری۔ اس بچپن کے ساتھ کو زندگی بھر کا ساتھ سمجھ لیا۔ اس آس پر اس کا انتظار کرتی رہی کہ کل جب وہ آئے گا تو میرے ہی بارے میں سوال کرے گا مگر خواب خواب ہی رہے۔ پل بھر میں ٹوٹ کر بکھر گئے۔ جب امی نے بتایا کہ شہر سے فائزہ کے لیے رشتہ آیا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوئی تھی مگر جب زبید کو اپنے سامنے پایا تو اندر سے بکھر سی گئی تھی۔ میں یہی سوچتی رہتی کہ زبید کے لیے فائزہ کا رشتہ کیونکر آسکتا ہے؟ امی نے بھی واضح طور پر زبید کا نام نہیں لیا تھا اور میں اسی کشمکش میں رہی کہ فائزہ کا رشتہ زبید کے ہاں سے نہیں آپ کے ہاں سے آیا ہے۔ آپ کو یاد ہے اس دن جب زبید اور فائزہ جھرنے کے دوسری طرف پھنس گئے تھے۔ میں نے آپ سے پوچھا بھی تھا کہ آپ یہاں رشتے کے لیے آئے ہیں۔ میرے پوچھنے کا مقصد یہی تھا۔ آپ کے جواب پر میرے وجود کو ایک تسکین پہنچی تھی۔ تب شک وشبہات دور ہوچکے تھے مگر یہاں ایک دم سے جب مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہوئی تو میں اپنے آپ کو نہ سنبھال سکی۔'' وہ اس کو اب تفصیل سے ہر بات بتا رہی تھی۔ ''دل چاہا کہ اسی وقت جاکر چیخ چیخ کر سب کو حقیقت بتادوں مگر میں کچھ نہ کرسکی۔ بے بس تھی میں۔ اپنا غم اپنی ذات میں سمیٹ کر رہ گئی۔'' اس نے پوری داستان بیان کردی۔ وہ بھی خاموشی سے اسے سنتا رہا۔ یک ٹک اس کے وجود کو تکتا رہا۔

''آپ پلیز..... زبید کو کچھ مت بتایئے گا، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' دونوں ہاتھ جوڑ کر اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، اسے اس رویے کا قطعاً اندازہ نہیں تھا تب ہی وہ چونکا۔

''یہ کیا کررہی ہیں آپ؟ ہاتھ مت جوڑیے میرے سامنے۔'' اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں سمیٹ لیا، پہلی بار اتنی قرابت نصیب ہوئی تھی۔

''آپ وعدہ کریں زبید یا کسی سے بھی کچھ نہیں کہیں گے، میں اپنے آپ کو ان کی نگاہوں میں گرانا نہیں چاہتی، پلیز آپ مجھ سے وعدہ کریں۔'' وہ روتے ہوئے اس سے وعدہ لے رہی تھی۔

''مگر ایسا کرنا غلط ہے، جس سے آپ محبت کرتے ہیں کم سے کم اسے تو اتنی خبر ہونی چاہیے کہ اس کے لیے آپ کے دل میں کیا جذبات ہیں؟'' وہ اس وعدے کے حق میں نہ تھا مگر وہ بضد تھی۔ اپنی ذات کو نئی الجھنوں میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ بار بار اسرار پر اس نے بالآخر ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔

''شکریہ..... آپ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' آخری لفظوں نے جیسے اس کو دکھ پہنچایا تھا جب ہی افسردگی سے بولا۔

www.zemtime.com

"اپنوں پر احسان نہیں کیا جاتا بلکہ ان پر حق جتایا جاتا ہے۔" اس کے ان لفظوں میں عجیب سی کشش تھی جس پر اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

سب کی مشاورت کے بعد یہ طے ہوا کہ عبیرہ کی مرضی جان کر اس رشتے کو پکا کر دیا جائے۔ بظاہر اس رشتے میں کوئی برائی بھی نہ تھی۔ کاشف، زبید کے بچپن کا دوست تھا اور وہ اسے اچھے طرح جانتے تھے۔ تب ہی اس کے بارے میں ہر طرح کی گواہی دی جاسکتی تھی۔

"میرا خیال ہے فائزہ تمہیں عبیرہ سے بات کرنی چاہیے اور اسے اعتماد میں لینے کے بعد ہی ہاں کرنی چاہیے۔" نسرین بیگم نے مشورہ دیا۔

"میرا خیال ہے خالہ آپ کو بات کرنی چاہیے، آپ اور خالو بڑے ہیں، آپ بات کریں گے تو اسے زیادہ اچھا لگے گا۔" زبید بھی فائزہ کے اس فیصلے کے حق میں تھا۔ بات تو خیر اشرف صاحب اور نسرین بیگم کو ہی کرنی چاہیے تھی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، ہم بات کرلیں گے اس سے بس کالج سے آجائے وہ۔" اشرف صاحب نے وال کلاک کی طرف نظر دوڑائی، باہر سے کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ کچھ ہی دیر میں کرن بلند آواز کے ساتھ راہداری میں داخل ہوئی۔

"توبہ ہے..... کتنا مشکل ٹیسٹ تھا، میری مانو تم اس سبجیکٹ کو آج سے ہی پڑھنا شروع کردو۔ مس فرخندہ اتنا مشکل ٹیسٹ بناتی ہیں توبہ ہے۔ سب سے بڑھ کر ظلم یہ کہ اس سبجیکٹ کو مس فرخندہ کے علاوہ کوئی پڑھاتا ہی نہیں، بس اسی بات کا غرور ہے ان کو ہونہہ، ایسا بھی غرور کس بات کا، بچوں پر ذرا ترس نہیں آتا ان کو، سپلی تو ایسے بانٹتی ہیں جیسے فری کے گول گپے ہوں۔" اس کا انداز واضح طور پر بتا رہا تھا کہ اس کے اچھے مارکس نہیں آئے یا پھر اسے بھی ٹیسٹ میں فیل کردیا گیا۔ عبیرہ خاموشی کے ساتھ سنتے ہوئے اس کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ وہاں سب موجود تھے۔ اس نے سب کو سلام کیا۔ کرن تو وہیں ڈھیر ہوگئی، ہینڈ بیگ کو فرش پر ہی رکھتے ہوئے اپنی سینڈل اتار کر سکھ کا سانس لیا۔

"شمو..... ایک گلاس ٹھنڈا پانی لانا۔" حکم جاری کرتے ہوئے اس نے ہاتھ سے پاؤں کی انگلیوں کو ذرا سا دبایا۔

"توبہ ہے کرن، تم گھر میں آتی ہو تو پورے گھر کو وقت ڈال دیتی ہو۔ عبیرہ بھی تو ہے، کتنی خاموش طبیعت کی، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی اس کے ہونے کی، کچھ سیکھو اس سے۔" اس کے انداز پر زبید اسے نصیحت کیے بغیر نہ رہ سکا۔ عبیرہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، کیا کسی میں وہ خود بھی شامل تھا، کیا اسے بھی اس کے ہونے کی خبر نہیں ہوتی؟ عبیرہ کو گہرا صدمہ پہنچا۔

"عبیرہ بیٹی ذرا ادھر آؤ ہمارے پاس، ہمیں تم سے ایک بات کرنی ہے۔" جیسے ہی وہ وہاں سے جانے لگی تو اشرف صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ بھی مودب انداز میں ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"جی خالو۔" اس نے جھکی نگاہوں سے میز کو دیکھا۔

"بات کو ہم گھما پھرا کر تو کریں گے نہیں، بس اسی لیے بات کو واضح طور پر تمہارے سامنے رکھ رہے ہیں اور تم سے بھی امید کرتے ہیں کہ تم بھی سوچ سمجھ کر اپنا جواب دو گی۔" اس نے انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے سامنے فائزہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جو کچھ الجھی الجھی دیکھائی دے رہی تھی۔ کہیں کاشف نے انہیں سب سچ تو نہیں بتادیا اگر ایسا ہوا تو اس نے بہت برا کیا؟ اسے قطعاً کاشف سے یہ امید نہ تھی۔

"دراصل بات یہ ہے بیٹی کہ پرسوں کاشف اور شائستہ آئے تھے اور شائستہ نے تمہارا ہاتھ مانگا ہے اپنے بھائی کاشف کے لیے۔" اس جملے پر وہ بری طرح چونکی۔ اس کے اعصاب پر جیسے ایک بم پھوڑا گیا۔ وہ سمجھی تھی کہ کاشف اسے سمجھے گا مگر اس کا اندازہ یکسر غلط ثابت ہوا۔ وہ کتنا غلط اندازہ لگاتی تھی۔ پہلے زبید کے بارے میں اور

www.zemtime.com

اب کاشف کے بارے میں بھی۔

"ہم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ حتمی فیصلہ عبیرہ ہی کرے گی، اب تم بتاؤ تمہارا کیا فیصلہ ہے، کیا تم اس رشتے سے خوش ہو؟" انہوں نے سارا معاملہ اس کی ذات پر چھوڑ دیا۔

"مگر کچھ بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار سوچنا لازمی۔ کاشف ایک اچھا لڑکا ہے، تمہیں ہمیشہ خوش رکھے گا۔" اس بار زبید نے اس کی حمایت میں کہا، نگاہوں کا رخ اس کی ذات کی طرف ہوا، کیا وہ بھی ایسا ہی چاہتا تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"عبیرہ..... میری مانو تم ہاں کردو، خالہ اور خالو ہمارے بڑے ہیں، تمہارے بارے میں بہتر ہی فیصلہ کریں گے۔" فائزہ نے بھی رشتے کی حمایت کی تو وہ خاموش رہی۔ بس یونہی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ جانے دل میں کیسے کیسے خیال آرہے تھے۔ کرن تو ایک لمحہ کے لیے شاک رہ گئی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ عبیرہ کا رشتہ آیا ہے۔

"ماما..... اتنی بڑی نیوز اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں۔ دس از ناٹ فیئر۔ شادی کب ہے، بھائی کی طرح اس بار جلدی تو نہیں ہے ناں؟ میں پہلے کہہ دیتی ہوں کہ اس بار اتنی جلدی نہیں چلے گی کچھ تو وقت چاہیے تیاری کے لیے۔ اس بار میں اپنی ساری کسر پوری کروں گی۔ اچھے سے شاپنگ، جیولری....." وہ اپنی ہی بولی جا رہی تھی۔

"ارے..... سانس تو لے لو ابھی صرف رشتہ آیا ہے اور تم نکاح اور رخصتی تک پہنچ گئی۔ ابھی عبیرہ کی مرضی تو جان لو کیونکہ آخری فیصلہ تو اسی کا ہوگا۔" زبید نے اسے ٹوکا جس پر وہ منہ بگاڑ کر صوفے کے ساتھ ٹک گئی۔ اسے زبید کا ٹوکنا قطعاً اچھا نہ لگا، عبیرہ ابھی تک کھوئے ہوئے انداز میں بیٹھی تھی۔

"بتاؤ عبیرہ..... تمہارا کیا فیصلہ ہے؟" نسرین بیگم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میں کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے کاشف سے بات کرنا چاہوں گی۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا، کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی اس سے بات کرتا ہوں، جیسے ہی اس کے پاس ٹائم ہوا وہ یہاں آجائے گا۔" زبید نے کہتے ہوئے موبائل نکالا اور کاشف کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"السلام علیکم! کاشف کیسے ہو یار؟" وہ خوش اخلاقی سے کہتا ہوا وہاں سے کھڑا ہوا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔

"کیا اسے قطعاً اندازہ نہیں یا وہ جتلانا نہیں چاہتا۔" دل میں ایک کسک اٹھی۔

"بالکل، رشتہ طے ہونے سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے مل لیں تو مناسب رہے گا۔ اس طرح بعد میں کوئی پریشانی بھی نہیں ہوگی۔" اشرف صاحب نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ بات مکمل کرنے کے بعد وہ واپس سب کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"وہ کہہ رہا ہے کہ وہ آج شام کو آئے گا۔" اس نے عبیرہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

"تم خوش تو ہو؟" نجانے کیوں اس نے ایسا پوچھا۔

"آپ کو کیا فرق پڑتا ہے، میں خوش ہوں یا نہیں۔ دل تو توڑ ہی دیا ہے آپ نے؟ اب اس ٹوٹے ہوئے دل کو دلاسا دے کر اس کو مزید کرب میں مبتلا کیوں کر رہے ہیں؟" کاش وہ ایسا کہہ پاتی۔ پرنم نگاہوں نے استفہامیہ نگاہ اس پر ڈالی اور اگلے ہی لمحے وہ بنا کچھ کہے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کا یوں بنا کچھ کہے چلے جانا سب کو ایک سوچ میں ڈال گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ کو سچائی کا علم نہیں تھا یا پھر آپ میرے ساتھ کوئی مذاق کر رہے ہیں اگر مذاق ہے تو بہت ہی برا ہے۔ یوں آپ کو میرے جذبات کے ساتھ کھیلنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔" جیسے ہی وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنا شروع کردی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر اس کے



www.zemtime.com

دل کے ساتھ کھیل رہا ہو۔

"عبیرہ..... میرا تمہیں تکلیف پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں، میں تو بس....." وہ اپنی صفائی بیان کرنے لگا مگر وہ کہاں اس کے جملے کو مکمل ہونے دے رہی تھی۔ فوراً مداخلت کی۔

"تکلیف پہنچانے کا ارادہ نہیں تھا تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ رشتہ بھیج کر آپ نے میرے لیے تسکین کا سامان کیا ہے؟ نہیں کاشف صاحب الٹا آپ نے میرے دل کو ایک نئے کرب میں مبتلا کردیا ہے، میرے جذبات و احساسات کا مذاق اڑایا ہے آپ نے، میں نے ایک اچھا دوست سمجھ کر آپ کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کیا تھا مگر آپ نے ان کا ناجائز فائدہ اٹھایا، مجھے آپ سے یہ امید قطعاً نہیں تھی۔ میں آپ کو ایک سمجھدار انسان سمجھتی تھی اور آپ نے ایسا کرکے انتہائی بے وقوفی کا مظاہرہ کیا ہے۔" جو دل میں تھا وہی زبان پر لے آئی تھی وہ۔

"عبیرہ میری بات....." ایک بار پھر اس نے بولنا چاہا مگر اس نے بات کاٹ دی۔

"کیا بات سنوں آپ کی؟ آپ کہیں گے کہ آپ کو مجھ پر ترس آیا اور اسی لیے میرے لیے رشتہ بھیج دیا مگر کاشف صاحب مجھے کسی کی ہمدردی نہیں سمیٹنی اور نہ ہی کسی کا خدا ترسی کے سبب ساتھ چاہیے۔" اس کے الفاظ اب انتہا کرچکے تھے تب ہی پہلی بار اس نے اس کو شانوں سے پکڑا تو وہ چونک کر رہ گئی۔ آنکھیں یک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کو یوں کسی بھی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے میری بات سن لینی چاہیے، یوں خود سے گمان کرلینا اپنے آپ کو احمقوں میں ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے، آپ کو میری بات سننی ہوگی۔" اسے احساس ہوا کہ اس کا رویہ کچھ زیادہ ہی سخت ہوگیا تھا۔ تب ہی اس کے شانوں سے ہاتھ ہٹایا اور دو قدم پیچھے ہٹا مگر بات ختم نہ ہوئی تھی۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میں نے آپ پر ترس کھا کر رشتہ بھیجا مگر ایسا نہیں ہے، میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور یہی سچ ہے۔ ہاں صورت حال کچھ ایسی تھی کہ آپ کو میرا پروپوزل اچھا نہ لگا ہو مگر میرا یقین کریں میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا بلکہ میں تو جانتا بھی نہیں تھا کہ آپ کے دل میں زبید کے لیے ایسے جذبات ہیں، میں تو آپ کو پہلی نظر میں ہی پسند کر بیٹھا تھا۔ بس بتانے سے احتراز برت رہا تھا۔" اس نے دل کی بات کہی تو وہ بنا کچھ کہے اسے دیکھتی رہی۔

"اس دن بھی آپی نے میرے دل کی بات پڑھ لی تھی۔ تب ہی وہ خود رشتہ لے آئی تھیں۔ مجھے تو علم بھی نہ تھا کہ وہ ایسا کریں گی۔ میں تو یہاں محض تم سے بات کرنے آیا تھا۔" اس نے بات واضح کی، کچھ پل کے لیے خاموشی چھائی۔

"کیا سچائی جاننے کے بعد بھی آپ محبت کا دعویٰ کریں گے؟" اس کا انداز استفہامیہ ہوا۔

"محبت موسم دیکھ کر نہیں کی جاتی کہ بہار میں ساتھ نبھایا جائے اور پت جھڑ میں ساتھ چھوڑ دیا جائے، محبت تو ہر سانس کے ساتھ کی جاتی ہے اور میں بھی آپ کو اپنی زندگی مان چکا ہوں۔ ہر وقت بس آپ کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے، اٹھتے بیٹھتے آپ کے بارے میں سوچتا ہوں اور آپ کے آنسو..... وہ تو مجھے کانٹوں کی طرح چبھتے ہیں۔ میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ جب بھی آپ کو روتے دیکھتا ہوں میرا دل دہل اٹھتا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے زمین مجھ پر تنگ کردی گئی ہو۔ ہر شے سے دل اچاٹ ہونے لگتا ہے۔" اس کے لہجے میں بھی نمی اتر آئی تھی۔

"لیکن فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ چاہیں تو منع کرسکتی ہیں، آپ پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں، آپ جو فیصلہ کریں گی مجھے منظور ہوگا۔" اس نے چند پل کی خاموشی کے بعد کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ محبت کی نہیں جاتی۔" جیسے ہی وہ جانے لگا تو اس کے لفظوں سے ٹھہر گیا۔

"میں آپ کو مجبور بھی نہیں کروں گا مگر وعدہ کرتا ہوں



www.zemtime.com

کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو آنے نہیں دوں گا۔" اس نے پلٹ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں مگر میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی، مجھے سنبھلنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔" اس کے ایک بول نے جیسے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی اور دل میں سکون بھر دیا تھا۔ وہ خوشی سے اس کے پاس آیا۔

"آپ جتنا چاہیں وقت لے سکتی ہیں، میرے لیے تو یہی کافی ہے کہ آپ نے میری محبت کو دھتکارا نہیں۔" جواب میں وہ بھی مسکرا دی تھی۔

☆.....☆.....☆

منگنی کے بعد کاشف کو ایک ماہ کے لیے دبئی جانا پڑ گیا۔ پیچھے حالات نے بھی کروٹ بدلنا شروع کر دی تھی۔ اس دن کالج میں اس کا آخری پیپر تھا جس کی تیاری وہ رات گئے تک کرتی رہی تھی۔

"اچھا خالہ میں چلتی ہوں، شاید مجھے آنے میں دیر ہو جائے کیوں کہ واپسی پر تمام کلاس فیلوز نے کینٹین میں معمولی سی پارٹی کا انتظام کیا ہے۔" اس نے ایک مسکراہٹ کو لبوں پر بکھیرا۔ کافی عرصے بعد وہ دل سے یوں مسکرائی تھی۔ شاید زندگی کی طرف واپس لوٹ رہی تھی۔ سچائی کو قبول کر چکی تھی۔

"اچھا جاؤ۔ اپنا خیال رکھنا۔" نسرین بیگم نے دعا دیتے ہوئے اسے رخصت کیا، وہ ڈرائیور کے ساتھ کالج چلی آئی جبکہ کرن کی آج چھٹی تھی۔ اس کے پیپر ہو چکے تھے۔ بس سارا دن ٹی وی دیکھتی یا پھر شاپنگ کے لیے اپنی دوستوں کے ساتھ باہر چلی جاتی۔ نسرین بیگم اور فائزہ نے تو گھر داری سنبھال لی تھی۔ شمو کے ذمہ تو اب بس گھر کی صاف ستھرائی کا کام رہ گیا تھا۔ جسے وہ احسن انداز میں سر انجام دے رہی تھی۔

"کرن بی بی..... یہ کاپی آپ کی ہے باہر ڈسٹ بین میں پڑی ملی ہے۔ میں نے سوچا شاید غلطی سے پھینک دی آپ نے۔ بس اسی لیے اٹھا کر لے آئی۔" شمو نے ایک ڈائری کرن کی طرف بڑھائی، فائزہ کی نگاہ اس پر پڑی تو فوراً بولی۔

"یہ ڈائری..... یہ تو عبیرہ کی ہے۔" اس کی پیشانی پر شکن ابھرے۔

زندگی کو آگے بڑھتا دیکھ کر وہ پرانی یادوں کو مٹانا چاہتی تھی اور پرانی یادوں کی سب سے بڑی کہانی اسی ڈائری میں پوشیدہ تھی۔ جس میں وہ کئی بار بے ربط جملوں میں زبید سے محبت کا اظہار لکھ چکی تھی۔ جب وہ باب ہی زندگی سے نکل گیا تو اس ڈائری کو اپنے پاس رکھ کر وہ کیا کرتی؟ تب ہی آج اس نے کالج جانے سے پہلے وہ ڈائری بھی کوڑے دان میں پھینک دی تھی مگر اسے کیا خبر تھی۔ اس کی ایک غلطی اس کی زندگی کی تمام خوشیوں پر پانی پھیر دے گی۔

"عبیرہ کی ڈائری؟ ادھر دیکھاؤ۔ میں بھی تو دیکھوں وہ کیا لکھتی ہے؟ پہلے تو اس نے مجھے نہیں دکھائی یہ ڈائری۔" کرن نے جھٹ اس سے کھینچ لی۔ زبید بھی آفس جانے کے لیے تیار تھا۔

"فائزہ، ایک کافی کا کپ لانا جلدی سے۔" لاؤنج میں آ کر وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کچن کی طرف چل دی۔

"یوں کسی کی بھی ڈائری نہیں پڑھتے۔ بری بات ہے کرن۔" نسرین بیگم نے سمجھانا چاہا مگر وہ کہاں سننے والی تھی۔

"کسی کی کب پڑھ رہی ہوں۔ اپنی کزن کی پڑھ رہی ہوں۔" اس نے بات کو ان سنا کر دیا اور ورق الٹتے ہوئے پڑھنا شروع کر دیا۔

"بھئی ہمیں بھی تو پڑھ کر بتاؤ کہ کیا لکھا ہے۔ ویسے تو چپ رہتی ہے گھر میں۔ چلو اس کے الفاظ ہی ہم سے کچھ باتیں کر لیں گے۔" اس بار زبید نے بھی کرن کا ساتھ دیا۔

"یہ گناہ اب تم ہی کرو۔ میں تو یہاں سے جا رہی ہوں۔ مجھے اس گناہ کا بوجھ نہیں اٹھانا۔" نسرین بیگم کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔



www.zemtime.com

"یہاں لکھا ہے کہ میرے جذبات کو سمجھنے سے وہ آج بھی قاصر رہا، بچپن کی یادیں وہ اتنی جلدی بھول جائے گا، مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا ماما کہ بچپن کی باتیں انسان بھول جاتا ہے مگر ساتھ..... وہ کیسے بھول سکتا ہے؟" کرن اور زبید کے اندر ایک تجسس نے جنم لیا۔

"یعنی عبیرہ کسی کو چاہتی تھی مگر کسے؟" زبید نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہ پڑھ کر تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔ دیکھتی ہوں آگے شاید اس کا نام بھی لکھا ہو۔" اس نے ورق الٹے۔

"میں پھر کہہ رہی ہوں کسی کی ڈائری نہیں پڑھتے۔" وہ زینے پر چڑھنے سے پہلے ایک بار پھر رکی تھیں۔ انہیں یہ اچھا نہیں لگا مگر وہ کہاں سننے والی تھی۔

"آج میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی چور ہے میں کھڑا کر کے میری محبت کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور میری بہن اس میں برابر کی شریک ہے۔" اس جملے نے جیسے سب کے سروں پر ایک ساتھ بم پھوڑا تھا۔ فائزہ کے قدم بھی صوفے کے عین قریب جم سے گئے تھے۔ نسرین بیگم نے بھی پلٹ کر دیکھا، انہیں بھی تشویش ہوئی تھی۔

"میرا دل کر رہا ہے کہ میں مر جاؤں مگر افسوس موت بھی مجھ سے روٹھی محسوس ہو رہی ہے۔ پل پل مر رہی ہوں مگر سانسیں ہیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے اس نے میری بہن کو اپنا شریک حیات بنا لیا اور میں کچھ بھی نہ کر سکی۔" اب کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ فائزہ کے ہاتھوں سے کافی کا کپ زمین پر گرا۔ زبید کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کرن نے بھی جھٹ سے ڈائری بند کر دی۔ نسرین بیگم کی سماعت سے بھی یہ الفاظ ٹکرائے تھے۔

"واٹ؟" وہ بے ساختہ چلا اٹھا تھا۔

☆.....☆.....☆

زبید کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ اسے عبیرہ سے یہ قطعاً امید نہ تھی۔ فائزہ اپنی ہی نگاہوں میں گر چکی تھی۔ وہ کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"اتنی گھٹیا سوچ..... کوئی کیسے رکھ سکتا ہے؟ میں تو اسے ناسمجھ سمجھتا تھا مگر وہ اندر سے میرے بارے میں ایسا سوچتی رہی۔ مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا۔" وہ گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔ نسرین بیگم اور اشرف صاحب بھی خاموش تھے اور عبیرہ کے آنے کے منتظر۔ کرن تو خاموشی سے کھڑی یہ سب دیکھ اور سن رہی تھی۔

راہداری سے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو سب کی توجہ اس طرف متوجہ ہوئی۔ وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی۔ سب کے پرسوچ چہرے دیکھ کر ٹھٹکی۔

"کیا ہوا..... آپ سب پریشان کیوں ہیں؟" وہ پاس آ کر گویا ہوئی۔

"یہ تو ہمیں تم سے پوچھنا چاہیے کہ کیا چل رہا ہے تمہارے ذہن میں؟" بنا تمہید باندھے زبید نے سخت لہجے میں اس سے استفسار کیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس کی سمجھ میں کچھ نا آیا۔

"ہم سے پوچھ رہی ہو مطلب؟ میں پوچھتا ہوں تم نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟ اتنی واہیات سوچ، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اس نے اشتعال بھرے انداز میں اس کے بازوؤں کو پکڑا تو وہ سہم کر رہ گئی۔ آنکھوں میں حیرانی تھی اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا جبکہ اس کی نگاہیں تو فقط انگارے برسا رہی تھیں۔ اس کی لمبی انگلیاں اس کے بازو کو بری طرح دبوچے ہوئے تھیں۔ اسے ایسا لگا جیسے یہ انگلیاں اس کے بازو کو مسل کر رکھ دیں گی۔

"پلیز..... مجھے چھوڑیں، درد ہو رہا ہے۔" تکلیف جب ناقابل برداشت ہوئی تو اسے کہنا پڑا۔

"درد ہو رہا ہے..... کسی کو دھوکہ دیتے ہوئے اس درد کو محسوس نہیں کیا تم نے؟" وہ جبڑے بھینچے بولا، فائزہ بھی خاموش کھڑی تھی۔ وہ بھی پہلی بار زبید کا یہ روپ دیکھ رہی تھا۔ نسرین بیگم اور اشرف صاحب نے کچھ کہنا چاہا مگر جانے کیوں بول ہی نہ پائے۔ البتہ کرن کو عبیرہ سے ہمدردی ضرور ہوئی جو چہرے سے چھلک رہی تھی مگر ایسی



www.zemtime.com

ہمدردی کا کیا فائدہ جو اس کی وکالت کے لیے بولنے پر مجبور ہی نہ کرے۔

"دھوکہ..... کیسا دھوکہ؟" اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے، جس پر اس نے ایک جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ وہ گرتے گرتے سنبھلی، اس نے حیرت سے فائزہ کی طرف دیکھا جو اسے سنبھالنے کے لیے بھی آگے نہ بڑھی تھی۔ اس کی ذات کو گہری ٹھیس پہنچی، سب کی آنکھوں میں اجنبیت واضح تھی۔ جانے کیا ہوا تھا جو سب میں اتنی سفاکیت اتر آئی تھی۔

"اپنی بہن کے ساتھ دھوکہ..... میرے بھائی جیسے دوست..... کاشف کے ساتھ دھوکہ۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں صاف صاف کہیں۔" اپنے بازوؤں کو سہلاتے ہوئے وہ پلٹی۔

"صاف صاف سننا چاہتی ہو تو یہ دیکھو..... کیا ہے یہ؟" وہ جھکا اور ایک ڈائری میز سے اٹھائی۔ جسے دیکھ کر اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا ڈائری لکھنا کیسے اس کا گناہ بن گیا تھا۔ اس کے الفاظ ہی اس کی خوشیوں کے قاتل بن گئے تھے۔ اب اسے ایک لمحہ بھی نہ لگا سب کی سفاکیت کی وجہ جاننے میں۔

"کیا بکواس لکھی ہے تم نے، کیا یہ سب سچ ہے؟" اس نے تصدیق چاہی، ڈائری ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی جسے وہ یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"میں نے پوچھا..... کیا اس میں لکھا سچ ہے؟" وہ پہلے سے زیادہ اونچی آواز میں چیخا، سر جھکاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

"جواب دو..... خاموش کیوں ہو؟" اس نے دوبارہ اس کو بازوؤں سے تھاما۔ دھیرے سے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سب کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت بھی ڈھیلی ہوئی۔ ڈائری نیچے زمین پر جا گری۔

"جی، یہ سچ ہے مگر....." اس سے پہلے کہ وہ اپنی صفائی میں مزید کچھ کہتی ایک زوردار تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کیا گیا۔ وہ بائیں جانب جھک۔ بال چہرے کے آگے سے ہٹا کر دیکھا تو سامنے فائزہ کھڑی تھی۔

"کیوں کیا تم نے ایسا..... کیوں، آخر کیا نہیں کیا زبید نے تمہارے لیے؟ اور تم نے ان کے بارے میں ہی....." الفاظ ادھورے رہ گئے۔ وہ انہیں پورا بھی نہ کر پائی تھی۔

"تم ان کے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟ تم نے آج انہیں ہی نہیں مجھے بھی بہت تکلیف پہنچائی ہے، کوئی بہن اپنے بہنوئی کے بارے میں ایسے خیالات رکھتی ہے، مجھے تو شرم آتی ہے آج تمہیں اپنی بہن کہتے ہوئے۔" اس نے نفرت سے کہتے اپنا رخ پھیر لیا۔ اسے پہلی بار فائزہ کا یہ روپ دیکھنے کو ملا تھا۔ ایک لفظ بھی کہنا اب اس کے لیے ناممکن تھا جب بہن ہی ساتھ نہیں تھی اور کسی سے کیا گلہ؟ وہ بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

اس رات بھی وہ جی بھر کے روئی، زندگی نے جیسے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ محبت تو چھینی ہی تھی، آج بہن بھی چھین لی۔ وہ اپنی ہی نگاہوں میں گر چکی تھی۔ کسی کا سامنا کرنے کی اب اس میں سکت باقی نہ رہی تھی۔

"میں اب یہاں نہیں رہ سکتی اگر رہی تو فائزہ اور زبید کا رشتہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے، میری وجہ سے پہلے ہی انہیں بہت تکلیف پہنچ چکی ہے اب اپنی ذات سے انہیں مزید کرب میں مبتلا نہیں کر سکتی۔" یہ سوچتے ہوئے وہ اٹھی، اپنے آنسو پونچھے اور رات کے اندھیرے میں اس گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس کے جانے کی خبر اگرچہ سب کو ہو چکی تھی مگر کسی نے کوئی تاثر نہ دیا۔ فائزہ بھی اپنا غم دل میں دبا کر رہ گئی۔ بہن ہونے کے ناتے اسے عبیرہ کی فکر تھی مگر زبید کی بے رخی کے آگے وہ کچھ نہ بول سکی۔ وہ اب اس کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ ادھر ایک ماہ بعد جب کاشف لوٹ کر آیا



www.zemtime.com

تو اس کے سر پر جیسے ایک پہاڑ آن گرا تھا۔

"کیا عبیرہ گھر چھوڑ کر چلی گئی اور آپ سب نے اسے روکا تک نہیں؟" اس کے لیے یہ یقین کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

"وہ خود گھر چھوڑ کر گئی ہے، کسی نے مجبور نہیں کیا اسے۔" زبید نے بے رخی سے جواب دیا۔ فائزہ بھی خاموش تھی، نسرین بیگم اور اشرف صاحب بھی اس معاملے میں کچھ بولنا پسند نہیں کر رہے تھے۔

"اتنی بے رخی..... پوچھ سکتا ہوں کیوں؟" اس سوال پر زبید نے اس پر حقیقت عیاں کر دی جو پہلے ہی اس پر آشکار تھی۔

"یہ سب جان کر بھی ہم اسے روکتے؟ اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟" اس نے معاملہ اس پر چھوڑ دیا۔

"میں جو بھی کرتا مگر تمہاری طرح اسے بے گھر نہ کرتا اور جہاں تک تمہیں چاہنے کی بات ہے تو کیا جرم کیا اس نے؟ صرف تمہیں چاہا ہی تھا۔ یہی جرم تھا اس کا۔" اس نے زبید کو جھنجوڑا۔

"یہ بات تمہیں..... صرف لگ رہی ہے؟" اس نے تعجب بھرے انداز میں کہا۔

"مجھے کوئی سروکار نہیں..... تم سے اور تمہاری سوچ سے، بس یہ بتاؤ کہ وہ کہاں گئی ہے؟" اس نے بات کو ختم کرنا چاہا۔

"یہ سب جان کر بھی تم اس سے تعلق رکھنا چاہتے ہو؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں..... کیونکہ مجھے اس بات کا پہلے سے علم تھا۔" اس بات پر سب حیران ہوئے، سچائی جانتے بوجھتے بھی وہ اس کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا روادار تھا۔

"آپ لوگوں کو شاید یہی لگتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہے مگر سچ تو یہ ہے اس نے گناہ نہیں کیا اور بھابی آپ..... آپ تو اس کی بہن ہیں آپ کو تو سمجھنا چاہیے تھا اسے، ساتھ دینا چاہیے تھا اس کا مگر آپ نے بھی اس پر شک کیا۔ افسوس ہے آپ پر۔" جاتے ہوئے اس نے طنزیہ کیا، جس پر وہ آنسو بہا کر رہ گئی، اب اور کر بھی کیا سکتی تھی اس کو واپس لا کر اس سی معافی بھی نہیں مانگ سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات گہری ہو چکی تھی مگر اس کے اندر کا کرب تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ رہ رہ کر اس کے دل و دماغ پر فقط عبیرہ ہی چھائی ہوئی تھی۔ جانے کس حال میں ہوگی، کہاں ہوگی، ٹھیک بھی ہوگی یا نہیں؟ بس یہی سوال کاشف کو اندر سے بے چین کر رہا تھا۔ ایک پل بھی سکون میسر نہیں آ رہا تھا۔

"کہاں ڈھونڈوں میں آپ کو عبیرہ، کہاں ہیں آپ؟ بس ایک بار آپ مل جائیں۔ آپ کو کہیں جانے نہیں دوں گا۔ کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا آپ کو، بس ایک بار مجھے مل جائیں۔ پلیز بس ایک بار۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دعا مانگی۔

تب ہی اس کے ذہن میں وہ ڈائری آئی۔ جس میں اکثر وہ اپنے دل کی باتیں لکھا کرتی تھی۔ وہ پلٹا اور دراز سے اس نے وہ ڈائری نکالی۔ زبید کے گھر سے لوٹتے ہوئے وہ عبیرہ کی ڈائری بھی لے آیا تھا۔ جس گھر میں عبیرہ کے لیے کوئی جگہ نہیں وہاں بھلا وہ اس کی ڈائری کیونکر چھوڑ سکتا تھا۔

"اللہ کرے! اس میں اس نے کچھ تو لکھا ہو کہ وہ کہاں جا سکتی ہے؟" وہ دعا مانگتے ہوئے تیزی کے ساتھ ورق پلٹ رہا تھا مگر وہاں محض اس کے جذبات اور چند اشعار کے کچھ نہ تھا۔ اس نے یاسیت کے ساتھ ڈائری بند کرنا چاہی تب ہی اس کی نظر ان لفظوں پر جا ٹھہری تھی۔

سمیٹ کر اپنی ذات کو
چل پڑوں میں اس راہ کو
جہاں دن بھر خواب چھلکتے ہیں
بن موسم ابر برستے ہیں
جہاں خشک پتوں کی ڈالی ہو
جہاں ہر رات سنہری ہو
جہاں غم کے نہ بادل ہوں



www.zemtime.com

جہاں پھول کھلے ہزاروں ہوں
بن موسم کے..... ہر رنگ کے
پت جھڑ کے موسم میں

ان لفظوں کو اس نے کئی بار پڑھا..... اس کا سے چہرہ کھل اٹھا۔ کھڑکی کھولی، آسمان کی طرف دیکھا۔ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ایک پل کے لیے یاسیت نے اسے آگھیرا مگر اس بات کی خوشی تھی کہ بہت جلد وہ اس سے ملنے والا ہے۔

☆.....☆.....☆

نیلے رنگ کے لباس میں وہ مجسم آج بھی اسی پتھر پر بیٹھا تھا۔ چہرے پر کسک بکھیرے، اسی بڑے سے پتھر پر بیٹھے، عبیرہ نے دونوں کہنیاں اپنی ٹانگوں پر ٹکا کر چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیے ہوئے تھی وہ پوری یکسوئی کے ساتھ آج بھی اسی منظر کو دیکھ رہی تھی جو ہمیشہ سے اس کی تنہائی کا ساتھی تھا۔ جس منظر کو دیکھ کر اسے ایسا لگتا جیسے وہ اس جہاں میں اکیلی نہیں کوئی ہے جو اس کی ذات کی طرح بکھرا ہے مگر کسی سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔

انہی سرمئی رنگ کے بادلوں اور بلند و بالا شاہ بلوط کے درختوں نے آج بھی اس پر اپنا گھنا سایہ کیا ہوا تھا۔ شام کے اس پہر تمام پنچھی بھی دن بھر کی مسافت کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے تھے۔ ان کی چہچہاہٹ اس کی سماعت میں عجیب رس گھول رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کا یہ چہچہانا اس کی زندگی کے پچھلے مہینوں کی کڑوی یادوں کو مٹانے کا ایک بہانہ ہو۔ وہ بھی انہیں بھول چکی تھی۔ وہ ان پیلے پتوں کو درختوں سے گرتا دیکھنے میں اتنا محو تھی کہ اسے کسی کے اپنے پاس بیٹھنے کا احساس تک نہ ہوا، بس نگاہوں کا مرکز وہ پتے تھے جو پت جھڑ کے موسم میں زمین بوس ہو رہے تھے۔

"کتنا سہانا منظر ہے ناں؟" اس آواز پر اسے چونکنا چاہیے مگر ایسا ہرگز نہ ہوا۔ وہ اب بھی سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسے معلوم تھا کہ وہ آئے گا۔

"آپ آگئے؟ بہت دیر کردی آپ نے آنے میں۔" اس نے بنا دیکھے ہی شکوہ کیا۔

"دیر تو ہونا تھی آپ نے انتظار ہی اتنا کروایا۔ اس موسم کے انتظار میں جانے کتنی راتیں میں نے جاگ کر گزاری ہیں۔" اس نے بھی دھیمے لہجے میں شکوہ کیا۔

"راتیں تو میں نے بھی کئی جاگ کر گزاری تھیں، تب ہی آپ کی محبت کا امتحان لینے یہاں چلی آئی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر آپ مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں تو یہاں ضرور آئیں گے۔" اس نے کہا۔

"اب تو یقین آگیا ہے ناں میری محبت کا؟" اس نے دھیرے سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو بالکل نرم اور تروتازہ لگ رہا تھا، کوئی غم، کوئی گرد نہ تھی۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"اب چھوڑ کر مت جایئے گا۔" اس کے شانے پر سر رکھ کر اسے ایسا لگا جیسے وہ تپتے صحرا سے یک دم کسی گھنی چھاؤں میں آگئی ہو۔ ایسی چھاؤں جو ہمیشہ اس پر سائبان کی طرح رہے گی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، اب کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ موسم بدلتے رہیں گے، پت جھڑ اور بہار کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا مگر کاشف اپنی عبیرہ سے اب کبھی جدا نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں۔" اس نے بھی اپنا بائیاں ہاتھ دھیرے سے اس کے بائیں کندھے پر رکھ دیا۔ شاہ بلوط کے پتوں نے بھی اس حسین جوڑے پر اپنی خوشیاں نچھاور کردیں اور کئی سنہری پھول جو اس موسم کا خاصا تھے، ان پر ایک کے بعد ایک گرتے رہے تھے۔

www.naeyufaq.com

www.zemtime.com

قسط نمبر سینتیس

# عشق نگر کے مسافر

ندا حسنین

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دلاور کو شبنم کے روپ میں نیلم نظر آتی ہے تو وہ اپنے ہوش کھو دیتا ہے۔ تب ہی صبیحہ بیگم نیلم کی موت کا بتا کر اس کو ماضی سے حال میں لانے کی کوشش کرتی ہیں۔ جس پہ دلاور غصہ سے چیختا چلاتا ہے۔ فاریہ بھی باپ کا یہ روپ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ شبنم ڈری سہمی دلاور سے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتی ہے پر ناکام رہتی ہے۔ ارسل خود کو ماریانہ کا مجرم سمجھتا ہے۔ اس کو میاپہ بھی غصہ ہوتا ہے تب ہی وہ میا سے بدلا لینے کی غرض سے اسپتال سے نکلتا ہے۔ تب پیڈرو اس کو روک لیتا ہے۔ صبیحہ دلاور کی شادی سلمیٰ سے کر دیتی ہے۔ دلاور اس شادی سے خوش نہیں ہوتا وہ اپنی پسند اور اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور یہ بات شادی سے پہلے وہ صبیحہ بیگم کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ سلمیٰ غریب گھرانے کی لڑکی ہوتی ہے۔ بخت محل میں اس کے ساتھ ملازموں والا سلوک ہوتا ہے۔ تب ہی وہ امید سے ہو جاتی ہے۔ صبیحہ بیگم چاہتی ہیں کہ بخت محل کا وارث آئے پر سلمیٰ فاریہ کو جنم دیتی ہے۔ دلاور کا رویہ سلمیٰ کے ساتھ تبدیل ہو جاتا ہے اور یہ بات صبیحہ بیگم کو پسند نہیں آتی۔ تب ہی دلاور نیلم کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اس کو نیلم سے پہلی نظر کی محبت ہو جاتی ہے۔

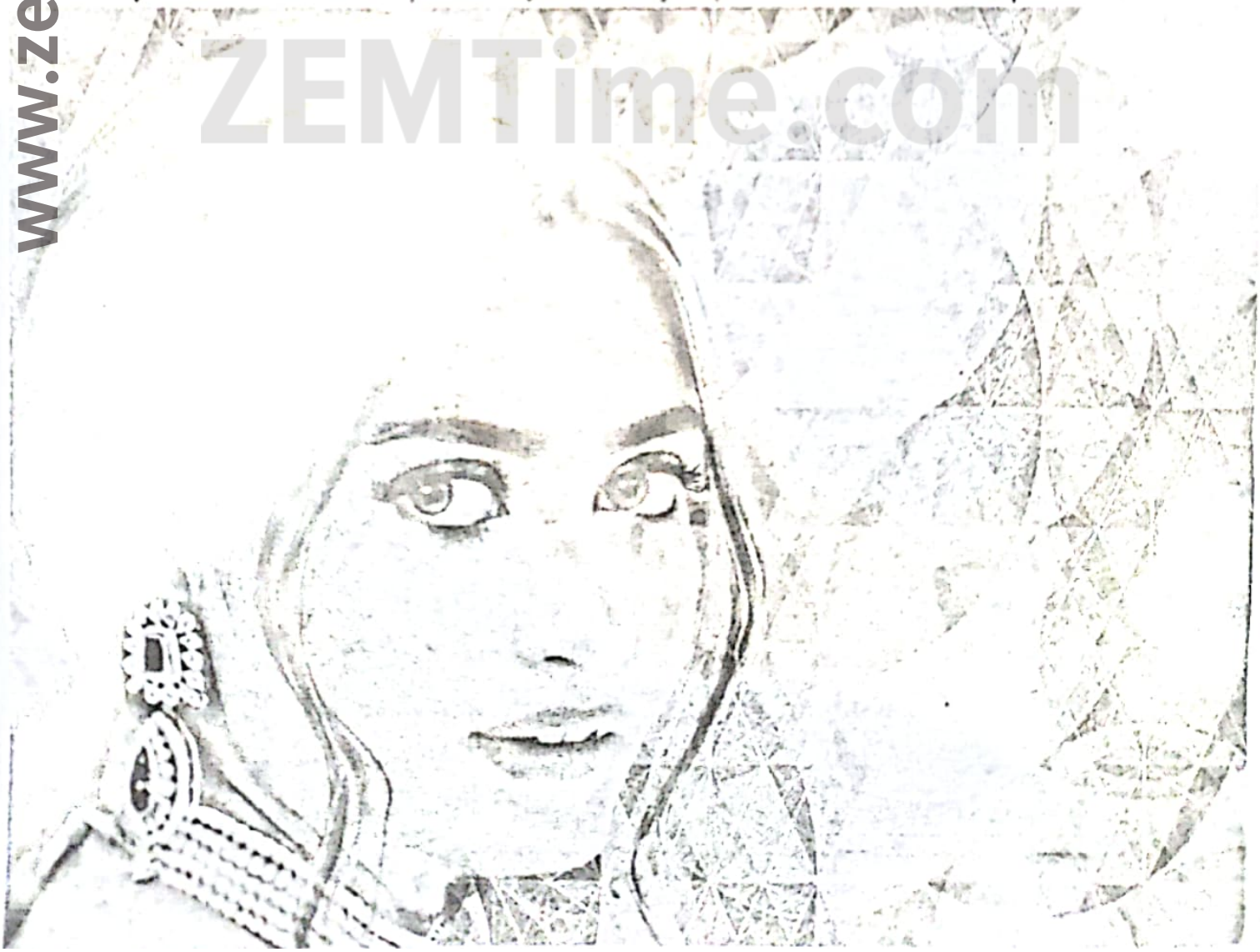

www.zemtime.com
ZEMTime.com

فیروز حسن ارسل کو تسلی دیتے ہیں اور اس سے ماریانہ کے لیے دعا کرنے کو کہتے ہیں۔ وہ نماز پڑھنے چلا جاتا ہے تب ہی اسے ماریانہ کی والدہ نظر آتی ہیں وہ بھی نماز پڑھ رہی ہوتی ہیں۔

**(اب آگے پڑھیے)**

❁❁❁

"یہ شادی نامی مصیبت میں سراسر آپ کی ضد پر مجبور ہو کر پال رہا ہوں۔ آپ کو یہ بات یقینی بنانی ہوگی کہ یہ شادی میری زندگی، میری آزادی، میرے مستقبل اور میرے فیصلوں پر کسی طور پر بھی اثر انداز نہیں ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو میں اس کمٹمنٹ کو توڑنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاؤں گا۔" صبیحہ کو فوراً سے بھی پیشتر دلاور کی شرط یاد آئی۔

دلاور بخت، صبیحہ کو جتاتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ صبیحہ کے لبوں پر گہری خاموشی تھی۔ دلاور کی جتاتی ہوئی نگاہوں کا مفہوم وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔ نیلم نے اس عورت کے چہرے کو بغور دیکھا۔ وہاں سختی تھی، ضبط تھا، غصہ تھا۔ صبیحہ بیگم نے نیلم کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے اپنی نظروں کا زاویہ نیلم کی جانب گھمایا۔ نیلم نے اب ان آنکھوں میں ایک نئے جذبے کو ابھرتا دیکھا تھا۔

نفرت شدید نفرت کا جذبہ..... نیلم نے سر جھٹک کر اپنی نگاہوں کا رخ صبیحہ بیگم کے چہرے سے پھیر کر کچھ فاصلے پر گود میں بچہ اٹھائے کھڑی سلمٰی کو دیکھا۔ نیلم کو محسوس ہوا جیسے اس زرد رنگت والی عورت کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں ہو۔ نیلم کی نظر سلمٰی سے ہوتے ہوئے اس کی گود میں موجود پیاری سی ڈیڑھ سالہ بچی پر جا ٹھہری۔ وہ ٹکر ٹکر سی دلاور کو دیکھتے ہوئے اس کی گود میں آنے کے لیے ہمک رہی تھی۔

"چلو نیلم اپنے کمرے میں چلیں۔" دلاور نے جتاتی نظروں سے پہلے صبیحہ اور پھر سلمٰی کی جانب دیکھا اور نیلم کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"یہ کس شرط کی بات کر رہے ہیں بی جی؟" سلمٰی دھڑکتے دل سے آگے بڑھی تھی۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور لہجے میں کئی اندیشے کلبلا رہے تھے۔ صبیحہ نے بگڑے ہوئے مزاج کے ساتھ سلمٰی کو دیکھا اور غصے سے پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ سلمٰی عجیب کسمپرسی کی حالت میں وہاں اکیلی کھڑی بخت محل کے در و دیوار کو تکتی رہ گئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو صبیحہ..... دلاور ایسے کسی عورت کو گھر لے کر کیسے آسکتا ہے؟" صبیحہ نے شدید غصے کے عالم میں یاور بخت کو کال کی تھی اور وہ ناقابل یقین کی سی کیفیت میں کہہ اٹھے۔

"ایسے نہیں لے کر آیا۔ نکاح کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے اور وہ لڑکی..... نہ جانے کس قماش کی ہے، مجھے تو چال ڈھال سے بے حد عجیب سی لگ رہی ہے، کسی شریف گھرانے سے تعلق نہیں لگتا مجھے اس لڑکی کا۔" صبیحہ اپنی بات پر زور دے کر یاور بخت کے ہوش بھی اڑا گئیں۔ وہ اپنے تمام کام، میٹنگز وغیرہ کینسل کر کے گھر آگئے تھے۔

"دلاور آج سے پہلے تم جو کچھ بھی کرتے رہے ہم نے کچھ نہیں کہا۔ تم نے جس کسی سے بھی تعلقات رکھے، ہم نے تمہارے ان معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ تمہاری آزادانہ روش پر ایک حرف بھی نہیں کہا مگر بات اب حد سے بڑھ گئی ہے۔ یہ چند دنوں کا شوق، یہ عیاشی تم گھر اٹھا لائے آخر کیوں؟" یاور بخت نے گھر پہنچتے ہی دلاور بخت کو کٹہرے میں کھڑا کیا۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو کر تمتما رہا تھا۔ ان کی آواز میں جلال تھا، حقارت تھی۔

"آج سے پہلے جو کچھ کرتا رہا، جس کسی سے بھی تعلق رکھتا رہا وہ عیاشیاں تھیں، آوارگی تھی، ہوس تھی۔ تب ہی گھر سے باہر تک محدود تھیں۔" یاور بخت کے جلال انگیز لہجے کے جواب میں دلاور بخت بھی گونج دار آواز میں بولا تھا۔



www.zemtime.com

''مگر نیلم میری محبت ہے، میرا عشق ہے، میرے جسم کی نہیں، روح کی پیاس ہے۔ بہت اونچا مقام ہے اس کا میرے دل میں اور جس کا مقام میرے دل میں اس قدر بلند ہو اس کی جگہ میرے گھر میں نہیں تو پھر اور کہاں ہوگی بابا جی؟'' دلاور کا لہجہ نیلم کی محبت میں سرشار تھا۔ اس کا حرف بہ حرف اس کے عشق میں ڈوبا ہوا تھا۔ دلاور کے اس محبت کے اعتراف نے یاور بخت اور صبیحہ دونوں کو ہی بری طرح لرزا ڈالا تھا۔ وہ دونوں جس بات سے گھبرا رہے تھے وہ گھٹنا آخر گھٹ ہی چکی تھی۔

''تم دھوکہ کھا رہے ہو بیٹا۔ یہ کوئی عشق وشق نہیں، بس کچھ دنوں کی کشش ہے اور کچھ بھی نہیں اگر تمہیں یہ عورت اتنی اچھی لگ بھی گئی تھی تو اسے گھر لانے کی کیا ضرورت تھی۔ کچھ دن کسی ہوٹل یا فارم ہاؤس میں ساتھ گزار لیتے۔'' دلاور کے لہجے سے عود کر آتی سرکشی کی بو نے یاور بخت کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ تب ہی وہ اپنا لہجہ دھیما کر کے بے حسی و سفاکی کی انتہاء پر پہنچ کر سمجھاتے ہوئے بولے۔

''جسے آپ کشش کہہ رہے ہیں وہ آوارگی تھی بابا جی اور جب عشق وجود کو فنا کر لیتا ہے تو پھر دل میں کسی آوارگی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔'' وہ کوئی اور ہی دلاور بخت تھا جو ان کے سامنے فلسفہ عشق بیان کر رہا تھا۔ وہ اسے پہچان نہ سکے۔ چونک کر صبیحہ بیگم کو دیکھنے لگے مگر صبیحہ کی نفرت آمیز نگاہیں کسی اور جانب تھیں۔ انہوں نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ بالائی منزل پر سیڑھیوں کے پاس نیلم حسن کا روپ دھارے ایک ادائے دلنوازی سے مسکراتی ہوئی کھڑی تھی۔ یاور بخت اس حسن کی مورتی کو دیکھ کر ایک دم سے بے چین ہوئے تھے۔ اس کا حسن، اس کی چال، اس کا لباس، اس کے دیکھنے کا انداز انہیں بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔ وہ جس رنگین دنیا سے تعلق رکھتی تھی اس دنیا سے تو ان کی پہچان بھی خوب رہی تھی۔ ان کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی تھی۔

''اچھا..... تو تمہاری آوارگیوں کا اختتام کوٹھے پر پہنچ کر تمام ہوا۔ اس سے دل لگا کر تمہاری روح کی پیاس بجھی ہے۔'' وہ حقارت بھری نظروں سے نیلم کو گھورتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولے۔

''کوٹھے.....!'' ان کی بات پر صبیحہ بری طرح چونکی تھیں۔

نیلم نے بے ساختہ اپنی نگاہوں کا زاویہ دلاور کے چہرے سے پھیر کر یاور بخت کے وجود پر گاڑھا تھا، ناگواری اس کی آنکھوں سے ہی نہیں چہرے کے تاثرات سے بھی جھلک رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس تضحیک کو بامشکل برداشت کر رہی ہے۔ یاور بخت کی بات پر دلاور نے بھی بے اختیار نیلم کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر چھایا اہانت کا احساس اسے بری طرح تڑپا گیا تھا۔

''عشق کی پیاس تو امرت سے ہی بجھتی ہے بابا جی..... یہ تو رب کی مرضی ہے کہ وجود کو امرت سے جس در پر چاہے ملا دے۔'' دلاور نے بڑے جتاتے ہوئے انداز میں یاور بخت کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی بات پر یاور بخت کا خون بری طرح کھول اٹھا تھا۔

''تم جس عورت کی محبت کا دم بھرتے نہیں تھک رہے اس کا نام معاشرے میں لینا بھی برا تصور کیا جاتا ہے، شرفاؤں کے لیے طوائف کی ہستی کسی گالی سے کم نہیں، اسے تم اس نجس دنیا سے لے کر آئے ہو جہاں شرافت اور عزت چوراہے پر بکتی ہیں۔'' یاور بخت غیض وغضب کے عالم میں دلاور بخت پر برس رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں نیلم کے لیے صرف نفرت ہی نہیں تحقیر کا رنگ بھی شامل تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ جسموں اور عزتوں کا سودا کرتے ہیں ہم لوگ مگر اس دھندے کے سوداگر، خریدار بھی تو آپ ہی لوگ ہیں بخت صاحب۔ رات کے اندھیرے میں اپنے اونچے شملے والی حویلیوں، محل کی عزت کو دولت



www.zemtime.com

کے ساتھ تجوری میں چھپا کر ہم جیسے کم ذاتوں اور ذلیل لوگوں کی چوکھٹ پر حاضری بھی تو آپ جیسے معززین کی ہی ہوتی ہے۔ ہماری محفلیں آپ جیسے شرفاء کے دم سے ہی تو سجتی ہیں۔ ہماری راتیں آپ جیسے شان وشوکت والوں کے نور سے ہی تو منور ہوتی ہیں۔'' نیلم اس تذلیل پر اپنے ضبط کا پیمانہ کھوتے ہوئے بری طرح چیختے ہوئے بولی۔ اس کے گلاب کی پنکھڑی جیسے لبوں سے لفظ نہیں انگارے نکل رہے تھے۔ اس کی اس شعلہ بیانی پر یاور بخت کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہوگیا تھا۔ دلاور نے پہلے باپ اور پھر انگارے برساتی نیلم کی طرف دیکھا۔ وہ بگڑے تیور لیے سیڑھیاں اترتی اسی کی جانب آرہی تھی۔

دلاور کے لبوں پر ایک اطمینان بھری مسکان سج گئی۔ وہ اس کے دل کی ملکہ تھی اور ملکہ بخوبی جانتی تھی کہ اسے اپنا دفاع کیسے کرنا ہے۔ وہ لوگ جو اسے نقصان پہنچانے کے درپے تھے ان سے کیسے مقابلہ کرنا ہے۔ صبیحہ نے تلخ نظروں سے اس حسین بلا کو دیکھا اور پھر دلاور کو تنبیہہ کی غرض سے دیکھنا چاہا مگر اس کے لبوں پر سجی حوصلہ افزا مسکان صبیحہ بیگم کو سرتاپیر سلگا گئی تھی۔

''اپنی زبان کو لگام دو بدتمیز عورت۔ یہ مت بھولو کہ تم اس وقت اپنے کوٹھے پر نہیں، میرے محل میں کھڑی ہو۔ چاہوں تو تمہاری تلوار کی دھار جیسی زبان کو اپنے پیروں تلے کچل دوں۔ تمہارے پیروں سے زمین کھینچ کر اسی وقت زندہ درگور کرسکتا ہوں میں۔'' یاور بخت، نیلم کے اس بے خوف ونڈر انداز پر غضب ناک کیفیت میں تلملاتے ہوئے گرجے تھے۔

''اور تمہاری تو حیثیت بھی ندی نالے کے غلیظ کیڑوں مکوڑوں جتنی نہیں۔ جان سے جاؤ گی اور کوئی ماتم تو کجا، دیکھنے بھی نہیں آئے گا۔'' نیلم کی بدزبانی پر صبیحہ بیگم بھی بولی تھیں۔

''آپ سے بھی اونچے لوگوں کا آنا جانا تھا ہمارے کوٹھے پر۔'' نیلم نے ان دونوں میاں بیوی کی دھتکار بھری للکار اور دھمکی کو استہزائیہ انداز میں ناک سے مکھی کی صورت اڑاتے ہوئے کہا۔ دلاور بخت خاموش تماشائی کا روپ دھارے مسکراتے ہوئے ان سب کو باری باری دیکھ رہا تھا۔

''آپ سے بھی اونچی ناک والا، اس سے بھی اونچے محل میں، اپنے سر پر رعونت کا تاج سجائے کہیں بیٹھا ہوگا میرا باپ۔'' نیلم کے منہ سے نکلا یہ جملہ یاور بخت کے چہرے پر طمانچے کی صورت پڑا تھا۔

''جس کی اثر ورسوخ کا حوالہ دے کر تم اکڑ رہی ہو اس سے تو تعلق بھی تمہارا جائز نہیں۔'' صبیحہ نے تضحیک آمیز نظروں سے نیلم کو دیکھتے ہوئے جتایا۔

''بعض دفعہ یہ ناجائز تعلقات، جائز رشتوں سے زیادہ زور آور ثابت ہوتے ہیں۔'' نیلم نے بھی دوبدو جواب دیا۔ صبیحہ کا پورا وجود کچھ ساعتوں کے لیے لرز اٹھا تھا۔ نیلم کے اس ایک جملے نے ان کی زندگی کی حقیقت بیان کر ڈالی تھی۔

''آپ لوگ بلاوجہ کی بحث میں پڑ رہے ہیں۔ نیلم کا تعلق جو بھی تھا وہ اب ماضی بن چکا ہے اور اب اس کا حوالہ بخت محل سے جڑ چکا ہے، میرے نام سے اس کا نام منسوب ہوچکا ہے، بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ اس حقیقت کو اب تسلیم کرلیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے ماں باپ اور میری جان سے زیادہ عزیز بیوی کے درمیان روز روز کی جھڑپیں ہوں اور میں آپ سب کے لحاظ واحترام میں خاموش تماشائی کا روپ لیے بیٹھا رہوں۔'' دلاور نے بڑے اطمینان سے ساری بحث سمیٹتے ہوئے کہا اور نیلم کا ہاتھ تھام کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔



www.zemtime.com

''دیکھ لیا تم نے نتیجہ..... میں جانتا تھا کہ جس دن یہ عشق و عاشقی کے چکر میں پڑا تو یہی حال ہوگا۔ عورت کے ہاتھوں بے دام کا غلام بن کر رہ جائے گا اور آج وقت نے ثابت کر دیا کہ دلاور کی فطرت کے حوالے سے میں نے جو کچھ بھی اندازہ لگایا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔''

''اس سے تو بہتر تھا کہ ہم اس کے تعلقات سلمٰی کے ساتھ اچھے ہونے دیتے۔ کم از کم یہ محبت وحبت کے چکر میں منہ مارتے مارتے، ان گلیوں تک تو نہ پہنچتا۔ وہ بے وقوف سلمٰی بھی ہمارے ہاتھ میں رہتی اور یہ بھی یوں آپے سے باہر نہ ہوتا۔'' وہ پچھتاتے ہوئے بولی تھیں۔

''دادی..... آپ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ آپ مجرم ہیں۔ آپ میرے پاپا اور ان کی خوشیوں کی مجرم ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں ہونے والی ہر زیادتی کا بدلہ ان کی خوشیوں سے لیا، آج انہیں جس حال اور جس اذیت میں دیکھ رہی ہوں، مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ نیلم کی محبت چھین کر آپ نے ان پر بے انتہاء ظلم کیا تھا۔'' فاریہ شدید رنج کے عالم میں کپکپاتے ہوئے لہجے میں انہیں موردالزام ٹھہراتے ہوئے بولی۔ قمر جہاں حیران سی کیفیت میں فاریہ کو دیکھ رہی تھیں، وہ انجان تھیں مگر فاریہ باخبر تھی۔

''وہ محبت نہیں طوائف تھی فاریہ اور طوائف کو ہمارے معاشرے میں گالی تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے وجود سے بخت محل دنیا کی نظروں میں گالی بن گیا تھا۔'' بالآخر چپ کا قفل ٹوٹا اور صبیحہ بیگم پھٹ پڑیں۔ ان کی جتاتی نگاہیں فاریہ پر تنی ہوئی تھیں۔

''وہ جو اپنے پیٹ کے خاطر اپنا جسم فروش کر رہی ہے۔ اس کا وجود معاشرے کے لیے گالی ہے اور وہ لوگ جو اپنے ذرا سے مفاد کے لیے دوسروں کی جانوں کا سودا کر ڈالتے ہیں، وہ جن کی فطرت لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنا بن چکی ہے، کیا وہ معاشرے کے لیے ناسور نہیں..... بخت محل میں طوائف کی جگہ نہیں تھی مگر قاتلوں کی تو خوب جگہ تھی ناں دادی۔'' فاریہ طنزیہ لہجے میں انہیں لتاڑتی ہوئی واپس جانے لگی تب ہی اس کی نظر ہکا بکا سی کھڑی قمر جہاں پر پڑی۔ اس کے قدم رکے۔

''یہ بے فیض لوگوں کا قبیلہ ہے قمر جہاں، آپ بھی ان پر اپنا خلوص ضائع نہ کریں۔ اس محل میں بسنے والے لوگ محبت کا جواب پتھر سے دیتے ہیں۔'' فاریہ کرب بھرے لہجے میں کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ قمر جہاں، فاریہ کی بات پر حیرت زدہ سی صبیحہ بیگم کو دیکھنے لگی۔ پہلی بار اسے اس بارعب و عمر دراز عورت کا چہرہ آزردہ سا محسوس ہوا تھا۔ وہ سر جھٹک کر فاریہ کی باتوں کو سوچتے ہوئے اس کے پیچھے چل دی۔ صبیحہ وہاں اکیلی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

❀❀❀

''مسز صوفیہ آئزک؟'' ارسل حیران سا انہیں دیکھتا رہا۔ سفید اسکارف چہرے کے گرد لپیٹے، اشک بار آنکھیں..... اس نے میڈم آئزک کو پہلی بار اس روپ میں دیکھا تھا مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ ''اللہ'' کو محمد ﷺ کا واسطہ دے کر پکار رہی تھیں۔

''ارسل..... میری ماریانہ کیسی ہے، وہ ٹھیک تو ہو جائے گی ناں؟'' مسز صوفیہ آئزک ارسل کو اچانک روبرو پا کر بے قراری کے عالم میں اس کی جانب بڑھیں اور سوال در سوال کرتی رہیں۔

''ابھی ٹھیک نہیں ہے وہ۔'' ارسل نے انہیں حیرانگی بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آہستگی سے جواب دیا۔

''ہو جائے گی ٹھیک..... مجھے یقین ہے، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' صوفیہ عجب میکانکی کی کیفیت میں بڑبڑاتے ہوئے گویا ہوئیں۔



www.zemtime.com

''کس پر یقین ہے، اپنی دعاؤں پر.....؟'' ارسل نے انہیں ٹٹولتی ہوئی نگاہوں سے سوال کیا۔

''دعاؤں پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے بیٹا۔ یہ دعائیں تو التجا ہوتی ہیں، درخواست ہوتی ہیں، ان پر امید باندھی جاسکتی ہے مگر یقین تو بس قبول کرنے والے کی ذات پر ہوتا ہے۔'' صوفیہ نے مدہم لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ارسل خاموش سا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ اس کی نگاہوں میں مخفی سوالوں سے غافل نہ تھیں مگر وقت ایسا نہ تھا کہ اس کی حیرت اور سوالوں کا تسلی بخش جواب دیتیں سو نظریں جھکا کر اس کے قریب سے گزرنے لگیں۔

''آپ نے جس ہستی کا حوالہ دے کر رب سے مانگا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں ناامید نہیں کرے گا۔'' وہ ان کے قریب سے گزرنے پر ہولے سے بولا تو صوفیہ بے اختیار چونک کر اسے دیکھنے لگیں جو درد ان کے دل کو تڑپا رہا تھا وہی کرب انہیں ارسل کی آنکھوں میں بھی کرلاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ ماریانہ کے پاس جائیں میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔'' وہ دھیرے سے کہہ کر نیت باندھنے لگا۔ صوفیہ اسے کچھ ساعتوں تک دیکھتی رہیں۔ آنکھوں سے اشک کے دو بند چھلک پڑے تھے، وہ شہادت کی انگلی سے ان آنسوؤں کو نرمی سے صاف کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھیں۔

''کہاں چلی گئی تھیں صوفیہ؟'' وہ آئی سی یو کے پاس پہنچیں تو گرینی ہاتھ میں تسبیح پکڑے، اس کے دانے گراتی ہوئی پریشان و فکرمند سی نظر آئیں۔ صوفیہ کو آتا دیکھ کر وہ بے اختیار آگے بڑھیں اور اس سے لپٹ گئیں۔

''رب تعالیٰ سے اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگنے۔'' وہ بھیگے لہجے میں گویا ہوئیں۔ گرینی ان کی بات سن کر آہستگی سے سر ہلا گئیں۔ صوفیہ نے ایک نظر کچھ فاصلے پر کھڑے نڈھال سے فیروز حسن کو دیکھا۔ پیڈرو ان کے ساتھ کھڑا انہیں تسلی دے رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس حادثے پر بری طرح دل شکستہ تھے۔ صوفیہ دل مسوس کر مضطرب سی وہیں بیٹھ گئیں۔

''یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے صوفیہ، تم ہمیشہ رب کے آگے سرکش رہیں، کبھی اس کے فیصلے کے آگے سر نہ جھکا سکیں، وہ تمہیں موقع دیتا رہا مگر تم اتنی بدنصیب کے اپنی ناسمجھی میں ہر موقع ضائع کرتی رہیں۔ جوہیرے جیسے لوگ تھے ان کا ساتھ چھوڑ کر تم پیتل سے سر پھوڑتی رہیں، وہ وقت جو سونا تھا اسے اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا اور اب ہاتھ خالی رہ گیا تو رب کی طرف دیکھ رہی ہو، اس سے رجوع کرنے میں اتنی دیر کردی کہ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔'' وہ کچھ دیر پہلے بڑے شدومد سے اللہ کے حضور دعا کررہی تھیں۔ بڑے یقین سے وہ ارسل سے اپنی دعا کی قبولیت کا ذکر کرکے آئی تھیں مگر آئی سی یو کے باہر بیٹھ کر ایک بار پھر ان کا دل ڈولنے لگا تھا۔ انہیں کوستے ہوئے ڈراوے، اندیشوں میں گھیرنے لگا۔ وہ گھبرا کر مضطرب سی کیفیت میں اپنے سرد پڑتے ہاتھوں کو چہرے پر مسلنے لگیں۔ گرینی ان کی یہ حرکت بغور دیکھ رہی تھیں۔ ان کی قلبی کیفیت کو سمجھتے ہوئے آہستگی سے بولیں۔

''اس کے حضور اپنے دل کی مراد کہہ آئی ہو تو پھر یقین بھی رکھو۔ معجزے میرے یا تمہارے ہاتھ میں نہیں، اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اس کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔ جب تک سانس ہے تب تک آس ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ ہمیں اللہ کی طرف سے جلد خوش خبری ملے گی۔'' وہ نرمی سے صوفیہ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں بھرتے ہوئے اپنے مخصوص مہربان لہجے میں سمجھانے لگیں۔

''ایسا ہوگا ناں؟'' صوفیہ ان کے یوں ڈھارس بندھانے پر انہیں امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کرنے لگیں۔

''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' گرینی نے پریقین لہجے میں جواب دیا۔



www.zemtime.com

آئی سی یو کا دروازہ اسی پل کھلا اور ایک پکی عمر کا ڈاکٹر اپنے کم عمر اسسٹنٹ کے ہمراہ اندر سے باہر آیا تھا۔
''ڈکٹورا!'' صوفیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بے اختیار اس ڈاکٹر کی جانب بڑھی۔ گرینی، فیروز حسن اور پیڈرو بھی اس ڈاکٹر کی جانب متوجہ ہو کر سرعت سے آگے بڑھے۔ وہ ڈاکٹر ان سب کی نگاہوں میں پنپتے سوالوں کو پڑھ کر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے آہستگی سے بولا۔
''آپ کی مریضہ کی زندگی اب خطرے سے باہر ہے لیکن.....'' اس لیکن کے بعد ادا ہونے والے جملے نے ان سب کے چہروں کو آزردگی میں لپیٹ دیا تھا۔

❁❁❁

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس محل کے سیاہ داستان میں بی جی کا کردار بھی یوں مشکوک ہوگا۔'' قمر جہاں، فاریہ کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ فاریہ اب تک جو کچھ بھی جان گئی تھی وہ سب کچھ اس نے قمر جہاں کو بھی بتا دیا تھا۔ قمر جہاں بخت محل کے ہر فرد کی حقیقت اور اس کے اعمال کے راز جان کر دل گرفتہ ہی نہیں سخت دل کبیدہ بھی تھی۔
''میں نے اپنے ہوش و حواس میں اپنی ماں کو نہیں دیکھا، میں نہیں جانتی کہ وہ کیسی تھیں، دادی ہمیشہ یہی بتاتی رہیں کہ وہ فرشتہ صفت تھیں اور انہیں بے حد عزیز بھی تھیں لیکن میں نے آج تک اس گھر میں ان کا ذکر کسی کے منہ سے نہیں سنا حتی کہ پاپا نے انہیں کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں کیا۔ نہ کبھی ان کی برسی ہوئی نہ ان کے نام سے فاتحہ خوانی کی گئی۔ میں ساری زندگی اپنے ماں اور ان کے بارے میں سوچتی رہی کہ اگر وہ اتنی اچھی تھیں تو انہیں یاد کیوں نہیں کرتا کوئی مگر آج احساس ہوا کہ اس گھر میں مرے ہوئے کو یاد کرنے کی روایت ہی نہیں، یہاں جو مر جاتا ہے وہ صرف مردہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی یادوں، اس کی باتوں کو بھی قبر میں اتار دیا جاتا ہے۔ نہ میری ماں، نہ دادا..... مرنے کے بعد کوئی بھی اس گھر میں یاد بن کر نہیں رہتا۔'' فاریہ دکھی کیفیت میں سر جھکائے بیٹھی اپنی رو میں بول رہی تھی۔ قمر جہاں کا اس معصوم سی لڑکی کو یوں افسردہ دیکھ کر دل ڈول تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فاریہ کے نزدیک آ کر بیٹھی۔
''نہیں فاریہ..... تمہارے دادا کا ذکر ان کے ظلم کا قصہ سناتے ہوئے ہوتا ہے۔ بطور نشان عبرت اس محل کے در و دیوار پر ان کی تصاویر بھی آویزاں کر رکھی ہے مگر تمہاری ماں..... بقول بی جی ایک فرشتہ صفت عورت تھی اور انہیں بے حد عزیز بھی تھیں تو پھر انہیں یاد نہ کرنے کی کیا وجہ ہوگی۔ ضرور کچھ ایسا ہے جو اب تک ان کہا ہے، کوئی تو بات ہے فاریہ۔'' قمر جہاں نے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئے کہا۔
''آپ کو کیا لگتا ہے..... میری ماں فرشتہ صفت نہیں، وہ بھی ان لوگوں کی طرح داغ دار عورت تھی؟'' قمر جہاں کی بات پر فاریہ کا لہجہ ایک دم سے تلخ ہوا۔
''نہیں فاریہ وہ عورت اگر داغ دار ہوتی تو آج وہ بھی زندہ ہوتی۔'' قمر جہاں دکھ سے مسکرائیں۔
''پھر.....؟'' فاریہ نے ناسمجھی سے بے اختیار سوال کیا۔
''فاریہ مجھے لگتا ہے کہ تمہاری ماں فرشتہ صفت تو ضرور تھی مگر اس گھر میں شاید کسی کو عزیز نہیں تھی۔'' قمر جہاں نے فاریہ کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
''اور یہ اندازہ آپ نے کیسے لگایا؟'' فاریہ نے بے یقین و متحیر لہجے میں پوچھا۔
''ایک میں ہی تو ہوں جو یہ اندازہ لگا سکتی ہوں فاریہ۔ جس طرح تمہاری ماں دلاور کی بیوی تھی اسی طرح میں بھی دلاور کی بیوی ہوں۔ آج اگر میں بھی مر جاؤں تو بھلا کون ہوگا مجھے یاد رکھنے والا..... اس محل میں میرا نام لینے والا؟''



www.zemtime.com

قمر جہاں نے دکھ بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ فاریہ لاجواب سی یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ قمر جہاں کی بات اس کے دل پر لگی تھی۔

''مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دلاور نے اپنی ذات سے جڑی ہر عورت کو کسی صحرا کی طرح بیاباں رکھا، وہ اپنے نام سے منسوب عورت کو ہرا بھرا، خوش حال رکھنے میں ہمیشہ بری طرح ناکام رہا، میں نہیں جانتی کہ اس کی زندگی میں کتنی عورتیں آئیں۔ خواہ وہ جائز تھیں یا ناجائز مگر کسی ایک کا نام بھی تو اس محل کی در و دیوار میں کندہ نہیں، وہ ہر عورت جس کا تعلق تمہارے باپ سے جڑا تھا۔ وہ کسی سربستہ راز کی طرح یہاں دفن ہے۔ نیلم کے باقیات اس بند کمرے میں جبکہ وہ خود دلاور کے دل میں دفن ہے۔ تمہاری ماں کی اکلوتی نشانی کی شکل میں 'تم' اس محل میں سانسیں لے رہی ہو اور میں..... میں اگر اس محل میں زندہ درگور ہوئی تو شاید آنے والی نسلوں کو میرا نام تو درکنار میری باقیات بھی ڈھونڈنے سے نہ ملیں۔'' قمر جہاں نے اذیت بھرے لہجے میں کہا۔ اس کا تجزیہ کتنا کھرا اور کتنا کڑوا تھا۔ یہ کڑواہٹ فاریہ کو اپنے پورے وجود میں گھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''قمر جہاں.....'' فاریہ بے اختیار اپنائیت بھرے انداز میں اس کا ہاتھ تھام گئی۔ اس پل قمر جہاں کا کرب اسے اپنے دل میں اٹھتا محسوس ہوا۔

''یہی سچ ہے فاریہ..... دلاور سے نصیب جڑنے کے بعد وہ عورت کہیں کی نہیں رہتی۔ بھلے وہ اس سے محبت کرے یا نہ کرے۔ مگر جیتے جی مار ضرور دیتا ہے۔'' فاریہ کے لمس سے اپنائیت و خلوص کی خوشبو محسوس کر کے قمر جہاں خود پر سے ضبط کھو بیٹھی۔ وہ دلگرفتگی کے عالم میں بھیگے لہجے میں بولی۔

''تمہاری ماں، نیلم اور میں..... ہمارے نصیب میں ان محل والوں نے بدبختی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے فاریہ اور پھر اتنا بے بس، تنہا اور بے اختیار کر ڈالتے ہیں کہ موت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچ سکتا۔'' اس نے بھیگی آنکھوں سے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''قمر جہاں پلیز..... آپ اس طرح نہ بولیں، اس محل میں اور کسی نے نہ سہی مگر میں نے دل سے آپ کو اپنا مانا ہے۔'' فاریہ روٹھی سی ہو کر بے اختیار قمر جہاں کے گلے سے لگ گئی۔ قمر جہاں کا وجود اسے اپنی ماں جیسا محسوس ہوا تھا۔ اس نے اپنی ماں کا قرب کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ البتہ ماں کے نام پر ایک قمر جہاں تھی جو اسے ہر گزرتے دن کے ساتھ بے حد اپنی لگی تھی۔

''کچھ بھی ہو جائے میں آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں قمر جہاں کو باور کرانے لگی۔

''خیر چھوڑو یہ باتیں، مجھے لگتا ہے تمہیں شبنم کے پاس جانا چاہیے جو کچھ بھی ہوا ہے وہ اس سے شدید خوفزدہ ہو گی ہے؟'' قمر جہاں نے خود کو سنبھالتے ہوئے فاریہ کو خود سے الگ کر کے فکرمندی سے کہا۔

''ہم..... اب تو اس کی بھی فکر ہو رہی ہے۔ اس کے سامنے اتنا تماشا ہو گیا۔ نہ جانے وہ کیا سمجھ رہی ہو گی اور میں بھی نہ جانے کیسے سامنا کروں گی اس کا۔'' فاریہ پریشانی سے بولیں۔

''خیر خود کو مضبوط رکھو اور اسے جا کر سمجھاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ساری باتیں وہ حماد کو کال کر کے بتا دے۔'' قمر جہاں نے پریشانی سے سوچتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ..... میں جا کر سمجھاتی ہوں اسے۔'' قمر جہاں کی بات پر فاریہ اپنی جگہ سے بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

.....❀❀❀.....



www.zemtime.com

الف اگ لگی وچ سینے دے
سینہ تپ کے وانگ تندور ہویا
کجھ لوکاں دے تانیاں نے ماردتا
کجھ بجن اکھیاں توں دور ہویا
اک شیشہ لبیا سی یار دیکھن لئی
اودی زمین تے ڈگ کے چور ہویا
بلھے شاہ لوکی ہس کے یار منالیندے
ساڈا رونا وی نامنظور ہویا

''یا اللہ..... میں تیرے سامنے خاموش ہو گیا تھا، تیری عبادت کرتا، تیرا شکر کرتا مگر تجھ سے دعا مانگنا چھوڑ گیا تھا۔'' ارسل رب کے حضور گڑگڑاتے ہوئے فریاد کر رہا تھا۔

''مما جانی کے چلے جانے کے بعد میں ٹوٹ کر بکھرا تو، تو نے مجھے رفتہ رفتہ سمیٹ کر پھر سے یکجاں کیا تھا۔'' اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

''ماں کے غم کا روگ لگائے میں اپنوں سے دور رہ کر زندگی گزارتا رہا، اس خوف میں مبتلا کہ اپنوں کی محبت اور ان کی تکلیف کہیں مجھے پھر سے توڑ پھوڑ کا شکار نہ کر دے۔'' وہ سب سے بے نیاز اپنے دل کا حال رب کے آگے بیان کر رہا تھا۔ شکستہ دل صوفیہ اسی پل اس حصے میں داخل ہوئی۔ ارسل کی دلگرفتہ آواز سن کر اس کے قدم وہیں جامد ہو گئے تھے۔

''میں بھاگتا رہا محبت سے اور تو نے مجھے ماریانہ سے ملوا دیا، ماریانہ سے مل کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے بچھڑے ہوئے وجود سے مل رہا ہوں، وہ مجھے بالکل مما جانی جیسی لگی تھی۔ مہربان، نرم گو، محبتیں لٹانے والی، اس دنیا کے ہر انسان کو بھلا سمجھنے والی، آنکھ بند کر کے اعتبار کرنے والی۔'' وہ ہر شے سے بیگانہ کہہ رہا تھا اور صوفیہ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ محبت کا پر سرور ذائقہ اس نے بھی چکھ رکھا تھا۔ وہ بھی جانتی تھی کہ جس سے محبت کی جائے اس کا قرب دل و جان سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے اور اس سے جدائی جگر چھلنی کر دیتی ہے۔

''میرے اللہ..... میں جو محبت سے بھاگتا رہا تھا ماریانہ سے عشق کر بیٹھا، میں جو دنیا سے بے خبر و بے نیاز بنا پھر رہا تھا تو نے یہ معصوم زندگی میری جان سے جوڑ دی۔ میری محبت اور روح کا امتحاں بنا دیا۔'' صوفیہ رنجوری سی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ارسل کے قریب آئیں۔

''مما جانی سے جدائی مجھے اپنی زندگی کی واحد، جان لیوا آزمائش لگی تھی مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ تو اتنے عرصے سے میرے وجود کو تیار کر رہا تھا، محبت میں پڑنے والی اس نئی آزمائش کے لیے..... میں نے تجھ سے مانگنا چھاڑ دیا تھا ناں تو مجھے پھر سے مانگنا سکھانا چاہ رہا تھا۔'' ارسل ہنوز اس کی موجودگی سے بے نیاز رہا۔

''میں آج تجھ سے ہاتھ پھیلا کر اپنی ماریانہ کی زندگی کی دعا مانگتا ہوں میرے اللہ۔'' وہ گڑگڑاتے ہوئے رو پڑا۔

صوفیہ اس کی حالت زار پر دل گرفتہ سی دیکھتی رہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جو خبر اس کی سماعتوں میں سوئی کی مانند چبھ رہی ہے۔ وہ اذیت ارسل تک کیسے پہنچائے۔

''ماریانہ مجھے اپنی زندگی کی مانند عزیز ہے، ایک بار میں جیتے جی مر چکا ہوں مگر اس بار نہیں یا رب..... مجھے اگر تو نے زندگی بخشی ہے تو میرے مالک اس کی زندگی بھی بخش دے جیسے میری زندگی کی سانسیں جڑ سکی ہیں۔'' وہ زار و قطار رو رہا تھا۔



www.zemtime.com

''اے مجھے سانسیں دینے والے میں تجھ سے اپنی زندگی کی بھی سانسیں مانگتا ہوں۔'' اس کی درد میں ڈوبی آواز سن کر صوفیہ کو لگا اس کا دل غم سے پھٹ جائے گا۔

''وہ اب خطرے سے باہر ہے ارسل.....'' وہ بے ساختہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر رو دیں۔

''یا اللہ..... تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' وہ بے اختیار سجدے میں گرا۔

''لیکن ماریانہ اب چل نہیں سکتی ارسل۔'' صوفیہ نے درزیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سجدے میں جھکے ارسل کو باخبر کیا۔ ارسل جیسے سجدے میں ہی ساکت رہ گیا تھا۔

''ارسل.....؟'' صوفیہ کچھ دیر تک ارسل کے سجدے سے اٹھنے کا انتظار کرتی رہیں مگر وہ بت بنا سجدے میں پڑا رہا۔

''ارسل تم نے سنا، وہ اب چل نہیں سکتی۔'' صوفیہ گھبرائے ہوئے انداز میں اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر جھنجھوڑنے لگیں۔

''وہ جی تو رہی ہے ناں..... سانسیں تو لے رہی ہے، میرے لیے یہی کافی ہے۔'' ارسل نے سجدے سے سر اٹھا کر صوفیہ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور لہجہ زخموں سے چور تھا۔ صوفیہ اس کی دیوانوں جیسی حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کراہ دیں۔

.....❀❀❀.....

''شبنم.....'' وہ کمرے میں دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو نظر بے ساختہ بیڈ پر جا ٹھہری۔ شبنم وہاں ڈری سہمی سی چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے اور آنکھوں پر چھایا خوف دیکھ کر فاریہ کو اپنا آپ ایک دم سے چھوٹا لگا۔ اس کی پکار پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بت بنی بیٹھی رہی۔ فاریہ اس کی کیفیت دیکھ کر فکرمندی سے آگے بڑھی۔

''شبنم..... تم ٹھیک ہو ناں؟''

''کک..... کون؟'' فاریہ کے نزدیک آ کر سوال کرنے پر وہ بے اختیار اچھل پڑی۔

''میں ہوں فاریہ..... پلیز گھبراؤ نہیں۔'' فاریہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نرمی سے بولی۔

''فاریہ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، مجھے اپنے گھر جانا ہے، تم مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ۔'' شبنم ایک دم سے سہمے و گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

''ہاں میں تمہیں لے جاؤں گی تمہارے گھر۔ تم پلیز پریشان نہ ہو۔'' فاریہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ دل ہی دل میں وہ شبنم کی کیفیت دیکھ کر پریشان ہوئی تھی۔

''نہیں مجھے ابھی جانا ہے، میں اب یہاں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رہنا چاہتی۔'' شبنم نے ضدی پن سے کہا۔

''بس صبح تک کا انتظار کرو، میں تمہیں صبح ہوتے ہی تمہارے گھر لے جاؤں گی۔'' فاریہ اسے خود سے لگا کر یقین دلانے لگی۔

''مجھے یہاں بہت ڈر لگ رہا ہے فاریہ..... ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ تمہارا باپ پھر سے یہاں آ جائے گا۔ مجھے اس کی آنکھوں سے، اس کی باتوں سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ کسی ڈری سہمی نازک سی بچی کی طرح فاریہ سے لپٹتے ہوئے رونے لگی۔ فاریہ کو اپنا دل ڈولتا محسوس ہوا۔ یہ قدرت نے اسے کس مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔

''پلیز فاریہ..... اگر میری جگہ تمہاری کوئی بہن ہوتی تو تب بھی کیا اتنا کچھ ہونے کے بعد تم اسے یوں اکیلا چھوڑ کر چلی جاتیں؟'' فاریہ کو خاموش و الجھا ہوا دیکھ کر شبنم روتے ہوئے ایک دم سے سوال کر گئی۔ سوال کیا تھا تازیانہ تھا جو



www.zemtime.com

فاریہ کے دل پر تیر کی طرح لگا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے شبنم کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''میں جانتی ہوں تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں کہ اپنی بہن کہو مگر پلیز کچھ دیر کے لیے ہی سہی مجھے اپنی چھوٹی بہن سمجھ لو، مجھے اکیلے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ پلیز مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔'' شبنم بڑی عاجزی و لجاجت سے ہاتھ جوڑے اسے امید بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی گڑگڑا رہی تھی۔ شبنم کی یہ گزارش فاریہ کے دل پر کاری ضرب کی طرح لگی تھی۔

وہ اسے بہن سمجھنے کے قابل سمجھے نہ سمجھے۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اس کی بہن تھی۔ ماں جائی نہ سہی مگر باپ تو ایک تھا۔

وہ بے چین سی ہو اٹھی۔

''میں کل صبح تمہیں، تمہارے گھر لے چلوں گی۔ یہ میرا تم سے اور خود سے وعدہ ہے شبنم۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر یقین دلاتے ہوئے لہجے میں نرمی سے بولی۔

''اور ابھی..... ابھی کیا میں اکیلے رہوں گی؟ تم شاید سمجھ نہیں رہیں مگر میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' شبنم رونکھی سی بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو۔ آج رات تم میرے کمرے میں سو جانا۔ صبح ہوتے ہی میں تمہیں تمہارے گھر لے جاؤں گی مگر میری ایک شرط ہے۔'' فاریہ ایک گہری سانس بھرتے ہوئے سوچ کر بولی۔

''کیسی شرط؟'' شبنم حیران ہوئی۔

''آج یہاں جو کچھ بھی ہوا تم اس کا ذکر حماد سے بالکل بھی نہیں کرو گی۔'' فاریہ نے شبنم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہ بتاؤں؟ انہیں بھی تو پتا چلے ناں کہ جس کے بھروسے پر مجھے چھوڑا تھا اس کے گھر میں کیا حال ہوا ہے میرا۔'' شبنم کی ازلی بے وقوفی اور ہٹ دھرمی ایک بار پھر عود آئی۔ وہ منہ بنا کر ناگواری سے بولی۔ فاریہ اس کے اس انداز پر بری طرح چڑی۔

''ٹھیک ہے بتا دینا مگر پھر ہوگا کیا یہ سوچا ہے؟'' اس نے خود پر ضبط کرتے اسے بغور دیکھ کر سوال کیا۔

''ہاں پتا ہے حماد تم پر غصہ کرے گا۔ برا بھلا کہے گا کہ تم اپنے گھر میں میرا خیال بھی نہیں رکھ سکیں اور پھر اسے اپنے غلط فیصلے کا بھی احساس ہوگا کہ اسے مجھے اپنے گھر کے بجائے کسی اور کے گھر نہیں رکھنا چاہیے تھا اور ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں چھوڑ بھی دے۔'' ہمیشہ کی بڑبولی شبنم اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے کہہ گئی۔

''اچھا..... تم یہ سب کچھ حماد کو بتاؤ گی اور تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہاری بات پر یقین کرلے گا؟'' فاریہ کا دل چاہا کہ اس پاگل سی لڑکی کی باتوں پر اپنا سر پیٹ لے۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی اس بیوقوف لڑکی کو ذرا بھی عقل نہیں آئی تھی۔

''ہاں تو کیوں نہیں کرے گا، اس گھر میں سب میری ہر بات پر یقین کرتے ہیں۔'' وہ جتاتے ہوئے گردن اکڑا کر بولی۔

''سب کی نہیں، صرف حماد کی بات کرو، تمہیں لگتا ہے کہ تم جو کچھ اس کے ساتھ کرتی آئی ہو اس کے بعد بھی وہ تم پر اعتبار کرے گا۔'' شبنم کے یوں اکڑنے پر فاریہ سر جھٹکتے ہوئے اسے سنجیدگی سے ٹوکتے ہوئے بولی۔

''میں نے بھلا کیا، کیا ہے اس کے ساتھ؟'' شبنم جانتے بوجھتے انجان بنی۔

''تم حماد پر اپنی عزت مجروح کرنے کا الزام لگانے جا رہی تھیں، اسے اس کے ہی گھر والوں کی نظروں میں بد کردار ثابت کر کے نیچا دکھانے جا رہی تھیں اور اگر بروقت وہ تمہیں ریکارڈنگز کے حوالے سے آگاہ کر کے خبردار نہیں



www.zemtime.com

کرتا تو تم جانتی بھی ہو کہ تم اپنے ساتھ ہی کتنا برا کرنے والی تھیں۔" فاریہ اسے احساس دلاتے ہوئے پرزور لہجے میں بولی۔ شبنم کے چہرے پر بے اختیار شرمندگی کے سائے لہرائے۔

"وہ تمہاری ان ساری بیوقوفانہ حرکتوں کو نظر انداز کر کے اب بھی تمہارے لیے دل سے فکر مند ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اماں بی کی غیر حاضری میں تم پھر کوئی فضول حرکت کرو اور اس بار معاملہ اس قدر سنگین ہو جائے کہ تمہارے اس گھر میں رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہ بچے۔" فاریہ اسے احساس دلاتے ہوئے سمجھانے لگی۔ فاریہ کا سر بے اختیار ندامت سے جھکا۔

"تمہاری ان حرکات کے بعد تم خود سوچو شبنم کہ حماد بھلا تم پر کیسے اعتبار کر سکتا ہے۔ جب تم اس پر الزام لگا سکتی ہو تو پھر اپنے مفاد کی خاطر کسی پر بھی الزام لگا سکتی ہو۔" فاریہ اسے تلخ لہجے میں آئینہ دکھاتے ہوئے بولی۔ شبنم خاموش سی سر اٹھا کر فاریہ کو دیکھنے لگی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ حماد کو جیتنے کی ضد میں وہ اپنا کتنا نقصان کر چکی ہے۔ نقصان بھی ایسا کہ شاید اس کی کوئی تلافی بھی نہ ہو۔

ہوشیار بننا اور ہوشیار ہونا دو مختلف باتیں ہیں۔ ہوشیاری صرف وہی دکھا سکتا ہے جو فطرتاً ہوشیار ہوتا ہے۔ جو بننے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کام میں مار کھا جاتا ہے۔ شبنم بھی صرف ہوشیار بننے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ازلی بے وقوف جو ہمیشہ اپنی باتوں اور اول جلول حرکتوں سے اپنے ہی نقصان کرتی آئی تھی۔

"اس لیے میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ یہاں جو کچھ بھی ہوا اس کا ذکر حماد سے نہ کرنا۔ وہ تم پر اور تمہاری بات پر کبھی اعتماد نہیں کرے گا۔" اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر فاریہ قدرے نرمی سے گویا ہوئی۔ شبنم اس کی بات سمجھ کر آہستگی سے سر ہلا گئی۔

"میرے پاپا ذہنی طور پر نارمل نہیں ہیں، انہیں اچانک سے دورے پڑتے ہیں اور اس کیفیت میں وہ کچھ بھی کر جاتے ہیں۔ اسی لیے میں نے تمہیں کمرے سے باہر نکلنے سے منع کیا تھا مگر تم نے میری بات نہیں مانی اور پھر اپنی من مانی کا نتیجہ بھی دیکھ لیا۔" شبنم کے چہرے پر رضامندی دیکھ کر فاریہ نے شرمندگی سے سر جھکا کر بات بنانے کی کوشش کی۔ ملال میں گھری شبنم نے چونک کر فاریہ کے شرمندگی میں ڈوبے چہرے کی جانب دیکھا۔ اس لڑکی کو اس نے ہمیشہ اکڑی ہوئی گردن، نخوت بھرے لہجے اور تکبر کے سانچے میں ڈھلا پایا تھا۔ آج اسے یوں شرمسار سا دیکھ کر شبنم کے دل کو اچھا محسوس نہیں ہوا۔ فاریہ آج اگر اس کے سامنے شرمندہ تھی تو اپنے باپ کی ذہنی حالت کی وجہ سے۔ وہ ماں باپ کے رشتے سے ہمیشہ محروم رہی تھی۔ گو کہ اماں بی اور فیروز حسن صاحب نے اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور خیال رکھا تھا پر وہ اس کے سگے ماں باپ نہ تھے۔

"خیر تم اب پریشان نہیں ہو۔ تم آج رات میرے ساتھ رہو گی اور کل صبح میں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دوں گی۔" شبنم کے اترے ہوئے چہرے کو کسی گہری سوچ میں غرق پایا تو خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھتی ہوئی اطمینان دلاتے انداز میں بولی۔

"اور حماد؟" اس کی بات پر شبنم کے لبوں سے بے اختیار حماد کا نام پریشانی کی صورت نکلا۔

"حماد کی فکر نہیں کرو۔ میں اسے سمجھا لوں گی۔ اب چلو میرے ساتھ۔" فاریہ اس کی پریشانی سمجھتے ہوئے تسلی دیتی بستر سے اٹھی۔ شبنم بھی اپنا بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

❁❁❁

"آپ کی مریضہ کی حالت گو کہ اب خطرے سے باہر ہے مگر بلندی سے گرنے کے باعث اس کی ریڑھ کی ہڈی



www.zemtime.com

میں شدید چوٹیں آئی ہیں جس کی وجہ سے ان کے جسم کا عقبی حصہ خاص طور پر ریڑھ کی ہڈی اور گردن کافی بری حد تک متاثر ہوئے ہیں۔'' ارسل اور صوفیہ ڈاکٹر کے روم میں بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر انہیں افسوس بھرے انداز میں ماریانہ کی موجودہ صورت حال سے آگاہ کررہا تھا۔

''تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ماریانہ اب کبھی ٹھیک نہیں ہوسکے گی؟'' ارسل نے فکرمندی سے دریافت کیا۔

''ٹھیک ہوسکتی ہے مگر اس کے ٹریٹمنٹ میں وقت لگے گا۔ بہت ہمت کرنی پڑے گی انہیں اور ایسے میں انہیں آپ سب کے ساتھ کی زیادہ ضرورت ہوگی کیونکہ اپنی حالیہ صحت کو دیکھ کر یا اس کے حوالے سے سوچ کر وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہوں گی، ممکن ہے کہ وہ ڈپریشن یا انگزائٹی کا بھی شکار ہوجائیں۔ ایسے میں آپ لوگوں کو ہی ان کو اس ذہنی ٹراما سے نکال سکتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ اگر آپ سب ان کو ایک بار پھر اپنے پیروں پر کھڑا دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ لوگوں کو اپنی زندگی کا بھرپور وقت انہیں دینا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے باری باری ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پرزور انداز میں اپنی بات باور کرانے کی کوشش کی۔

''کتنا وقت ڈکٹورا؟'' صوفیہ بے چین و بے قراری پوچھ بیٹھی۔

''میں کسی خاص وقت کا تعین نہیں کرسکتا مگر پھر بھی..... ممکن ہے چھ ماہ یا پھر اس سے زیادہ، سال بھر کا وقت بھی لگ سکتا ہے ماریانہ کا مکمل طور پر صحت مند ہوکر اپنے پیروں پر کھڑا ہونا اب آپ لوگوں کی ہمت، کوششوں اور ماریانہ کی قوت ارادی پر منحصر ہے۔ جتنا جلد وہ اپنی جسمانی حالت کو سمجھ کر اپنے ٹریٹمنٹ پر فوکس کرے گی اتنی جلد وہ ریکوری کی طرف آسکیں گی۔'' ڈاکٹر نے اپنے مخصوص پیشہ ورانہ انداز میں ارسل اور صوفیہ کو تفصیل سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میری بیٹی کو اس وقت سب سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے ارسل۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس مشکل وقت میں کسی صورت بھی اس کا ساتھ پل بھر کے لیے نہیں چھوڑنا۔'' ڈاکٹر کے کمرے سے نکل کر صوفیہ بے اختیار ارسل کو مخاطب کرکے التجائیہ لہجے میں بولیں۔

''مسز صوفیہ مجھے نہیں پتا کہ آپ کے دل میں میرے اور ماریانہ کے رشتے یا محبت کو لے کر کیا خدشات ہیں مگر میں آپ پر واضح کردوں کہ مجھے اپنی پوری زندگی بھی ماریانہ کی محبت میں صرف کرنی پڑی تو میں ایک لمحے کے لیے بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں۔'' ارسل نے صوفیہ کی آنکھوں میں جھانک کر مستحکم لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ صوفیہ کے چہرے پر پرنم مسکان اور آنکھوں میں امید کی لو چمک اٹھی تھی۔

.....❁❁❁.....

''تم یہ سامان اٹھاؤ اور انہیں میرے کمرے تک لے جاؤ۔'' فاریہ، شبنم کو لیے کمرے سے باہر نکل کر ملازمہ کو آواز لگاتے ہدایت دے کر بولی۔

''تم ساتھ نہیں چلوگی؟'' شبنم نے ملازمہ کے ساتھ جانے سے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایک کام ہے، میں وہ نبٹا کر آتی ہوں، تم گھبراؤ نہیں میرے کمرے میں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔'' فاریہ نے شبنم کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی بات کے جواب میں شبنم اثبات میں سر ہلاتی ملازمہ کے ہمراہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ فاریہ کچھ دیر تک ان دونوں کو جاتا دیکھتی رہی پھر پرسوچ انداز میں وہ بھی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ بالائی منزل پر پہنچ کر اس کے قدم بند کمرے کے سامنے جارکے تھے۔

''مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ اس بند کمرے میں صرف نیلم کے نہیں میری ماں کے بھی باقیات کہیں نہ کہیں دفن ہیں۔'' وہ خودکلامی کے سے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بند کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ دروازے کے



www.zemtime.com

ساتھ ہی دیوار پر نصب سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کمرے کے اندھیرے کو مدھم زرد اجالے میں تبدیل کر ڈالا۔ وہی مخصوص بو، جیسے کسی اجڑے ہوئے بیاباں سے اٹھتی ہے۔ ان کہا، ان سنا سا شور برپا تھا کمرے میں، جیسے کئی یادیں آپس میں گلے مل کر ایک دوسرے سے فریاد کناں ہوں، شکوے کررہی ہوں۔ یہ رنج والم میں مبتلا شور آج سے پہلے فاریہ کی سماعتوں تک رسائی حاصل نہ کرسکا تھا مگر اب کیونکہ وہ اس کمرے میں مدفون یادوں کے مالکوں کے کرداروں سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل کرچکی تھی۔ شاید اسی لیے وہ اس تک اپنا دکھ درد، اپنی داستان سنانے کی کوشش کررہے تھے۔

فاریہ کمرے کو کھوجتی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ جیسے طے کررہی ہو کہ اپنی تلاش کا آغاز وہ کہاں سے کرے۔ ایک مقام پر جاکر اس کی متلاشی نگاہیں تھم گئیں۔ کمرے کے مغربی جانب ایک کونے میں صندوق رکھا ہوا تھا مگر اس کے کنڈوں پر پڑا تالا فاریہ کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر کمرے میں پڑے باقی سامان اور کاٹھ کباڑ کو الٹ پلٹ کرتے دیکھنے لگی۔ تب ہی اس کی نظر پتھر کے ایک شوپیس پر پڑی۔ اس کے ذہن میں جھماکے کی صورت ایک آئیڈیا کوندا۔ وہ پتھر اٹھائے صندوق کی جانب بڑھی اور کنڈے پر پڑے تالے پر زور سے ضرب دیتے ہوئے توڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی کوشش سے کمرے میں بھاری آواز گونجنے لگی۔ دو تین ضرب دینے کے باوجود وہ وزنی تالہ نہ ٹوٹا تو فاریہ نے جھنجھلا کر اس بار قدرے زور سے تالے پر پتھر کی ضرب لگائی۔ تالہ پھر بھی فاریہ کو منہ چڑاتے ہوئے اپنی جگہ پر موجود تھا البتہ پتھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے لڑھکتا ہوا دور جاگرا تھا۔ فاریہ اس پتھر کے تعاقب میں آگے بڑھی۔ جھنجھلائے ہوئے انداز میں اس نے پتھر کو جھک کر اٹھایا مگر دو ہتھی پر رکھا لکڑیوں کا پلندہ اس کا سر ٹکرانے کے باعث نیچے گر گیا تھا۔

"آہ.....!" وہ کراہتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ساتھ ہی بری طرح چڑ کر وہ زمین پر گری ہوئی لکڑیوں کو دیکھنے لگی۔ تب ہی اس کی نگاہیں لکڑیوں کے پلندے کے ساتھ ایک چھوٹا سا چمڑے کے بیگ پر پڑی۔ فاریہ جھک کر اس بیگ کو اٹھا کر کھولنے لگی۔ اس میں سے چند کپڑے ایک فوٹو البم اور ایک سیاہ جلد کی ڈائری نکلی تھی۔ فاریہ نے تجسس بھرے انداز میں فوٹو البم کو کھولا۔ شروع کے چند ورق خالی تھے اس نے تیزی سے ان اوراق کو پلٹا۔ اگلا ورق پلٹتے ہی ایک تصویر اس کے سامنے آئی۔ فاریہ دنگ سی اس تصویر کو دیکھنے لگی۔

وہ تصویر دلاور اور سلمٰی کی شادی کی تھی۔ لباس عروسی میں ملبوس پرکشش نین نقش کی حامل سلمٰی کو فاریہ دیکھتی رہی۔

"امی....." اس کے لبوں سے بے اختیار سسکتی ہوئی آواز ابھری۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے میں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ وہ اس تصویر کو دیکھتی رہی، پہلی بار اس نے اپنے ماں باپ کو ایک ساتھ دیکھا تھا۔ دل گرفتگی کے عالم میں تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے سلمٰی کے چہرے کو بغور دیکھا۔ وہاں سادگی تھی، شرم وحیاء کی لالی تھی۔ فاریہ نے نظروں کا زاویہ بدل کر دلاور کے چہرے کو دیکھا۔ وہاں بے زاری تھی، تکبر اور گھمنڈ تھا۔ فاریہ نے افسردگی سے تصویر کا رخ پلٹ ڈالا۔ اگلی تصویر میں سلمٰی نے چند ماہ کی بچی کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔

"امی کی گود میں..... یہ میں ہوں۔" وہ سرخوشی کے عالم میں تصویر کو اپنی نظروں کے قریب کرتے ہوئے بولی۔ اس تصویر میں سلمٰی کے لبوں پر دھیمی سی ممتا بھری مسکان سجی تھی۔ فاریہ نے بے ساختگی کے عالم میں ماں کے چہرے کو چوم لیا۔ تصویر کے نچلے ورق میں دلاور کی تصویر تھی۔ دلاور اسے گود میں اٹھائے ہوا میں اچھال رہا تھا۔ فاریہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔ وہ بے خود سی تصویر کو دیکھتی رہی۔ دلاور کے چہرے پر خوشی تھی، محبت تھی اور وہ اپنے باپ کے چہرے کو مسکراتی نظروں سے دیکھتی ہنس رہی تھی۔ کئی لمحے گزر گئے فاریہ دم بخود سی اپنی ماں اور باپ کے سنگ کھینچی



www.zemtime.com

گئی تصاویر کو دیکھتی رہی پھر جیسے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ورق پلٹنے لگی۔

اگلی تصویر اس کے ماں باپ کی یاور بخت اور صبیحہ بیگم کے ساتھ تھی۔ یاور بخت کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی، کچھ ایسے ہی تاثرات صبیحہ بیگم کے بھی تھی۔ ان دونوں کے وسط میں بیٹھا دلاور بخت اپنے چہرے پر تکبر سجائے فاریہ کو گود میں بٹھائے ہوئے تھا۔ اس کی ماں ان تینوں کے عقب میں کھڑی تھی۔ زرد و پژمردہ چہرہ، نقاہت و کمزوری سے بھرپور جسامت اور رنجور آنکھیں..... اس کا دل ایک دم سے برا ہوا۔

''دلاور سے نصیب جڑنے کے بعد وہ عورت کہیں کی نہیں رہتی بھلے وہ اس سے محبت کرے نہ کرے مگر جیتے جی مار ضرور دیتا ہے۔'' اسے بے اختیار قمر جہاں کی کہی گئی بات یاد آئی۔ اس تصویر میں جھلکتی یاور بخت، صبیحہ اور دلاور بخت کی بے حسی اور سلمٰی کی اداسی فاریہ کے دل کو بھی پژمردہ کر گئی۔ وہ بددلی سے تصویر پلٹ گئی۔ اگلی تصویر دیکھ کر وہ بری طرح چونکی۔

یہ تصویر دلاور اور نیلم کی تھی۔ نیلم ایک خوب صورت سی ساڑی میں ملبوس تھی۔ وہ ساڑھی دیکھ کر فاریہ کو ایک دم سے وہ دن یاد آ گیا جب اس بند کمرے کی الماری سے اسے ساڑھی ملی تھی اور وہ ساڑھی پہن کر وہ پہلی بار حماد کے گھر گئی تھی۔ اس تصویر میں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ فاریہ کو پچھلی تصویر میں سلمٰی کا اداس اور اترا ہوا چہرہ یاد آ گیا۔ دل ایک دم سے نیلم کے ہنستے مسکراتے چہرے سے بددل ہوا۔ اس کے چہرے پر ناگواری سی پھیلتی چلی گئی۔

''نہیں قمر جہاں..... پاپا میری ماں اور تمہیں تو شاد نہ رکھ سکے مگر اس عورت کے چہرے پر پھیلی خوشی بتاتی ہے کہ وہ پاپا کا ساتھ پا کر جیسے ہفت اقلیم کی دولت پا گئی تھی۔'' وہ حسد سے اس تصویر کو دیکھ کر قمر جہاں سے دل ہی دل میں مخاطب ہوئی۔

اسی ناگواری کے ساتھ اس نے دوبارہ تصویر پلٹی اور ایک بار پھر دنگ رہ گئی۔ اس البم میں موجود ہر تصویر جیسے ایک نئی داستاں سنا رہی ہو۔ اس بار جو تصویر اس کے سامنے تھی وہ اس کی اپنی تصویر تھی۔ وہ لگ بھگ ڈیڑھ دو سال کی عمر کی ہوگی اور نیلم کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ نیلم بڑے پیار سے اس کے رخسار کو بوسہ دے رہی تھی۔ فاریہ متحیر سی کبھی نیلم تو کبھی خود کو دیکھتی رہی۔ اسی تحیر کے عالم میں اس نے ایک بار پھر ورق پلٹا۔ اب کی بار اس کی نگاہوں کے سامنے دو تصاویر تھیں اور وہ دونوں ہی اسٹوڈیو کی تصاویر تھیں۔ ایک تصویر میں سلمٰی اور نیلم ایک دوسرے کو ساتھ بیٹھی تھیں۔ ان دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، انداز دوستانہ تھا اور ان دونوں کے بیچ میں فاریہ بیٹھی تھی۔ نیلم اور سلمٰی دونوں نے بڑی محبت سے فاریہ کو تھام رکھا تھا۔ فاریہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''اف میرے اللہ..... آخر حقیقت ہے کیا۔ ہر تصویر ایک دوسرے سے الگ کہانی سنا رہی ہے۔ یہ عورت میری ماں کی سوتن تھی اور میری ماں اس عورت کے ساتھ اس قدر خوش۔'' فاریہ حیرت سے سر پر ہاتھ رکھے سوچتی رہی۔ اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر نیچے موجود تصویر کو دیکھا۔

اس میں دلاور عین وسط میں بیٹھا تھا۔ اس کی دائیں جانب نیلم اور بائیں جانب سلمٰی بیٹھی تھی۔ دلاور نے فاریہ کو گود میں اٹھا رکھا تھا اور یہ واحد تصویر تھی جس میں ان سب کے چہرے پر بے ریا و جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ محبت ان سب کی آنکھوں میں جھلملا رہی تھی۔ وہ تصویر ایک مکمل فیملی تصویر کے فریم میں ہر لحاظ سے فٹ محسوس ہو رہی تھی۔ فاریہ گومگو سی کیفیت میں اس تصویر کو دیکھتی رہی۔ بے اختیار اس تصویر کو اس نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ فرط جذبات کے عالم میں اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ کچھ دیر تک یونہی اس البم کو اپنے سینے سے لگائے خاموشی سے



www.zemtime.com

آنسو بہاتی رہی پھر بھیگی نظروں سے اس نے اس بیگ کو دیکھا۔ سیاہ جلد والی ڈائری بے اختیار اس کی توجہ اپنی جانب مرکوز کر گئی۔ فاریہ نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اس ڈائری کو اٹھا کر کھول کر دیکھا۔

''سلمیٰ دلاور بخت'' ڈائری کے پہلے صفحے پر اس کی ماں کا نام جلی حرفوں میں لکھا تھا۔ فاریہ نے اپنی ماں کا نام زیر لب دہرایا اور پھر پرسوچ انداز میں وہ ڈائری اور البم اس بیگ میں رکھ کر بیگ اٹھائے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

.....❁❁❁.....

ماریانہ کا ساکت جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا آئی سی یو کے بیڈ پر تھا اور اس کی گردن میں کالر فکس تھا۔ وہ اس وقت بے ہوش تھی۔ ارسل کتنی دیر تک اس کے سامنے کھڑا نم آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی تڑپتی نگاہیں ماریانہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ چہرہ جو چاند سا روشن، پھولوں سا کھلا کھلا رہتا اور ہمیشہ مسکرا کر اس کا استقبال کرتا تھا۔ آج سوکھے زرد پتوں کے مانند مرجھایا ہوا تھا۔ اس کی ستاروں سی روشن آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور گلابی چہرے سے جیسے کسی نے خون نچوڑ لیا تھا۔

''اپنی حالیہ صحت کو دیکھ کر یا اس کے حوالے سے سوچ کر وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہوں گی ممکن ہے کہ وہ ڈپریشن یا انگزائٹی کا بھی شکار ہو جائیں۔'' ڈاکٹر کے کہے گئے خدشات اسے بری طرح پریشان کرنے لگے۔

''ماریانہ کو ہوش میں آنے کے بعد یہ بات پتا چلی تو نہ جانے وہ کس طرح ری ایکٹ کرے گی؟ یہ صدمہ وہ برداشت کر بھی پائے گی یا نہیں۔'' وہ پریشانی سے سوچتے ہوئے ماریانہ کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر سہلانے لگا۔

''ہمیں یہ بات ماریانہ سے چھپانی ہوگی، اگر اسے ہوش میں آتے ہی پتا چل گیا تو وہ ہمت ہار دے گی۔'' وہ پرسوچ انداز میں خود سے ہمکلام ہوتے ہوئے بڑبڑایا۔

''وہ ہمت کیسے ہار سکتی ہے ارسل۔ اس کی ہمت تو تم ہو ناں۔'' ایک انتہائی مانوس سی آواز اسے اپنے عقب سے سنائی دی۔ ارسل بے ساختہ چونک کر پلٹا۔ اگلے ہی پل اس کی نگاہوں میں تحیر سما گیا۔ وہاں اینا پاؤل کھڑی، مسکراتے ہوئے اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''اینا پاؤل تم.....؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔

''ہاں میں ارسل۔'' وہ اسے متحیر دیکھ کر ہولے سے مسکرائی۔

''مگر تم کیسے؟ تم تو اس دنیا سے.....'' وہ الجھن بھری نگاہوں سے اسے کچھ کہتے ہوئے رکا۔

''ہاں میں اس دنیا سے جا چکی ہوں مگر تم نے تو مجھے اپنے دل میں، اپنی یادوں میں حتیٰ کہ اپنی دعاؤں میں بھی زندہ رکھا ہے۔ تمہارا دل پریشان تھا تو مجھے خبر ہوگئی اور میں بس تمہیں ہمت دینے یہاں آگئی۔'' اینا پاؤل پرخلوص سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کہہ رہی تھی۔ ارسل بے یقین نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو ارسل؟ پہلے بھی جب تم اکیلا پن محسوس کیا کرتے تھے تب بھی میں تمہارے پاس تمہاری تنہائی بانٹنے آیا کرتی تھی۔ آج بالکل ویسے ہی اینا پاؤل بھی تمہارے سامنے کھڑی ہے۔'' اس بار ارسل کی سماعتوں سے شاہینہ کی آواز ٹکرائی۔ اس نے گردن موڑ کر اینا پاؤل سے کچھ فاصلے پر کھڑیں شاہینہ کو دیکھا۔

''مما جانی.....!'' وہ بے اختیار ان کی جانب بڑھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرائیں۔

''بات دراصل یہ ہے بیٹا کہ تم نے ہمیں اپنی دنیا سے کبھی نکالا ہی نہیں اور جب تم نے نکالا نہیں تو پھر بھلا ہم بھی کہاں جا سکتے ہیں۔ جب بھی تمہیں اداس یا پریشان یا پھر گھبرایا ہوا محسوس کرتے ہیں تو تمہارے پاس چلے آتے



www.zemtime.com

ہیں۔" وہ نرمی سے ارسل کی الجھن دور کرتے ہوئے اس کے پاس آئیں۔ ارسل انہیں دم بخود سا دیکھتا رہا۔
وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں۔ جب سے ماریانہ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی اس کا اکیلا پن دور ہوگیا تھا اور جب سے اس کی تنہائیوں نے اسے الوداع کہا تھا تب سے مما جانی کا تصور بھی ان سے ملاقات کرنا چھوڑ گیا تھا اور آج ماریانہ کو اس حال میں دیکھ کر وہ اذیتوں میں گھرا پھر سے خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا تو مما جانی اور اینا پاؤل پھر سے اسے سہارا دینے چلی آئی تھیں۔ یہ احساس کہ وہ تنہا نہیں اس کے دل کو چھو گیا۔
"مما جانی ماریانہ....." وہ ماں کی قربت کو محسوس کر کے دلگیر انداز میں ماریانہ کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے بڑبڑایا۔
"بیٹا ماریانہ کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے نئی زندگی بخشی ہے مگر بیٹا اس زمین پر بسنے والی ہر ذی روح کے ساتھ رب العزت نے آزمائش والا معاملہ رکھا ہے۔ ماریانہ بھی اس وقت آزمائش سے گزر رہی ہے اور بیٹا یاد رکھو..... یہ آزمائش صرف ماریانہ کی نہیں تمہاری بھی ہے۔ جب دو انسان میاں بیوی کے رشتے میں جڑ کر ایک ہو جاتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کی زندگی بھی جیتے ہیں اور ایک دوسرے کی آزمائش کو بھی سہتے ہیں۔" شاہینہ کی بات ارسل کے دل پر لگی۔ ارسل چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔
"اور صحیح معنوں میں تو یہ آزمائش تمہاری ہے۔ اس مشکل وقت میں تم ماریانہ کا ساتھ نبھاتے ہو۔ اسے احساس محرومی کے دکھ سے کیسے بچاتے ہو۔ یہ تمہارا امتحان ہے ارسل۔" اینا پاؤل بھی اس کے نزدیک کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر بجی حوصلہ افزا سی مسکراہٹ ارسل کی ہمت کو توانا کر گئی۔
"تم بنو گے اس کی ہمت تو وہ اس آزمائش میں بھی سرخرو ہو جائے گی۔" اینا پاؤل نے ارسل کو پر یقین نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں بیٹا اگر تم چاہتے ہو کہ ماریانہ بالکل صحت یاب ہو جائے تو اس کے لیے تمہیں خود میں ہمت پیدا کرنی ہوگی۔ آج تم اس کے پیر بنو گے تو کل وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو پائے گی۔" شاہینہ نے اپنی مخصوص پر شفقت انداز میں ارسل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔ شاہینہ اور اینا پاؤل کا عکس اسے مسکراتا دیکھ کر دھیرے دھیرے معدوم ہوتا چلا گیا۔ کچھ دیر پہلے اس آئی سی یو میں ایک خوف زدہ، پریشان گھبرایا ہوا سا ارسل سانسیں لے رہا تھا مگر اب اس کی جگہ باہمت و حوصلہ مند ارسل بیڈ پر سوئی ہوئی ماریانہ کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

❀❀❀

وہ فاریہ کے بستر پر دراز سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی ہزار کوششوں کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
"تم حماد پر اپنی عزت مجروح ہونے کا الزام لگانے جا رہی تھیں، اسے اس کے ہی گھر والوں کی نظروں میں بدکردار ثابت کر کے نیچا دکھانے جا رہی تھیں۔" اس کے دماغ میں رہ رہ کر فاریہ کی باتیں کیڑے مکوڑوں کی طرح کلبلا رہی تھیں۔
"اگر بروقت وہ تمہیں ریکارڈنگز کے حوالے سے آگاہ کر کے خبردار نہ کرتا تو تم جانتی بھی ہو کہ تم اپنے ساتھ ہی کتنا برا کرنے والی تھیں۔" فاریہ کی بات سن کر اسے اپنی نادانی سے بھرپور غلطی کی سنگینی کا ادراک آج ہو رہا تھا اگر اس دن وہ سب کے سامنے حماد پر الزام لگا کر اسے بدکردار ثابت کرنے کی کوشش کرتی اور سی سی ٹی وی فوٹیج میں حقیقت سامنے آنے پر وہ کسی سے نظر اٹھانے کے قابل تو کیا نظر ملانے کے بھی قابل نہ رہتی۔ وہ چاہتی تھی کہ حماد پر الزام لگا کر وہ گھر


www.zemtime.com

والوں کے ذریعے حماد کو خود سے شادی کرنے پر مجبور کرلے گی اور اپنی اس آرزو کی تکمیل کی خاطر اس نے اپنی عزت تک داؤ پر لگادی تھی۔ کتنی گر چکی ہوگی وہ اپنی اس حرکت کے بعد حماد کی نظروں میں اس بات کا ادراک بھی اسے فاریہ کے منہ سے اپنے کردار کی حقیقت جاننے کے بعد آج ہوا تھا۔

''وہ تمہاری ان ساری بیوقوفانہ حرکتوں کو نظر انداز کرکے اب بھی تمہارے لیے فکر مند ہے۔'' شبنم کی آنکھوں میں موتی جھلملائے۔ کوئی اتنا بے لوث کیسے ہوسکتا ہے اور وہ اتنی خود غرض کیسے ہوسکتی ہے۔

''وہ نہیں چاہتا تھا کہ اماں بی کی غیر حاضری میں تم پھر کوئی فضول حرکت کرو اور اس بار معاملہ اس قدر سنگین ہو جائے کہ تمہارے اس گھر میں رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہ بچے۔'' حماد اس کی تمام نادانیوں، غلطیوں، گستاخیوں کو بھلائے اب بھی اس کے بھلے کے لیے سوچ رہا تھا اور وہ..... وہ یہاں بیٹھ کر بھی اس کی اور فاریہ کی زندگی میں زہر گھولنے کے منصوبے بنا رہی تھی۔

''تمہاری ان حرکات کے بعد تم خود سوچو شبنم کہ حماد بھلا تم پر کیسے اعتبار کرسکتا ہے۔'' تف ہے اس کی سوچ پر..... شبنم کو ایک دم سے خود سے گھن آنے لگی۔

''جب تم اس پر الزام لگا سکتی ہو شبنم تو پھر اپنے مفاد کے خاطر کسی پر بھی الزام لگا سکتی ہو۔'' دوسروں کے گریباں کو چیرنے والوں کے ہاتھ میں جب اپنا گریباں آتا ہے تو چیرنا تو درکنار، جھانکنا ہی پل صراط سے گزرنے کے مترادف لگنے لگتا ہے۔ ایک حساب کتاب کا دن اللہ نے مخصوص کر رکھا ہے اور ایک دن ہوتا ہے سود و زیاں کے حساب کتاب کا۔ یہ ہر انسان کی زندگی میں ضرور آتا ہے۔ زندگی بھر کی کمائی کا کھاتا کھلتا ہے۔ کیا کمایا، کیا گنوایا ہر حساب اپنے اپنے خانے میں درج ہوتا ہے پھر پورا دن اسی سود و زیاں کے حساب کتاب کے نذر ہو جاتا ہے اور پھر اختتام پر معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی کمائی کے لیے کچھ بچا بھی رکھا ہے یا اپنا ہر عمل اس فانی دنیا کے دراب میں بہک کر کسی جواری کی طرح لٹا ڈالا۔ اتنی محنت کا کوئی فائدہ بھی ہوا یا بس زندگی خسارے میں گزرتی رہی۔

انسان اتنا بے بس و بے اختیار ہے کہ اپنا چہرہ خود دیکھ بھی نہیں پاتا۔ اپنی اصلیت جاننے کے لیے بھی ہم آئینے کے محتاج ہوتے ہیں اور عموماً یہ آئینہ ہمیں کوئی دوسرا ہی دکھاتا ہے۔ شبنم نے بھی آج فاریہ کے دکھلائے گئے آئینے میں اپنا اصل دیکھا تھا اور تب سے اس کے اندر بے چینی و بے کلی، ایک اضطراب کی سی کیفیت پھیلی ہوئی تھی۔ دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی۔ شبنم نے چونک کر دیکھا۔ دروازہ آہستگی سے کھلا تھا۔

''شاید فاریہ آگئی۔'' شبنم اندازہ لگا کر جلدی سے آنکھیں بند کرکے، کمبل اوڑھے سوتی بن گئی۔ فاریہ چمڑے کا بیگ اٹھائے آہستگی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے بیڈ پر سوئی ہوئی شبنم کو دیکھ کر اس نے اطمینان بھری ایک گہری سانس اپنے وجود میں اتاری اور بیگ لیے بستر کے دوسرے سرے پر بیٹھ گئی۔

''شبنم.....'' کسی خیال کے تحت فاریہ نے شبنم کو دھیرے سے پکارا مگر شبنم اس کی آواز سن کر بھی سوتی بنی رہی۔ وہ اس وقت جس پچھتاوے سے گزر رہی تھی، اتنی ہمت نہ تھی کہ فاریہ کا سامنا کرپاتی۔ فاریہ شبنم کو سوتا سمجھ کر اطمینان بھرے انداز میں چمڑے کا بیگ کھول کر ڈائری نکالنے لگی۔ بستر پر کمبل اوڑھ کر وہ ڈائری اپنے سامنے کیے کھولنے لگی۔

''سلمیٰ دلاور بخت'' پہلا ورق پلٹتے ہوئے اس نے ہولے سے نام دہرایا۔ اس کی مدھم آواز شبنم کی سماعتوں میں سرگوشی کی مانند سرسرائی۔

''شاید کوئی کتاب پڑھ رہی ہے۔'' وہ آنکھیں موندے دل ہی دل میں قیاس کرنے لگی۔ اس کی پشت فاریہ کی جانب تھی اور سماعتیں اس کی ہر حرکت کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔



www.zemtime.com

فاریہ اگلے ورق پر موجود تھی۔ وہ ورق انتہائی خوب صورت لکھائی سے مزین تھا۔ وہ لکھائی کسی مضمون کی صورت اختیار کیے ہوئے تھی۔ فاریہ نے تجسس بھرے انداز میں اس مضمون پر نگاہ ڈالی اور بناء آواز کیے پڑھنا شروع کردیا۔

''عورت کا وجود اللہ نے باعث رحمت بنایا ہے، میں نے اپنے ابا کو ہمیشہ یہی کہتے سنا تھا۔ اس جملے میں مخفی عورت کے وجود کے لیے احترام اور اہمیت کے پیغام میں مجھے ایسی کشش محسوس ہوتی تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں واحد تمنا محبت سے بڑھ کر عزت کی، کی تھی مگر اس گھر میں قدم رکھنے کے بعد پہلی رات ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ محل عنقریب میری خوشیوں حتی کہ تمام خواہشوں کا قبرستان بن جائے گا۔ پہلی رات ہی مجھے دلاور بخت کی باتوں نے ایک بدکردار اور آوارہ مزاج شخص ثابت ہونے کا احساس دلایا۔ انہیں میاں بیوی کے رشتے کے تقدس کا رتی بھر بھی خیال نہیں۔ وہ عورت کو صرف اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کا ذریعہ سمجھنے کے عادی ہیں اور بیوی کی تو دلاور کی زندگی میں اہمیت تو درکنار رتی بھر گنجائش بھی نہیں۔ وہ بیوی کو ایک زرخرید غلام سے بڑھ کر اہمیت دینے کے قائل ہی نہیں۔'' ان سطور کے آگے شادی کی پہلی رات سلمٰی پر بیتنے والا واقعہ بیان تھا۔ فاریہ لفظ لفظ پڑھتی رہی۔ اس کی نظروں سے گزرتا ہر لفظ اس کے حساس دل کو کچوکے لگا رہا تھا۔

''دلاور کی حقیقت اس کی زبانی جان کر مجھے اتنا دکھ نہیں ہوا جتنا بی جی کی بے حسی اور تلخ رویے نے تکلیف پہنچائی۔ ان کی باتوں سے مجھے ادراک ہوا کہ وہ دلاور کی آوارگیوں، کردار کی گراوٹ سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ دلاور کی تمام بے ہودہ اور اخلاقی گراوٹ پر الیٹ کلاس کے لائف اسٹائل کا پردہ ڈال کر، میرے دبے دبے احتجاج پر متوسط طبقے کے ہونے کا طعنہ مار کر خاموش کردیتی ہیں۔ کبھی کبھار میں سوچتی ہوں کہ کوئی عورت اتنی سفاک کیسے ہوسکتی ہے۔ خود بیوی کے درجے پر پہنچ کر وہ رب کے بنائے گئے اس خوب صورت رشتے کی توہین کو بھلا کیسے برداشت کرسکتی ہے۔ دلاور پر اختیار ہونے کے باوجود بی جی کبھی انہیں بے راہ روی کا شکار ہونے سے نہیں روکتی ہیں بلکہ مجھے اکثر محسوس ہوتا ہے جیسے وہ دلاور کو جان بوجھ کر بے راہ روی کی طرف بڑھاوا دے رہی ہوں۔'' فاریہ بے یقینی سے یہ سطور پڑھ رہی تھی۔

''بی جی ایسا کیسے کرسکتی ہیں۔ وہ تو پاپا کو آج بھی ان کی بے راہ روی پر ڈانٹتی ہیں، کوستی ہیں پھر وہ انہیں بڑھاوا..... کیسے؟'' اس ڈائری نے اسے بری طرح الجھا ڈالا تھا۔ وہ الجھن بھرے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے اگلا ورق پلٹ کر پڑھنے لگی۔

''مجھے کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے میں کسی محل میں نہیں بلکہ ایک خوفناک کھنڈر میں قید ہوکر رہ گئی ہوں۔ نہ اپنی مرضی سے جی سکتی ہوں، نہ مرسکتی ہوں۔ ایک درندہ صفت انسان مجھے غلاموں کی طرح رکھتا ہے اور جب اسے میرے جسم کی ضرورت ہو تو اسے ہزاروں طرح کی اذیت سے گزار کر اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ بی جی کہتی ہیں یہ اس رشتے کا حق ہے جو وہ وصول کرتا ہے اور میں سوچتی ہوں کہ کیا میاں بیوی کا رشتہ صرف جسمانی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بنایا گیا ہے یا صرف بیوی کو اذیت دینے کا نام ہے۔ کیا یہ دو روحوں کا ملن نہیں..... اللہ نے میاں بیوی کا وجود تو ایک دوسرے میں بسنے کے لیے اس دنیا کی سب سے خوب صورت آرام گاہ بنایا ہے۔ ہر رشتہ ساتھ چھوڑ جاتا ہے مگر یہ واحد تعلق ہے جو آخری سانس تک ایک دوسرے کا ساتھ نبھاتا ہے پھر اس گھر میں اس رشتے کو اتنا بونا، اتنا ادنیٰ کیوں سمجھا جاتا ہے۔ میں اتنی بے مول ہوچکی ہوں کہ گھر کے ملازم بھی میری دگرگوں حالت سے بے خبر نہیں۔ ان سب کی نظروں میں مجھے اپنے لیے تضحیک نظر آنے لگی ہے۔''

''رضیہ بی بی..... تو میری ماں رضیہ بی بی کو جانتی تھی۔'' رضیہ بی بی کا نام پڑھ کر فاریہ کے تن بدن میں تجسس سا



www.zemtime.com

دوڑا۔ اس کی ماں رضیہ بی بی کے حوالے سے کیا کہنا چاہتی تھی وہ یہ جاننے کے لیے ہولے سے بڑبڑاتے ہوئے صفحہ تیزی سے پلٹ کر پڑھنے لگی۔ فاریہ اس ڈائری کو پڑھتے ہوئے یکسر بھلا چکی تھی کہ اس کے پہلو میں سوئی ہوئی لڑکی شبنم ہے۔

''رضیہ بی بی کی فرشتہ صفت طبیعت کا ہی سہارا ہے جو میں اس حویلی میں اب تک زندہ ہوں۔ میں آج اماں ابا سے ملنے جانا چاہتی تھی مگر بی جی نے روک دیا۔ اماں، ابا سمجھتے ہیں کہ میں اس محل کی پر آسائش زندگی کو پا کر اتنی خوش ہوں کہ اب ان کی گھر کی یاد ہی نہیں آتی مگر وہ شاید کبھی نہ جان پائیں کہ میں یہاں قید ہوں۔ ان کی زیادتیوں اور سفاکیوں کے باعث میرا خون خشک ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ محل نما کھنڈر رفتہ رفتہ میری قبر بن جائے گا اور شاید میں اپنے گھر والوں کو یہ کبھی نہ بتا سکوں کہ شادی کے بعد ایسا کوئی ایک لمحہ بھی مجھے میسر نہیں رہا کہ میں مسکرا سکوں..... میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان سب سے اپنے دل کی بات کہہ دوں مگر اسی خدشے کے باعث تو بی جی مجھے نہ میرے گھر جانے دیتی ہیں نہ ہی ان لوگوں کے آنے پر مجھے اکیلے میں ملنے دیتی ہیں..... انہیں خدشا ہے کہ میرے منہ سے نکلا کوئی بھی حرف، سوسائٹی میں بخت خاندان کی عزت پاش پاش نہ کر دے۔'' فاریہ نم ناک نگاہوں سے اوراق پلٹتی اپنی ماں کی داستان حیات اپنے دل میں اتارنے لگی۔

''آج معجزہ ہوا ہے۔ میرے ویران ہوتے وجود میں ایک ننھی زندگی پلنے کی نوید سنائی ہے ڈاکٹر نے اور بخت محل میں اچانک میری قدر بڑھ گئی ہے..... ایسا لگتا ہے جیسے میری دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔ شاید میری زندگی میں خوشگوار تبدیلی رونما ہونے کو ہے۔'' صفحے پر درج تحریر انتہائی مختصر تھی مگر فاریہ کا دل اس تحریر کو پڑھتے ہی سرشار سا ہوا۔ اس کے وجود کی آمد اس کی ماں کی درد بھری زندگی میں خوشی کا باعث بنا تھا۔ یہ احساس اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

''بی جی مجھے روز باور کراتی ہیں۔ انہیں بخت محل کا وارث چاہیے۔ ان کے خاندان کو لڑکا چاہیے مگر میں کیا دنیا میں کوئی بھی ذی روح اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ اپنی مرضی کی اولاد پیدا کر سکے بلکہ ہم انسان تو یہ اختیار بھی نہیں رکھتے کہ اپنی چاہ سے اولاد پیدا کر سکیں۔ یہ ساری باتیں تو رب عظیم کی کن کی محتاج ہیں مگر بی جی..... وہ کہتی ہیں کہ انہیں لڑکا چاہیے۔ انہیں پوتا چاہیے۔ اس محل کا وارث اور میں ڈرتی ہوں کہ میری قسمت میں اگر اللہ نے لڑکی لکھی تو کہیں اس کا حال بھی مجھ جیسا نہ ہو۔ میرے نصیب کی سیاہی کہیں اس کے نصیب کو بھی تاریکی میں نہ دھکیل دے۔'' سلمیٰ کے خدشات اور اندیشوں میں گھری باتیں فاریہ کو حیران کر رہی تھیں۔

''وہی ہوا جس کا ڈر تھا..... اللہ نے مجھے بیٹی سے نوازا۔ بی جی کا بے زار و سخت رویہ مجھے اندر ہی اندر لرزائے جا رہا تھا مگر تب ہی ایک اور معجزہ ہوا۔ میرے رب نے میری دعا قبول کر لی۔ اس پاک ذات نے دلاور کے دل میں میری بیٹی کے لیے بے پناہ محبت بھر دی۔ دلاور میری فاریہ کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا۔ میری بیٹی میری قسمت کا نور بن کر بخت محل میں چمکی تھی۔ اب تو کبھی کبھار دلاور مجھ سے نرمی سے بات بھی کر لیتا ہے۔ اس کی نظر میں میری دو کوڑی کی عزت اپنا رنگ بدلنے لگی ہے۔ میری فاریہ کی وجہ سے بخت محل میں میری قدر و منزلت بڑھنے لگی تھی۔'' فاریہ کو ایک دم سے اپنے وجود پر فخر محسوس ہوا۔ یہ اس کا وجود تھا جو اس کی ماں کی قدر و منزلت میں اضافے کا باعث بنا تھا۔ وہ خوشی سے سرشار مزید صفحات پلٹ کر پڑھتی رہی۔

''آج مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری قسمت کی تاریکی میری بیٹی کی خوش بختی بھی دور نہیں کر سکتی۔ میں نے بی جی کو باتیں کرتے سنا تھا۔ دلاور کا فاریہ اور مجھ سے قریب ہونا انہیں پسند نہیں آ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ دلاور اپنا دل



www.zemtime.com

گھر میں لگانے کے بجائے پھر سے اپنی پرانی روش اختیار کرلے اور اس خواہش کی وجہ جان کر میرا اس محل میں رہنے والے ہر شخص کی ذات سے اعتبار اٹھ گیا۔" اس کی ماں نے یہ تحریر غالباً روتے ہوئے لکھی تھی۔ اس تحریر کے کئی لفظوں کی سیاہی، آنسوؤں کی بدولت پھیلی ہوئی تھی۔ فاریہ کا دل اس مختصر سی تحریر کو پڑھ کر ڈوبا تھا۔ وہ مزید جاننے کی خواہش میں صفحہ پلٹتے آگے بڑھی۔

"بی جی نہیں چاہتی تھیں کہ دلاور کے دل میں کسی عورت کا راج ہو۔ انہیں خدشا تھا کہ اگر دلاور کسی سے محبت کر بیٹھا تو اپنی محبت کے جنون کے آگے کسی کی نہیں سنے گا۔ بی جی اور بابا جی کو ڈر تھا کہ دلاور ان کی دولت، ان کی راجدھانی، ان کی جائیداد، ان کا کاروبار کسی کے عشق میں پڑ کر لٹا نہ بیٹھے۔ اسی وجہ سے ان دونوں نے دلاور کے دل میں میری جگہ نہیں بننے دی۔ دلاور کے سامنے ہمیشہ میری کم حیثیتی اور کم صورتی کو نشانہ بنا کر مجھ سے بدظن کیے رکھا۔ میں صرف دلاور کی بیٹی کی ماں تھی۔ بخت محل کی ایک ضرورت جبکہ بی جی اس محل کی ملکہ تھیں اور اپنا یہ منصب وہ کسی دوسری عورت کو دینے کے لیے راضی بھی نہیں تھیں مگر قدرت کو شاید اب بی جی کی حکمرانی منظور نہیں تھی۔ تب ہی تو دلاور اس کے عشق میں ڈوب کر اسے بخت محل لے آئے تھے۔ آج مجھے سمجھ میں آیا کرما کیا ہوتا ہے۔ بی جی نے مجھے اور دلاور کو ایک دوسرے سے قریب نہ ہونے دیا اور اس کا نتیجہ نیلم کا حسین وجود نکلا..... وہ ایسی حسین تھی کہ دلاور اس کا پجاری بن کر اسے دیوی کی طرح پوجا کرتا تھا۔ شروع شروع میں مجھے نیلم سے حسد اور رقابت محسوس ہوئی مگر جلد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کی آمد تو میرے لیے جیسے ایک انعام ہے۔" تحریر کے آخری سطور فاریہ کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر گئے۔

گھڑی کی سوئیاں اپنے دائرے کے گرد چکر کاٹتی رہیں مگر گزرتے لمحوں کا فاریہ کے ارتکاز پر رتی بھر بھی اثر نہ پڑا۔ وہ جوں کی توں ڈائری پڑھنے میں مصروف رہی تھی۔

❁❁❁

چیختے ہیں در و دیوار نہیں ہوتا میں
آنکھ کھلنے پر بھی بیدار نہیں ہوتا میں
خواب کرنا ہو، سفر کرنا ہو یا رونا ہو
مجھ میں خوبی ہے بیزار نہیں ہوتا میں
اب بھلا اپنے لیے بننا سنورنا کیسا
خود سے ملنا ہو تو تیار نہیں ہوتا میں
کون آئے گا بھلا میری عیادت کے لیے
بس اسی خوف سے بیمار نہیں ہوتا میں
منزل عشق پہ نکلا تو کہا رستے نے
ہر کسی کے لیے ہموار نہیں ہوتا میں
تیری تصویر سے تسکین نہیں ہوتی مجھے
تیری آواز سے سرشار نہیں ہوتا میں
لوگ کہتے ہیں میں بارش کی طرح ہوں حافی
اکثر اوقات لگاتار نہیں ہوتا میں

"مجھے اچھا لگا تمہیں یوں اپنے لیے اس زمانے سے لڑتا دیکھ کر۔" دلاور، نیلم کی گود میں سر رکھے بستر پر دراز تھا۔



www.zemtime.com

"تمہارے نام سے منسوب ہو کر تمہاری عزت بن چکی ہوں دل..... اپنی عزت پر بھلا اب کوئی آنچ کیسے آنے دے سکتی ہوں۔ اس ناچیز کے وجود سے وابستہ ہر شے اب تمہاری ہی تو امانت ہے۔" وہ اس کی محبت میں سرشار، فخریہ انداز میں بولی تھی۔ اس کی نرم و نازک، گلابی انگلیاں دلاور بخت کے سر کا مساج کر رہی تھیں۔

"تمہاری یہی باتیں تو مجھے تمہارا اسیر بنا ڈالتی ہیں نیلم..... مجھے لگتا ہے کہ میں ہر گزرتے دن کے ساتھ تمہارے عشق میں فنا ہوتا جا رہا ہوں۔" دلاور نے مخمور نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے کہا تھا۔

"اور میں تو تمہاری محبت میں مٹ چکی ہوں دل..... مجھے اب اپنی ذات کی پروا نہیں کیونکہ میں تو اب تمہارے وجود میں جینے لگی ہوں۔" نیلم مسکراتے ہوئے دلاور کے سینے میں اپنا سر رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔ دلاور نرمی سے اس کی زلفوں کو سہلانے لگا تھا۔

ذی حال مستی مقم بہ رنجش
بے حال ہجراں بیچارہ دل ہے
سنائی دیتی ہیں جس کی دھڑکن
تمہارا دل یا ہمارا دل ہے

نیلم کی پر کیف و مسرور سی سریلی آواز کمرے میں گونجنے لگی تھی۔

نیلم کے سنگ گزارے لمحے یاد کر کے اشک بہاتے بہاتے، اس کی بوجھل ہوتی آنکھیں باہم پیوست ہوئیں۔ دنیا کا منظر نظروں سے اوجھل ہوا تو دل کی نظر جاگ اٹھی۔ نیلم اس کے سوچوں، خیالوں سے نکل کر اس کی نگاہوں میں آبسی..... دلاور گاڑی کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے یونہی آنکھیں موندے پڑا رہتا مگر ڈیش بورڈ پر پڑے موبائل پر آتی متواتر کال نے اسے اس کی خوابوں کی سرزمین سے حال میں لا پٹخا تھا۔ دلاور جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ نیلم کی سنگت میں گزارے لمحات محسوس کر کے اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند تیز چل رہی تھیں۔ وہ اپنے حواسوں کو رفتہ رفتہ بحال کرتے ہوئے گاڑی سے باہر نظر دوڑانے لگا۔ جنونی کیفیت میں دیوانہ وار گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ ساحل پر آ گیا تھا۔ موبائل بدستور بج رہا تھا۔ دلاور بخت نے شدید جھنجلائے ہوئے انداز میں موبائل سوئچڈ آف کر دیا۔ وہ اب گہری گہری سانسیں لیتا گاڑی سے باہر نکلا۔ سمندری پرنم ہواؤں نے مسکرا کر اس کے وجود سے لپٹتے ہوئے استقبال کیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ساحل کی جانب بڑھنے لگا۔ کنارے پہ پہنچ کر اس کی نظریں زمین کی آغوش میں دراز ساکت سمندر پر جا روکیں۔ نیلا سمندر، رات کے سیاہی میں کھو چکا تھا۔

"دلاور..... یہ سمندر مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے۔" ماضی سے نیلم کی آواز ابھری تھی۔

"اور مجھے تمہاری ساگر جیسی آنکھیں اپنی جانب کھینچتی ہیں۔" وہ مدہوش سا اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ وہ دونوں رات گئے، ساحل کنارے، ایک دوسرے کے پہلو سے لگے بیٹھے تھے۔

"کبھی کبھی مجھے ڈر لگتا ہے دل..... تمہارے گھر والے مجھے کسی صورت بھی قبول کرنے کو تیار نہیں اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ ان سے لڑتے لڑتے کہیں تم ہمت نہ ہار جاؤ۔" نیلم اندیشوں کا شکار ہو کر اس سے اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھی۔

"میری ہمت تو تم ہو۔ ہمت ہارنا تمہیں ہارنے کے مترادف ہوگا نیلم جو کہ میں کبھی نہیں کر سکتا۔" دلاور نے اس کا ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے کہا تھا۔ نیلم اس کی بات پر بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے سلمیٰ سے اتنی دوستی کیوں گانٹھ لی؟ کہیں تم بھول تو نہیں رہیں سوتن ہے وہ تمہاری..... سہیلی



www.zemtime.com

نہیں۔" ایک دم خیال آنے پر دلاور ذہن میں کلبلاتا سوال، دریافت کر بیٹھا تھا۔

"وہ تو تمہاری پہلی بیوی ہے دل..... سوتن تو میں اس پر بن کر آئی ہوں گھر میں، بہت معصوم اور بے ضرر عورت ہے وہ۔ سچ کہوں تو بخت محل میں بڑی زیادتیاں جھیل رہی ہے وہ بیچاری۔" نیلم نے افسوس بھرے انداز میں کہا تھا۔

"جھیلنے دو..... تمہیں اس سے کیا، زیادہ ہمدردی نہ کرو اس سے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ منحوس عورت تمہاری جان کا وبال بن جائے۔" دلاور نے ناگواری سے اسے ٹوکا تھا۔

"اسے منحوس نہ کہو دل..... بیوی ہے وہ تمہاری۔ تمہیں پسند ہو یا نہ ہو مگر تمہارے وجود کا ایک حصہ وہ بھی ہے اور اس کی بیٹی فاریہ بھی۔" نیلم بے ساختگی میں کہہ گئی۔ اس کے لہجے میں کچھ ایسا جذبہ پنہاں تھا کہ دلاور چونکے بنا نہ رہ سکا تھا۔

"تمہیں اس سے حسد محسوس نہیں ہوتا نیلم؟" دلاور نے حیرانگی سے دریافت کیا تھا۔

"اس سے کیسا حسد دل..... وہ عورت تو تمہاری ایک نظر کے لیے ترستی ہے، شاید تم اسے کبھی میسر ہی نہیں رہے۔ تم نے کبھی اسے غور سے نہیں دیکھا دل۔ بڑا غم چھپا ہے اس کی آنکھوں میں..... بڑی مظلوم لگتی ہے وہ مجھے۔ اس سے برا رویہ اختیار کر کے میں بھی ظالموں کے قطار میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔" نیلم نے سلمیٰ کے کرب کو محسوس کرتے ہوئے کہا تو دلاور نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"اور میرے آنے کے بعد تو تم اپنی بیٹی سے بھی منہ موڑ بیٹھے ہو۔ مجھے اچھا نہیں لگتا دل کہ میری محبت تمہیں، تمہارے اپنے وجود سے ہی بے زار بنا ڈالے۔" نیلم ایک دم سے دلاور بخت کے چہرے پر اپنی نظریں جماتے ہوئے بولی تھی۔

"میں کب اپنے وجود سے بیزار ہوا ہوں نیلم۔ جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو تب سے تو میں اپنے آپ کو مکمل تصور کرنے لگا ہوں۔" اس کی بات پر دلاور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے جتانے لگا تھا۔

"مجھ سے تو تمہاری محبت کی تکمیل ہوئی ہے دل۔ ذات کی تکمیل تو ابھی باقی ہے۔ سلمیٰ اور فاریہ تمہارے وجود کا حصہ ہیں۔ انہیں خود سے دور رکھو گے تو ذات ادھوری رہے گی۔ قریب کرو گے تو مکمل ہو جاؤ گے اور میں چاہتی ہوں کہ میرا دل مکمل ہو۔" نیلم محبت کے عالم میں دلاور کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے بولی تھی۔

"بہت عجیب عورت ہو تم..... اپنی محبت بانٹنے کی باتیں کر رہی ہو۔" دلاور جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"محبت کو ضرب دینا چاہتی ہوں..... تمہاری وجود کے سارے حصے پر حکمرانی کرنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری ذات کا کوئی بھی حصہ مجھ سے بغاوت کے لیے تمہیں مجبور کرے، میں تمہارے وجود کی سلطنت کی ملک بننا چاہتی ہوں دل..... اس لیے یہ جو تم ٹکڑے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہو۔ اسے جوڑ رہی ہوں۔ جب جڑ جاؤ گے تو مکمل میرے ہو گے۔" نیلم بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے بولی تو دلاور ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

www.zemtime.com

# مجھے عشق ہے

## عائشہ نور محمد

"آپ نے مجھے پہچانا کیسے..... آپ اس ڈیرے تک آئیں تھیں؟" وہ حیران تھا کہ اگر ایک لڑکی نے یہ کام کیا تو خطرناک ترین کام تھا۔ وہ ڈیرہ وادی کی سب سے خطرناک جگہ پر تھا اور دور دور تک پہرے تھے۔ پلوشے کے لب پہلی بار مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ ورشے کے قریب تھا مگر اس کی طرف متوجہ ہرگز نہ تھا۔ اس نے اپنی نظریں جھکالی تھیں۔

"تمہارے دوسرے سوال کا جواب ہے کہ میں وہاں نہیں آئی تھی بلکہ ان تمام لوگوں کے ناموں کی لسٹ میرے پاس آئی تھی۔"

"اور محض ناموں کی لسٹ سے آپ مجھے پہچان گئیں؟" وہ مزید حیران ہوا۔ پلوشے ہنس دی۔

"میں کافی عرصے سے تمہیں جانتی ہوں شمائل خان، میرے بابا کے دوسرے ساتھی ہو تم۔" وہ چونک کر ذرا پیچھے ہوا۔ عبداللہ نے بھی گردن موڑ کر بے اختیار پلوشے کو دیکھا کیونکہ ایک وہ بھی ہوا کرتا تھا، وہ قابل اعتماد لوگ جمع کر رہی تھی۔ کل اسے دیکھا تو لگا وہ ووٹ جمع کر رہی ہے، وہ اپنی عمر سے بہت بڑا کام کر رہی تھی تو ایویں نہ کر رہی تھی بلکہ بڑے مستحکم طریقے سے کر رہی تھی۔

"تو پھر سفیر خان سردار خاناں کا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" وہ لمحوں میں اس انسان تک پہنچ گیا جو اب تک پلوشے کی پشت پر تھا۔

"جلد جان جاؤ گے وہ کہاں ہے اور جہاں ہے وہاں میرے حکم سے ہے۔" اس نے عبداللہ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ شمائل خان متحیر ہوا یعنی اس سارے گیم کی سپر مائنڈ وہ خود تھی، وہ یک دم ہنسا، ورشے ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

www.zemtime.com

"ہم تینوں سردار خاناں کے اسٹوڈنٹ تھے اور ان کے وفادار..... ہم تینوں نے عہد لیا تھا اپنے اپنے طور پر تبریز خان، شمروز خان کی بربادی کا..... یہ کیسے ہوگا ہم نہیں جانتے تھے لیکن ہمیں شمروز خان کی سرداری قبول نہیں۔" عبداللہ نے دھیرے دے کہا۔ پلوشے سنتی رہی پھر وہ ہفتے میں تین بار شمائل کے ساتھ چلی جاتی، وہ اسے قریب موجود اپنے ٹریننگ سینٹر میں لے جاتا، سب جانتے تھے کہ وہ شمائل کا نیا دوست ہے، وہ وہاں نوجوان لڑکے کے روپ میں جاتی تھی۔ پہاڑی لڑکا، شاکر خان کو اس نے یہ بات نہیں بتائی تھی۔

❀.....☆❀☆.....❀

"نازنین اور حشام کا تو جانے کیا ارادہ ہے میرے خیال سے پلوشے اور شمروز کی شادی کردینی چاہیے اب ہمیں۔" تبریز خان یوں بولے گویا پلوشے کا رشتہ بھی ورثے کی طرح بچپن میں ہی طے کردیا گیا ہو۔ ثانیہ خان دھک سے رہ گئیں۔ شمروز خان کافی چھوٹا تھا مگر باادب تھا مگر شمروز خان وہ تو کوئی درندہ تھا۔ وہ اپنی بیٹی اس کے حوالے کیسے کردیں مگر وہ ہمیشہ سے اس بات کے لیے تیار تھیں، وہ بچپن میں اپنی بیٹیوں کو اپنے بھائیوں کے گھر لے کر نہیں جانا چاہتی تھیں لیکن اب وہ بڑی ہوچکی تھیں، پلوشے نے اگرچہ تیمور لالا کے بیٹے سے شادی سے انکار کردیا تھا مگر انہوں نے اس کے انکار کو اہمیت نہ دی تھی۔

"لالا..... پلوشے ابھی پڑھ رہی ہے، اس کی پڑھائی مکمل ہوجائے تو میں آپ کو کال کروں گی اور آپ کو آنا ہوگا..... نجانے اس وقت حالات کیسے ہوں میں آپ کو تفصیل سے بتا نہ سکوں تب بھی آپ سمجھ لینا کہ آپ کی بہن نے مشکل میں ہی پکارا ہے۔"

"تم ابھی میرے ساتھ چلو ثانیہ۔" وہ سمجھ رہے تھے کہ تبریز کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی ہے لیکن ثانیہ نہ گئیں، گل کے بعد زمرد پر بھروسا کیسے کرسکتی تھیں، حالانکہ کبھی وہ سب ایک قالب اور دو جسم کی مانند ہوا کرتی تھیں مگر گل جاناں کی جان اب دولت تھی اور زمرد کا نجانے کیا حال ہوگا، یہاں کم از کم ان کی بیٹیاں اپنے باپ کی دولت میں سے کھاتی تھیں، گل جاناں جو بھی کہتی رہے یہ احساس تو باقی تھا کہ سب کچھ ہمارا ہے، وہ خود اپنی ہی گھر کی نوکر بنی ہوئی تھیں اپنی اولاد کی بہتری کے لیے لیکن اب اپنی اولاد کی بہتری کے لیے انہیں یہاں سے جانا ہوگا، وہ تیار تھیں اس بات سے بے خبر کہ ان کی اولاد بھی تیار ہے۔

"پلوشے ابھی پڑھنا چاہتی ہے۔" جو وہ چاہتی تھی وہ جانتی تھیں اور جو پلوشے کررہی تھی وہ بے خبر تھیں۔

"بعد میں بھی پڑھ لے گی..... اس نے کون سا یہاں سے کہیں جانا ہے۔" گل جاناں نخوت سے بولیں۔

"دونوں بہنیں اب سمجھدار ہوگئی ہیں، ساری جائیداد ان کے حوالے کرنے کا قانونی وقت آچکا ہے..... اب دیر نہیں ہوسکتی۔" تبریز خان نے کہا لیکن اگلے دن ہی حالات نے پلٹا کھایا کہ معاملات تبریز خان کے ہاتھوں سے پھسلنے لگے، جس دن سے بیس گھروں نے عبداللہ کے صحن میں اسے سردار قبول کیا تھا اس دن سے جیسے کمپین شروع ہوگئی تھی۔

"اگر ہم ابریز خان کی اولاد کو اپنا سردار بنالیں تو....." یہ جملہ ان بیس گھروں سے نکل کر وادی کے ہر اس حصے میں پہنچا تھا جہاں متاثر خاندان تھے، وہ خاندان جو شمروز خان تبریز خان یا پھر ان کے مصاحبوں کے ہاتھوں سے زخمی ہوئے تھے..... کچھ کی زمینیں ہتھیالی گئی تھیں، کچھ کے گھر چھین لیے گئے تھے، کچھ بلاوجہ قتل ہوئے تھے اور یہ یہاں کا غریب طبقہ تھا، اس لیے بات شروع ہونے سے پہلے کہا جاتا تھا "کسی سے کہنا نہیں یہ میرا ہی خیال ہے" اور یہ بات کسی سے کہی نہیں جاتی مگر بچہ بچہ اس دن کا منتظر تھا جب ابریز خان کی اولاد ان کی سردار بنے گی، چند ایک نے اعتراض کیا تھا۔

"کیا اب عورتیں ہماری سردار بنیں گی۔" ظاہر ہے وہ مرد تھے اور عورت کی حکومت کیسے برداشت کرسکتے تھے۔

"پھر شمروز کو بناؤ سردار، اپنی عورتوں کو رسوا کروانے کے لیے۔" یہ عورتیں تھیں جو سینہ ٹھونک کر سرگوشیوں میں ہی



www.zemtime.com

کہتی تھیں، سرگوشیاں جو دیوار کے پار نہیں جاتیں لیکن اس وادی میں ہر شخص انہیں اتنی بار سن چکا تھا کہ بس اب منتظر تھا، چند ایک کے اعتراض کی اہمیت ہی نہ تھی اور یہ پلوشے خان تک نہیں پہنچے اور کاش یہ اعتراض پلوشے تک پہنچ جاتے، وہ ان کا سدباب کرلیتی یا وہ اس طرف سے بھی ہوشیار ہوجاتی۔

"سردار تبریز خان جو اب تک ایک نگران سردار تھے اب چونکہ سردار خاناں کی اولاد قانونی طور پر بالغ ہوگئی ہے، اسی لیے وہ اپنی کرسی سے ہٹ رہے ہیں۔"

"یہ کیا ہے؟" ورشے نے حیرت سے پلوشے کو دیکھا، انہیں اتنی آسانی سے سب مل رہا ہے پھر اتنی تگ ودو کیوں کی انہوں نے؟

"یہ ایک ڈراما ہے تم پورا دیکھ لو۔" پلوشے حویلی کے دالان میں کھڑی تھی، سامنے جرگہ سجا تھا۔ غریب امیر سب جمع تھے، سردار خاناں اپنی کرسی پر بیٹھے تھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ میں بھائی کی اولاد پر کوئی ظلم کرنے کا مرتکب ہو اسی لیے سارا فیصلہ جرگہ کرے گا۔" پلوشے مطمئن تھی اس کی تیاری مکمل تھی۔

"ہم خوش دلی سے سردار ابریز خان کی اولاد کو اپنا نیا سردار قبول کرتے ہیں۔" غریب طبقہ خوشی سے نعرہ لگا رہا تھا جو آواز سرگوشیوں سے اوپر نہیں اٹھتی تھی اس سے آج وادی گونجنے لگی تھی۔

"دیکھو پلوشے سب کتنی آسانی سے ہوگیا..... تم نے خوامخواہ اتنی تیاریاں کیں، خود کو بھی اور دوسروں کو بھی مشکلوں میں ڈالا۔" ورشے نے اسے ذرا خفگی سے دیکھا۔ اس ایک سال میں شمائل خان نے دو تین بار جان کی بازی لگا کر تبریز خان کے اسلحہ کے کاروبار اور ان گاڑیوں کی نشاندہی پاکستانی فوج کے جانثار سپاہیوں کو کی تھیں۔ اسے تبریز خان پر اپنا اعتبار بھی قائم رکھنا تھا، وہ تیزی سے ترقی کرتا تبریز خان کے اس کاروبار میں ریڑھ کی ہڈی بنا تھا..... عبداللہ نے اپنا کام جانفشانی سے نبھایا اور عبداللہ کا ہی کام اب کام آرہا تھا، سب لوگ ابریز خان کی اولاد کو سردار بنانے کے لیے تیار تھے ورشے کو تسلی ہوئی۔

"بالکل..... ابریز خان جیسا سردار ضرور ہمیں چاہیے لیکن ان کی اولاد اگر لڑکا ہوتی تو یقیناً اس کے علاوہ آج ہم کسی کو قبول نہ کرتے مگر ان کی اولاد لڑکی ہے جو بہرحال سردار نہیں بن سکتی۔" پلوشے نے گہرا سانس لیا، ورشے کا سانس رکا، ڈراما پورا ہوگیا تھا، وادی ساکن ہوگئی تھی۔

جرگہ فیصلہ سنا رہا تھا، وہ جرگہ جس میں سب کے سب فیصلے کرنے والے تبریز خان کے خاص آدمی تھے۔ سب کے سب اس کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے۔ انصاف ختم ہوچکا تھا، جرگے میں اس کے آدمی بھی ہونے چاہیے اس طرف پلوشے کا دھیان نہ گیا کیونکہ وہ سیاست کی طالب علم نہ تھی سو اس جگہ تو اسے مات ہی کھانی تھی۔

"وہ لڑکیاں بھی ہیں اور ناسمجھ بچیاں بھی، اتنی بڑی جائیداد سنبھالنا ان کے بس سے باہر ہوگا، ایک لڑکی کا رشتہ طے ہے اور اس کا منگیتر باہر ملک میں ہے جبکہ دوسری کو میں آج ہی اپنی بہو بنانے کا اعلان کرتا ہوں پھر اس کا شوہر قانون کے مطابق یہاں کا سردار ہوگا، میں نہیں چاہتا کہ میں حکومت کرتا رہوں اور اس کی کہیں حق تلفی کر بیٹھوں۔" وہ عاجزی سے کہہ رہے تھے۔ وادی میں سناٹا چھا گیا پلوشے کی حامیوں کی طرف اور تبریز خان کے مصاحبوں میں ان کے بڑے جذبے اور رحم دلی کی تعریفیں عروج پر تھیں۔ ایسے مجمع میں تین نظروں نے اپنے "سردار" کا طواف کیا اس کے چہرے پر استہزائیہ ہنسی تھی۔ یہ پلوشے خان کی ہار نہ تھی کیونکہ وہ تیار تھی۔ یہ بس ایک سبق تھا جو اسے تجربہ دے گیا اور سبق تو تجربہ ہی دیا کرتے ہیں۔

"مجھے شہر جا کے سیاست کو پڑھنا ہے۔" اپنے کمرے کی طرف پلٹتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہ تمہاری شادی کررہے ہیں، ہم نے اتنی تیاری کی اور ہم ناکام ہوگئے۔" ورشے رونے جیسی ہوئی۔ یہ آج کا دن ایک عذاب مسلسل سے نکلنے کی امید تھی اور وہ امید ٹوٹ گئی تھی۔

"مورے مجھے پڑھنے کے لیے شہر جانا ہے۔" وہ



www.zemtime.com

ضدی ہوئی۔ ان کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر آنسو گر رہے تھے۔

"پلوشے میں مجبور ہوں، میری بچی مجھے معاف کردو۔" وہ ان کے قریب ہوئی۔

"میں نے تیمور لالا کو فون کیا ہے وہ آرہے ہیں۔ میں مزید تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتی، میں جانتی ہوں تمہیں وہ پسند نہیں اور زمرد بھی جانے کس مزاج کی ہے اور ان کا بیٹا وہ بھی پتا نہیں کیسا ہو؟ لیکن میں تمہیں ان درندوں کے بیچ نہیں رہنے دوں گی۔" پلوشے سن سی ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں نے اس نکاح کو قبول کرلیا ہے، تم اسے رد نہیں کرو گی، وہ ساری قانونی کارروائی کرتے ہوئے آئیں گے، وہ بس تمہیں یہاں سے لے جائیں گے۔"

"اوہ میری ماں..... یہ کیا کر بیٹھیں ہیں آپ۔" وہ سن سی ان کا چہرہ دیکھتی دھیرے سی بولی، ماں کے آگے وہ بولتی کہاں تھی۔ یہ اس کی ماں نے اس کے لیے کیا کردیا تھا۔

"بھابی تیمور لالا کی کال ہے۔" زریں جاناں نے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے زریں جاناں کے کمرے میں لے آئیں..... کمرے کا دروازہ بند کرکے اس کی ماں نے اس کا "آن لائن" نکاح کروا دیا اسے پہلی بار اس جدید ٹیکنالوجی پر غصہ آیا اور اس کا اظہار اس نے یوں کیا کہ گھونگھٹ نکال کر بیٹھ گئی اور پھر اسے پتا ہی نہ چلا کہ اسکرین پر ان لائن ہونا تو اس کے شوہر نے بھی گوارا نہ کیا تھا۔ ثانیہ خان، زریں خاناں..... رو رہی تھیں، یہ بہت بڑا قدم تھا جو ان دونوں نے اٹھایا تھا۔ ورشے سہمی ہوئی ایک طرف بیٹھی تھی، تبریز خان سے انہیں توقع تھی وہ ان کے ساتھ کچھ بھی کرسکتا تھا۔ ان کی جان بھی لے سکتا تھا۔

"میں آپ کے بھائی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" آدھے گھنٹے تک بے تحاشا رونے کے بعد اس کی ماں کے دل کو قرار آیا۔ جو بھی ہوا بس ایک اطمینان تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو شمروز خان جیسے انسان سے بچالیا، اب تبریز خان ان کی جان بھی لے لے تو انہیں پروا نہ تھی۔

"تم ان سے کیا بات کرو گی؟" زریں جاناں نے مشکوک ہوکر اسے دیکھا۔

"راستوں کے بارے میں آگاہ کروں گی، کتنے خطرناک ہیں وادی کے راستے۔"

"وہ یہیں کے رہنے والے ہیں اور ہر خطرے سے واقف بھی۔" زریں جاناں چونکہ اسے جانتی تھیں اس لیے وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ تیمور لالا سے بات کرے مگر ثانیہ نے اسے موبائل دینے کا اشارہ کیا۔

"وہ کئی سال پہلے یہاں سے جاچکے ہیں، اب مجھ سے بہتر وہ اس وادی کو نہیں جانتے۔" اس نے ہاتھ پھیلایا۔ زریں جاناں نے بے بسی سے اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ میں اپنا موبائل دے دیا، وہ موبائل لے کر باہر نکل گئی۔

"زریں یہ وقت اسے پرانی باتوں کے طعنے دینے کا نہیں ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ تیمور لالا کو نہیں پتا کہ تبریز کتنا طاقتور ہوگیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں بھی نہیں پتا، وہ لالا سے بات کرلے گی تو ممکنہ خطرے سے نمٹنا آسان ہوجائے گا۔" زریں نے ان کی بات پر بے بسی سے ورشے کو دیکھا۔

❁.....☆❁☆.....❁

"ہیلو..... ہاں زریں بس ایک گھنٹہ اور لگے گا نکاح رجسٹرڈ ہونے کی کارروائی میں پھر ہم یہاں سے نکلتے ہیں، جب تک تم چاروں اپنا ضروری سامان پیک کرلو میں کسی ایک کو بھی وہاں نہیں چھوڑوں گا....." دوسری طرف سے وہ زریں کی کال اوکے کرتے ہوئے بولے تھے۔

"اور یہ جائیداد؟" پلوشے ان کی بات کاٹ کر بولی۔

"اس کی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ سب بعد میں....." وہ اپنی دھن میں بولتے یک دم رکے یقیناً انہیں خیال آیا کہ جو آواز ابھی ابھری ہے وہ زریں جاناں کی نہیں، لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد ان کی آواز آئی۔

"پلوشے....." وہ جواباً کچھ نہ بولی وہ مزید چند پل چپ رہے اس سے بات کرنے کے لیے جیسے الفاظ تلاش



www.zemtime.com

کرتے رہے۔

"ہم آرہے ہیں تمہیں لینے..... تم فکر مت کرو، کچھ نہیں ہوگا، تم میں سے کسی کو بھی۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

"مجھے اپنی فکر نہیں ہے نہ ہی اپنے گھر والوں کی۔ مجھے فکر ہے تو اس وادی کی جس کے لیے آپ کچھ نہیں کرنے والے۔" اس کی بات پر تیمور نے لب بھینچے۔

"میری ماں نے کہا تھا میں اس نکاح کو رد نہ کروں اسی لیے میں نے قبول کرلیا، اب میں چاہتی ہوں کہ جن گواہوں کے سامنے یہ نکاح ہوا ہے انہی کے سامنے مجھے طلاق دے دی جائے کیونکہ....."

"پاگل ہوگئی ہو کیا؟" وہ ناگواری سے چیخے۔ "تم جانتی بھی ہو کہ تم کتنے بڑے خطرے میں گھری ہو..... تبریز خان تمہارے ساتھ کیا کرسکتا ہے اور....."

"میں خطرے میں نہیں ہوں، میں خود ایک بڑا خطرہ ہوں..... ایک لاوا جو کسی بھی پل پھٹ جائے گا اور راستے میں آنے والی ہر شے کو تہس نہس کردے گا، راکھ بھی نہ چھوڑے گا کسی کی..... سو میں نے آپ کو یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ آپ کو اس راہ پر نہیں آنا چاہیے۔"

"ہم آرہے ہیں۔" انہوں نے جتا کر کہا اور فون بند کرنا چاہا کہ وہ فوراً بولی۔

"سوچ کر آیئے گا یہ وہی خطرناک راستے ہیں جن پر آپ اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ آج ان ہی پر خطر راستوں پر بارات لائیں گے تو چھوٹا سا حادثہ بھی آپ کو ایک ناقابل تلافی نقصان دے جائے گا۔" وہ سن رہ گئے۔

"پلوشے....."

"نہیں ہے ضرورت مجھے آپ کی ہمدردیوں کی۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔ "فیصلہ چاہیے مجھے ابھی اور اسی وقت۔"

"پلوشے تم ایک چھوٹی سی بچی ہو، میری جان تو یہ صرف میری عداوت میں کررہی ہو..... میں چلوں گا تمہارے ساتھ، اس وادی کے لیے جو کرسکا کروں گا لیکن پلیز اس وقت تم میرے ساتھ آنے کی تیاری کرو۔" وہ گویا منت پر اترے تو پلوشے کو جھٹکا لگا۔

"آپ کیا سمجھ رہے ہیں مجھے؟ میں بھلا آپ سے کیوں عداوت رکھنے لگی، صرف آپ ہی تو یہاں سے نہیں گئے، سارا خاندان چلا گیا تھا۔" وہ متحیر سی بولی۔

"مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے سچ یہی ہے اور یہ میں آپ کی عداوت میں نہیں کہہ رہی، میں پلوشے خان ہوں، اپنے بابا کا بیٹا، ان کی جگہ اس وادی کا سردار۔" اس نے گردن فخر سے اٹھائی۔ "اس وادی کو صرف میری روح چھوڑ کر جاسکتی ہے میرا جسم تو ہرگز نہیں۔"

"میں تمہاری وادی سے محبت کی قدر کرتا ہوں پلوشے مگر تم سمجھ نہیں رہی ہو تبریز خان....."

"کچھ نہیں کرسکتا وہ میرا۔" اس نے ان کی بات کاٹ دی۔ "کچھ بھی نہیں کرسکتا وہ میرا..... اب آپ وہ کریں جو میں کہہ رہی ہوں۔" وہ خاموش رہ گئے تھے۔

❁.....☆❁☆.....❁

"تیار ہوگئیں تم؟" گل جاناں نے اس کے کمرے میں جھانکا۔ لال رنگ کے جوڑے میں وہ دلہن بنی صوفے پر بیٹھی تھی جبکہ ورشے بیڈ پر بکھرا سامان سمیٹ رہی تھی۔ آج اس کی شمروز سے شادی تھی۔ ثانیہ خان ایک طرف بت کی طرح جائے نماز بچھائے دعا مانگ رہی تھیں۔

"ہم لوگ آج نہیں آسکتے کچھ مجبوری ہے۔" اس نکاح کے تین گھنٹے بعد لالا کا فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ دو ایک دن میں آجائیں گے پھر آٹھ دن گزر گئے وہ نہ آئے..... دس دن بعد ان کا فون آیا۔

"مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں ایبرڈ آنا پڑا، میں جلد ہی آؤں گا۔" ثانیہ خان کو حیرت ہوئی تھی، یہاں بات زندگی اور موت پر بنی تھی، اس سے زیادہ ضروری کام کیا تھا لیکن یہ زندگی اور موت ان کی تھی، ان کے بھائی کے بچوں کی پڑھائی بھی اہم تھی، جس کے لیے وہ یہاں سے چلے گئے تھے۔

www.zemtime.com

"ہماری زندگی ان کی پڑھائی سے اہم نہیں ہوسکتی۔" ورشے نے اذیت سے کہا اور پھر اذیت بڑھتی گئی، ایک ماہ گزر گیا، گل جاناں نے شادی کی تیاریاں شروع کردیں انہیں ہول اٹھنے لگے تھے۔

"جیسے آپ نے پلوشے کو زبردستی اس بندھن میں باندھا ہے لگتا ہے ماموں نے بھی اپنی اولاد پر زبردستی کی تھی۔" ورشے نے کہا تو وہ چڑ گئیں۔

"پھر لالا کو چاہیے کہ مجھ سے سچ بولیں۔" اور ایک ماہ دس دن بعد لالا کی کال آئی۔

"ثانیہ ہم....."

"لالا آج سچ بولیں جو بھی ہے..... صرف سچ، یہاں لمحہ لمحہ میری سانسیں اٹک رہی ہیں۔ گل جاناں شادی کی تیاریاں کررہی ہیں، بیس دن بعد شادی کی تاریخ ہے اور آپ اب تک صرف مجھے ٹال رہے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کا بھلا سوچتے ہوئے کسی کے ساتھ زیادتی کردی ہے تو مجھے بتادیں مگر یوں آسرے میں نہ رکھیں۔"

"میں شرمندہ ہوں پلوشے کے بارے میں، میں نے جلد بازی سے فیصلہ لیا..... میرا بیٹا کسی اور کو پسند کرتا ہے۔"

"اس سے کہیں وہ میری بیٹی کو طلاق دے دے۔" کہتے ہوئے ان کے آنسو جاری ہوگئے۔ ورشے نے لب بھینچ لیے، انہوں نے اور کوئی بات نہ کی فون کاٹ دیا۔

"میں نے اپنی بیٹی کے لیے غلط فیصلہ لے لیا زریں۔" وہ روتی رہیں۔

"اب سب ٹھیک ہوگیا ہے، آپ فکر مت کریں، شمروز سے شادی کے بعد سردار خاناں نے کہا ہے کہ وہ مجھے پڑھنے کے لیے شہر بھیج دیں گے، اب آپ روئیں گی نہیں ورنہ مجھے تکلیف ہوگی، کیا آپ کو مجھے تکلیف میں دیکھنا اچھا لگے گا؟" وہ چاہ کر بھی اسے دیکھ نا پائی تھیں۔

❁.....☆❁☆.....❁

"کیا بابا کا دماغ خراب ہوگیا ہے، اس کی ہر بات مان رہے ہیں۔" شمروز سیخ پا ہوا اور تلملا تو گل جاناں بھی رہی تھی مگر تبریز خان کے آگے سب چپ تھے۔ وہ لاؤنج میں تھے تب شمروز خان اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

"اوقات میں رہنا وہاں جاکے..... کتنے ہی لوگ جاننے والے ہیں اس شہر میں ایک بھی خبر آئی تو جان لے لوں گا تمہاری۔" وہ بھڑک کر بولا۔

"بے فکر رہو میں کراچی جاؤں گی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"شادی ہونے دو پھر دیکھنا پڑھائی تو دور کی بات اپنا نام بھی بھول جاؤ گی۔" ورشے نے دہل کر اسے دیکھا، پلوشے ہنس دی۔

"بالکل..... بالکل اس دن کا تو مجھے بھی شدت سے انتظار ہے۔" شمروز اسے تنفر سے دیکھتا باہر نکل گیا اور آج وہ دن آ گیا تھا۔

"ورشے تم بھی تیار ہوجاؤ..... کیا اپنی بہن کی شادی کی خوشی نہیں ہے تمہیں۔" وہ کچن سمیٹ کر ایک کنارے بیٹھ گئی تھی جب پلوشے نے کہا، ایک واحد وہی تھی جو پرسکون تھی ورنہ باقی تین خواتین میں تو زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

"دوپہر سے بیٹھے بیٹھے تو کمر ہی تھک گئی، ذرا لیٹ جاتی ہوں۔" کہہ کر اس نے کشن اٹھا کر سر کے نیچے رکھا اور صوفے پر ہی لیٹ گئی، وہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، نجانے کب اس کی آنکھ لگی۔

"پلوشے..... اٹھو....." ورشے نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ تیزی سے سیدھی ہوئی۔

"سوری پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی تھی..... آ گئے نکاح خواں؟" اس نے اپنا دوپٹا درست کیا، سر بھاری سا ہو رہا تھا۔

"نکاح خواں کیا آئیں گے قیامت آ گئی..... شمروز خان آج صبح گھر سے باہر گیا تھا اب تک واپس نہیں آیا۔"

"اس کی تو یہی عادت ہے۔" اس نے اپنا دکھتا سر پکڑا۔

"وہ اپنے کسی ڈیرے پر گیا تھا واپسی پر اس کی جیپ الٹ گئی..... وہ اور اس کا ڈرائیور سفیر خان شدید زخمی حالت



www.zemtime.com

میں اسپتال منتقل کیے گئے ہیں اور.....“

”سفیر.....“ وہ زیرلب بولی اس کا رنگ سفید ہوا۔

”اوہ اللہ..... سفیر..... یہ سارے پاگل میری ہی زندگی میں آنے تھے۔“ وہ لپک کر اٹھی اور اس نے الماری کی سیف سے اپنا موبائل نکالا اور کال ملائی، دوسری طرف چوتھی بیل پر کال پک کرلی گئی۔

”شمائل، سفیر..... سفیر کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے، وہ کار کے بریک فیل کرکے اسی کار کو ڈرائیو کرنے کیوں بیٹھ گیا، بتاؤ مجھے اب میں کیا کروں؟ یہ وقت جان نثار کرنے کا نہیں تھا۔“ وہ چلائی۔

”وہ زیادہ زخمی نہیں ہے، آپ فکر مت کریں، پہاڑوں کا بیٹا ہے وہ۔“ وہ اس کی فکر دور کرنے کو بولا۔

”تو پھر سن لو تم شمروز خان بھی انہی پہاڑوں میں پیدا ہوا ہے۔“ وہ سلگ کر بولی۔ دوسری طرف سے شمائل ہنس دیا۔

”پھر فکر کی کیا بات ہے، زمین گناہ گاروں کو دائیں سے بائیں بھینچ لیتی ہے۔“ اس نے کہا اور فون بند کردیا، پلوشے نے موبائل کو گھورا اور اسے واپس سیف میں رکھ دیا تھا۔

”پلوشے.....“ ورشے سن سی اسے دیکھتی رہی..... اس نے اپنے کپڑے نکالے اور انہیں لے کر واش روم میں بند ہوگئی، جب واپس نکلی تو ورشے کھانا لیے موجود تھی۔

”تم نے تو دوپہر میں بھی کھانا نہیں کھایا تھا میری تو جان پہ بنی تھی۔“

”ارے تو کیوں نہ کھاتی؟“ اس نے اپنی پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے مزے سے کہا۔

”مجھے سفیر کی صلاحیتوں پر پورا بھروسا تھا۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر مجھے بچائے گا، میں اپنے لوگوں کے لیے ایسے ہی تو جذباتی نہیں ہوں ناں، وہ لوگ بھی مجھ پر فدا ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”تم جانتی ہو آج ہم کتنے بڑے خطرے میں گھر سکتے تھے اگر سفیر ناکام ہوجاتا تو پھر کیا ہوتا؟ شمروز واپس گھر آتا، پھر کیا ہوتا؟“

”تو پھر..... مجھے اسے قتل کرنا پڑتا۔“ اس نے اطمینان سے کہا تو ورشے چونکی۔

”دیکھو ورشے اللہ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے لیے ویسا ہی ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان کرتا ہے..... سو بس میرا یقین تھا کہ اللہ پاک نے میری قسمت میں عادل بننا لکھا ہے قاتل نہیں۔“ وہ مسکرا رہی تھی۔

❁.....☆❁☆.....❁

”یا اللہ میرے بچے کو نجانے کس کی نظر کھا گئی۔“ پلوشے نے گل جاناں کی آواز پر شرارت سے ورشے کو دیکھا۔

”ان کا جملہ ٹھیک کرواؤ نظر نہیں ”آہ“ کھا گئی۔“ ورشے نے اسے گھورا، شمائل خان نے ٹھیک کہا تھا، زمین نے اسے واقعی بڑے زور سے بھینچا تھا، اس کی ہڈی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ تین مہینے تک وہ بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتا تھا جبکہ اس کا ڈرائیور ایک ہفتے بعد اسپتال سے رخصت ہوگیا تھا۔

”تمہیں کچھ ہوجاتا سفیر تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کرتی۔“ وہ بظاہر ہسپتال شمروز خان کے لیے آئی تھی، وہ آئی سی یو میں تھا، گل جاناں پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ ثانیہ، زریں اسے سنبھالنے میں ہلکان ہو رہی تھیں۔ دو دن تک ڈرائیور بھی آئی سی یو میں رہا مگر تیسرے دن اسے ہوش آ گیا تھا۔ شمروز خان کو اگرچہ ہوش ڈرائیور سے پہلے آ گیا تھا مگر اس کی تکلیف پر ڈاکٹرز نے اسے پھر بے ہوش کردیا تھا۔

”یہ جملہ اس طرح ہوتا کہ اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو میں خود کو معاف نہیں کرتی تو مجھے سننے میں مزہ آتا۔“ اس کے تینوں غلاموں میں شمائل اسے زچ کرتا تھا۔ سفیر خان دھیرے سے مسکرایا پھر اس نے تبریز خان کو بتایا کہ کار کے بریک اچانک فیل نہ ہوئے تھے بلکہ پہلے سے ہی فیل تھے یعنی کسی نے جان بوجھ کر شمروز کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سن کر تبریز خان کا دماغ الٹ گیا اور وہ اپنے دشمنوں کی



www.zemtime.com

لسٹ بنانے لگا تھا۔

"ہم بے چاری لڑکیاں جو کبھی کبھی وادی میں جاتی ہیں اس کے دشمنوں کی لسٹ میں آخری نمبر پر بھی نہیں ہیں۔"

وہ ہنسی تو ورشے مسکرا بھی نہ سکی۔ بے حد خطرناک کھیل اس کی بہن آرام سے کھیل رہی تھی۔ تین ماہ بعد وہ گھر آ گیا تھا، اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے سرک گئے تھے، وہ وہیل چیئر پر تھا۔ تبریز خان کی بھی جیسے کمر ٹوٹ گئی تھی، اس کے مصاحبین میں اچھی خاصی پھوٹ پڑ گئی تھی۔ تبریز خان نے ہر کسی پر شک کرنا شروع کر دیا تھا۔ حالات دن بدن تبریز خان کے ہاتھوں سے نکلنے لگے تھے، وہ تندہی سے ان سب کو قابو کرنا چاہ رہا تھا اور سب سے زیادہ وہ پلوشے خان کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا..... اسی لیے اس کی خواہش پر اسے کراچی بھیج دیا۔ تب ہی یہاں شہریار ملک اس کی زندگی میں آیا اور وہ یونی ورسٹی میں نظروں میں آ گئی۔

☆☆

"ازبک....."

"پلوشے....." وہ چونک کر اپنی پکار پر پلٹا تو حیران ہوا..... وہ ابھی ایک مشترکہ میٹنگ سے فارغ ہوئے تھے۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"جی بولیں۔"

"آج تو یونی کا ٹائم ختم ہو چکا ہے میں چاہتی ہوں کہ کل آپ یونی جانے سے پہلے آفس میں میرا انتظار کریں۔"

"اوکے....." وہ سر ہلاتا خود سے الجھتا کہ آخر کیا بات ہو سکتی ہے بولا۔ وہ فوراً آگے بڑھ گئی۔ وہ واپسی کے لیے مڑا تو قدرے تعجب سے سامنے والے منظر کو دیکھا..... ایک لڑکا گاڑی کا پچھلا ڈور کھولے کھڑا تھا اور پلوشے خان اسی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی مگر بیٹھتے ہوئے وہ کچھ کہہ رہی تھی اور وہ لڑکا مسکرا رہا تھا پھر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ ازبک نے گہرا سانس لے کر سر جھٹکا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆☆

"ازبک احسان کل میٹنگ کیسی رہی اور پلوشے خان کی کتنی باتوں سے انحراف کیا تم نے، اس کی کتنی تجاویز کو رد کیا؟" اسید رضا کل کی میٹنگ میں شامل نہیں تھا۔

"تم اگر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو غلط کر رہے ہو، ضروری نہیں ہے کہ بندہ اسے ہی اہمیت دے اور بھی لوگ ہیں ان کی بھی تجاویز سن لینی چاہیے اور ویسے بھی ایک ہفتے بعد ہمارے پیپرز ہیں اس کے بعد ہم فارغ ہو جائیں گے..... پیپرز کے بعد کمپین شروع ہو گی اور یونی لیڈر آ جائے گا، اسی لیے ہمیں ایسا ماحول نہیں بنانا چاہیے کہ پلوشے کے نام کا شہرہ یونی میں ہوتا رہے۔"

"تو اچھا ہے ناں ہوتا رہے..... وہ الیکشن میں حصہ لے رہی ہے۔" اسید نے کہا تو وہ بری طرح چونکا۔ "اس کے یونین لیڈر بننے میں زیادہ مشکل نہ ہو گی اس طرح۔"

"وہ تو کافی کم عمر ہے۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تو اسید ہنس دیا، سعید بھی مسکرایا۔

"اس کا خیال ہے کہ وہ بڑی ہو چکی ہے ورنہ محمد بن قاسم نے سترہ سال کی عمر میں سندھ فتح کر لیا تھا اور اس سے پہلے متعدد جنگوں میں سپہ سالار رہا تھا۔" اسید بولا۔

اسی لمحے پلوشے گلاس وال سے اندر آتی نظر آئی۔

"السلام علیکم!" اس نے دروازہ دھکیلتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام!" اسید اور سعید حیران تھے، انہیں اس کے آنے کا نہیں پتا تھا۔

"جی فرمائیں کیا کہنا تھا آپ کو؟" وہ سامنے بیٹھ گئی، اس کی خاموشی اس کے چہرے پر پھیلا تذبذب اسید اور سعید کے لیے حیران کن تھی، وہ جھجکنے والوں میں سے نہ تھی پھر ایسی کیا بات تھی؟

"یونی میں آپ ایک اچھی شہرت کے حامل انسان ہیں۔ اسی لیے میں آپ کے پاس آئی ہوں یقیناً آپ میری بات ٹھنڈے دل و دماغ سے سنیں گے اور سمجھیں گے۔" وہ رکی اور ان تینوں کو دیکھا، کیا بات تھی جو اسے کہنے



www.zemtime.com

میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

"آپ جس سیاسی پارٹی میں آج کل شامل ہیں وہ پاکستان کی چوتھی بڑی جماعت ہے، میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اس میں شامل کروادیں۔"

"پلوشے خان فکر نہ کریں آپ اچھی اسٹوڈنٹ ہیں، ڈگری سے پہلے آپ کو جاب مل جائے گی۔"

"جاب نہیں چاہیے مجھے سعید میں....."

"پھر کیا سیاست میں آنے کا ارادہ ہے؟" اسید نے دلچسپی سے پوچھا، اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ دونوں الجھے۔

"میں ان بڑے بڑے سیاستدانوں سے ملنا چاہتی ہوں، میں دیکھنا چاہتی ہوں جتنی جلدی میں ڈریس چینج نہیں کرتی اتنی جلدی یہ لوگ بیان کیسے بدل لیتے ہیں۔ یہ جو ان کی اچھی بری شہرت ہوتی ہے یہ واقعی ایسے ہوتے ہیں یا ان کی کوئی اور سائیڈ بھی ہوتی ہے..... مجھے جاب چاہیے نہ ہی عہدہ، مجھے تجربہ چاہیے۔" اس نے اسید کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے سیاستدانوں کو قریب سے دیکھنا ہے..... مجھے انسانوں کو پرکھنا، سیکھنا ہے، وہ باہر سے جو بھی ہوں وہ اندر سے کیسے ہیں اور میں انہیں کیسے ڈیل کروں..... اس کے لیے بہترین انسان سیاستدان ہیں، وہ میڈیا پر جو نظر آتے ہیں کیمرہ آف ہوتے ہی ماسک اتار دیتے ہیں، ان سے زیادہ تبدیل ہونے والا انسان کوئی نہیں ہوتا، اسی لیے میں ان لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں، میں ان میں سے کسی کے پاس جاب بھی کرسکتی ہوں لیکن اس کے لیے لمبا وقت چاہیے ہوگا اور میرے پاس وقت نہیں ہے..... جو ہے ابھی ہے کی بنیاد پر مجھے تجربہ کرنا ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟" ازبک حیران ہوا، اسے ملازمت نہیں چاہیے تھی اور سیاست میں بھی نہیں آنا تھا پھر۔

"میں چاہتی ہوں آپ مجھے وہاں بطور سیکرٹری لے جایا کریں۔" اس کے کہنے پر وہ تینوں چونکے۔

"لیکن تم نے تو کہا کہ تم جاب نہیں کرنا چاہتی؟" اسید بولا۔

"تو ازبک کو بھی کون سا سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ بس یہ میرا تعارف اس سرکل میں یہی کہہ کر کروادیں اگر کسی کی پرسنل سیکرٹری بنی تو کام کرنا ہوگا اور تجربہ اتنا حاصل نہ ہوسکے گا جتنا کم وقت ہے میرے پاس..... ازبک کی سیکرٹری ہونے کا مطلب ہے میں "آزاد" ہوں، اپنے وقت کے مطابق کام کروں جب جانا چاہوں جاؤں جب نہ جانا چاہوں نہ جاؤں..... جس سیاستدان سے ملنا ہو ملوں جس سے نہ ملنا چاہوں اس سے نہ ملوں۔" اسید سے کہہ کر وہ ازبک کی طرف مڑی۔

"میں آپ کو یہ تکلیف ہرگز نہ دیتی مگر میرے جتنے بھی کانٹیکٹ ہیں ان میں سے آپ اچھی شہرت کے حامل ہیں..... آپ مجھے سوچ سمجھ کر جواب دیجیے گا۔ یہ "تجربہ" میرے لیے زندگی اور موت کی حیثیت رکھتا ہے، میں آپ کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں بنوں گی، بس کچھ وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملنا ہے مجھے، زیادہ سے زیادہ تجربہ اور علم حاصل کرنا ہے، میرے لوگ میرے منتظر ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ وہ لوگ ایک ناسمجھ، ناتجربہ کار انسان کی بھینٹ چڑھیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ اسید اور سعید اس کی بات سے متاثر ہوئے اور وہ بس اسے دیکھتا رہا۔

"آج شام میں ایک ٹی پارٹی پر مدعو ہوں، وہاں اٹھارہ بیس کے قریب جماعت کے مشہور سیاستدان موجود ہوں گے۔" ازبک نے کہا تو سعید اور اسید نے چونک کر اسے دیکھا، وہ اسے سوچنے کا وقت دے رہی تھی اور ازبک نے لمحوں میں فیصلہ کرلیا تھا، وہ بھی چونکی۔

"ساڑھے پانچ بجے..... تیار رہیے گا میں آپ کو پک کرلوں گا۔"

"تھینک یو۔" اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے، وہ باہر چلی گئی، اسید نے اسے دیکھا۔

"سوچ لیتے پہلے اس طرح سے حامی کیوں بھرلی۔"



www.zemtime.com

"تم ہی تو کہتے ہو کہ اس کی کسی بات سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔" وہ لاپروائی سے کہتا اپنے موبائل پہ مصروف ہوگیا۔

"پھر بھی اس کا سیکرٹری بننے سے پہلے ایک منٹ کے لیے ہی سوچ لیتے۔"

"تصحیح کرو..... وہ میری سیکرٹری....." وہ رکا اور چونک کر اس نے اسید کو دیکھا جو خفا اٹھاتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اگر پلوشے خان کی باتوں کو ترتیب دیا جائے تو واقعی وہ پلوشے خان کا سیکرٹری بن گیا تھا کہ وہ اسے بتائے گا کب کہاں جانا ہے؟ اور پلوشے خان کے پاس وقت ہوگا تو وہ جائے گی وگرنہ نہیں..... اس نے لب بھینچ لیے لیکن اب جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا تھا۔

"اسید..... ازبک کو چڑاؤ مت اس نے اچھا کیا کہ پلوشے کو دنیا پر کھنے کا محفوظ راستہ دیا..... حنا نے اس کے بارے میں جو بتایا ہے کہ وہ اپنے قبیلے کی سردار بننا چاہتی ہے، اس لڑکی کی ہمت ہے کہ وہ اتنے نامساعد حالات میں ایسی ولولہ انگیز اور حوصلہ مند ہے اور ہمیں اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں جو ہم اس کے لیے کرسکتے ہیں کرنا چاہیے۔" سعید سنجیدگی سے بولا، ازبک پھر سے اپنے موبائل میں مصروف ہوگیا لیکن اسید کے چہرے پر اب تک شرارت کی چمک تھی جو ازبک کو زچ کرنے کے لیے کافی تھی۔

❁.....☆❁☆.....❁

"السلام علیکم!" وہ پانچ بجے اسے لینے ہوسٹل آیا تھا، اس نے چوکیدار سے اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی تو وارڈن نے اسے اندر آفس میں بلوالیا۔

"وعلیکم السلام!"

"میں آپ کو ذاتی طور پر جانتی ہوں ازبک، اسی لیے کیا اعتراض کروں گی، وہ چاہتی تھی کہ میں آپ سے مل لوں کیونکہ ہوسٹل میں، میں نے اس بات کی سخت سے پابندی کر رکھی ہے کہ لڑکیاں آنے جانے کا وقت بتائیں اور کس کے ساتھ جارہی ہیں یہ بھی ریکارڈ کروائیں..... یہ یورپ یا امریکہ تو ہے نہیں کہ جدھر منہ اٹھائے چل دیئے کوئی پوچھنے والا نہیں۔" وہ بولیں اور وہ خاموش رہا۔

"وہ خود کو بہت چالاک اور سمجھدار سمجھتی ہے ازبک مگر وہ بہت سادہ ہے، اس کا خیال رکھیے گا۔" انہوں نے دھیرے سے کہا۔ جواباً وہ بنا کچھ بولے انہیں دیکھتا رہا، اسی وقت پلوشے خان آگئی تھی۔ وہ عبائے اور اسکارف میں ہمیشہ سے ملبوس ہوتی تھی لیکن سادہ سے عبایا میں..... پر آج وہ کوئی چیف ایگزیکٹو لگ رہی تھی، مصری طرز کا عبایا اور اسکارف میرون رنگ کا تھا، وارڈن کے چہرے پر ستائش ابھری۔

"تعارف ہوگیا؟" اس نے پوچھا تو وارڈن نے سر اثبات میں ہلایا۔

"پھر ہم چلتے ہیں۔" وہ ازبک کی طرف بڑھی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"معذرت میرے پاس کوئی گاڑی نہیں ہے آج..... ورنہ میں آپ کو اتنی بھی زحمت نہ دیتی۔ آپ اگلی بار مجھے جگہ ٹیکسٹ بھی کردیں گے تو میں آجاؤں گی۔" وہ باہر آتے ہوئے بولی۔

"اٹس اوکے..... اب میری سیکرٹری بھی علیحدہ گاڑی میں آئے تو مجھ سے امیر سیاستدان شاید ہی کوئی ہوگا۔"

"اوہ..... ہاں..... الیکشن کمیشن والے تو آپ کی جائیداد کی نئے سرے سے انویسٹی گیشن شروع کردیں گے۔" وہ مزے سے بولی تو فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتا ازبک مسکرایا مگر پلوشے خان کا چہرہ حیران کن تھا۔

"پیچھے کا ڈور کھولیں۔"

"کیوں..... کیا میں آپ کا ڈرائیور ہوں جو آپ پیچھے بیٹھیں گی۔" وہ اس سے زیادہ حیران ہوا۔

"مگر میں تو آج تک پیچھے ہی بیٹھتی آئی ہوں۔" وہ متحیر ہوئی۔

"اس لیے کہ آپ نے آج تک اپنے ڈرائیور کے ساتھ سفر کیا ہوگا۔" وہ فوراً بولا۔

پلوشے نے اسے بڑی عجیب سی نظر سے دیکھا..... وہ



www.zemtime.com

زندگی میں پہلی بار پریشان ہوئی تھی، وہ واقعی اس کا ڈرائیور نہیں تھا مگر وہ بھی تو آج تک فرنٹ سیٹ پر نہیں بیٹھی تھی پھر اس نے گہرا سانس لیا، یہ تو اس کے سفر کی پہلی پریشانی تھی آگے تو جانے کیا کیا سہنا ہوگا۔ وہ بیٹھ گئی، عبایا سمیٹا..... ازبک نے دروازہ بند کیا اور گھوم کر دوسری طرف آیا۔

"یہ میرا لیپ ٹاپ ہے اسے آپ سنبھالیں تاکہ آپ وہاں میری سیکرٹری لگیں۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد پیچھے رکھا لیپ ٹاپ اٹھا کر اسے دیا۔ پلوشے خان کے لیے اس سیٹ پر بیٹھنا ہی مشکل مرحلہ تھا پھر کسی غیر مرد کا بیٹھنا اس سے بھی عجیب مرحلہ، اس نے جلدی سے لیپ ٹاپ پکڑا جو ایک بیگ میں تھا۔

❁.....☆❁☆.....❁

"یہ کون ہیں؟" ازبک کا استقبال کرنے کے بعد انہوں نے پلوشے خان کو دیکھا۔

"میری سیکرٹری ہے پلوشے خان اور پلوشے یہ عنایت اللہ ہیں۔ اس پارٹی کے اہم رکن۔"

"السلام علیکم! ان کے تعارف کی ضرورت نہ تھی سر..... پچھلی بار جب ان کی پارٹی اقتدار میں تھی تب یہ صوبائی منسٹر رہے تھے اور انہوں نے جتنے کام کیے وہ سب یاد رکھنے کے قابل ہیں۔"

"بھئی واہ ازبک صاحب آپ کی سیکرٹری تو کافی ذہین ہیں اور....."

"حیدر کا دوانی آگئے؟" اس نے ان کی بات کاٹ دی۔

"بالکل آگئے..... آپ چلیں اندر میں ذرا اور مہمانوں کو ریسیو کرلوں۔" وہ سر ہلاتا آگے بڑھا تو وہ بھی اس کے ہم قدم رہی۔

"ذرا میری معلومات میں بھی اضافہ کریں محترمہ کہ ان صاحب نے کون کون سے یاد رکھنے والے کارنامے انجام دیئے ہیں۔"

"یہی تو یاد رکھنا ہے سر کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں کچھ نہ کیا تھا اس لیے انہیں آئندہ ووٹ نہ دیا جائے۔" اس نے اطمینان سے کہا تو ازبک نے رک کر اسے دیکھا، پلوشے کو بھی رکنا پڑا تھا۔

"میں ایک محب وطن ہوں سر..... ایک سال پہلے تک نہیں جانتی تھی کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے لیکن اب جان گئی ہوں اور حیران ہوں کہ بے حس ایک انسان ہوتا ہے، خود غرض بھی ایک انسان ہوتا ہے لیکن اس بڑی جماعت کو دیکھ کر جو پہلے ملک کی حکمران بنی تو پورے ملک میں قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ لوٹ مار جلاؤ گھیراؤ جن کا پہلا کام تھا اور ٹارگٹ کلنگ دوسرا..... ان کو آج بھی ووٹ مل رہے ہیں۔ ان کی پارٹی کو آج بھی ڈونیٹ کیا جا رہا ہے، ان کی ترقی آج بھی جاری ہے، ان کے جلسوں میں لاکھوں لوگوں کی شرکت دیکھ کر صاف لگتا ہے کہ ان کے خاندان میں کوئی قتل نہیں کیا گیا۔" وہ کہہ کر رکی پھر سب پر ایک نظر ڈال کر بولی۔ "کیونکہ وہ خود غرض، بے حس لوگ پھر ملک کا انتظام اسی جماعت کو دینے کے خواہاں ہیں، قائد اعظم بھی تو تھے کانگریس میں ہندو مسلم مفادات مشترکہ لیکن جونہی انہیں لگا کہ اس جماعت میں صرف ہندو مفادات ہیں تو وہ فوراً اس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے کیونکہ ان کے پیش نظر اپنا مفاد نہیں بلکہ مسلمانوں کا مستقبل تھا تو پھر بے حس قوم اور خود غرض قوم بن گئی ہے پاکستانی قوم۔"

"ہیلو..... ازبک۔" وہ دونوں چونکے پھر ازبک نے ایک گہری سانس لی اور آنے والے کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہیلو تنویر ہمدانی۔" اور پھر وہ فرداً فرداً لوگوں سے ملتے رہے۔ ٹی پارٹی تو وہ نام کی تھی چائے سے زیادہ تو لوگوں کے ہاتھوں میں ایک خاص مشروب تھا..... سوفٹ ڈرنکس اور کھانے پینے کی اتنی چیزیں کہ رات کا کھانا تو اب شاید ہی کوئی کھاتا..... عورتیں اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھیں مرد اپنی۔

"میں بھی اپنی وادی کو ٹی ٹائم دوں گی..... جس میں ہم سبز قہوہ پئیں گے اور میں ان کی پریشانیاں سنوں گی۔" اس



www.zemtime.com

نے اپنے بیگ سے ڈائری اور پین نکالا..... ازبک کو حیدر کادوانی نے اپنی سیٹ پر بلایا تھا، اس وقت وہ اپنی سیٹ پر اکیلی بیٹھی تھی۔

"ہیلو اپسرا۔" اسے حقیقت میں جھٹکا لگا اور پین اس کے ہاتھ سے چھوٹا۔

"اوہ شاید میں نے آپ کو ڈرا دیا؟" وہ مسکرایا، پین اٹھا کر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"بے فکر رہیں میں ڈراؤنی فلموں کے ڈراؤنے کرداروں سے نہیں ڈرتی۔" اس کی بات پر آنے والے نے قہقہہ لگایا۔

"ازبک کا دن تو آپ کی سنگت میں اچھا گزرتا ہوگا۔"

"گھٹیا انسان کی گھٹیا سوچ۔" وہ اس کی شکل دیکھنے لگا۔ آج تک اس نے اس قسم کا جواب "سیکرٹری گرلز" سے نہ سنا تھا۔

"کافی سخت مزاج معلوم ہوتی ہیں آپ۔"

"اور کافی بے وقوف معلوم ہوتے ہیں آپ۔" وہ دوبدو بولی وہ ایک بار پھر متحیر ہوا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے جانے بغیر ہی اپسرا کا خطاب دے دیا، میں ایک بڑی بلا ہوں تنویر ہمدانی اپنے پیچھے مت لگایئے مجھے۔" اس نے ازبک کا لیپ ٹاپ اٹھایا اور جھٹکے سے اٹھی اور آگے بڑھنے سے پہلے اس نے تنویر ہمدانی کا پیر اپنی ہیل سے رگڑ ڈالا۔

"آیا بڑا مجھے اپسرا کہنے والا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے فوڈ کاؤنٹر تک آئی، تنویر ہمدانی بے اختیار اپنے پیر کی طرف جھکا پھر کرسی پر بیٹھ کر اس نے ازبک کی سیکرٹری کو زیر لب گالی دی۔

وہ ازبک کے پاس آئی تو وہ گرل سے ٹیک لگائے کسی لڑکی سے باتوں میں مصروف تھا۔ وہ یوں ہی فاصلے پہ کھڑی رہی، اس کے ساتھ کھڑی لڑکی نے اشارہ کیا قریب آنے کا..... ازبک نے مڑ کر دیکھا۔

"سیکرٹری کی کیا ضرورت آن پڑی ہے تمہیں؟"

"تکلفات کسے اچھے نہیں لگتے۔" ازبک ذرا سا مسکرایا۔

"مجھے بھی سیکرٹری کے نمبر ملانے ہوں گے۔" وہ ذرا اٹھلاتے ہوئے بولی۔

"تمہارے اور اپنے درمیان تو میں ہواؤں کو بھی نہ آنے دوں۔" وہ مسکرا کر بولا، لڑکی نے گردن تان لی آخر ازبک احسان اس پہ فدا تھا، فخر تو اس کا حق بنتا تھا۔

"سیکرٹری سے تعارف کروا دو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے آفس آؤں تو محترمہ کہہ دیں کہ سر ابھی بزی ہیں ویٹ کریں۔" وہ چہکتے ہوئے بولی۔

"کام سے بڑھ کر کچھ نہیں اگر بزی ہوا تو اسے حق ہے کہ وہ یہ کہہ دے۔" اس کے انداز میں شرارت تھی۔ وہ ہنس دی۔

"پلوشے میرا نام دعا کادوانی ہے اور میں اپنے بابا کی کنگ میکر ہوں اور یہ جو تمہارا باس ہے ناں یہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔" پلوشے بنا کچھ بولے ذرا سا مسکرائی۔

"تمہارا یہ کھڑوس باس تمہیں تو بہت تنگ کرتا ہوگا، اتنی پرفیکشن چاہیے اسے اپنے کام میں کہ سامنے والا تو عاجز ہو جائے۔"

"او کے دعا چلتے ہیں اب ہم۔" وہ مسکرا کر بولا اور پھر پارٹی کے چند اراکین کو الوداع کہہ کر وہ وہاں سے نکل آئے تھے۔

"آپ کا بہت شکریہ..... مجھے آج بہت سے لوگوں سے ملنے کا تجربہ رہا اور میں نے بہت کچھ سیکھا۔" اس نے اپنے بیگ پہ نظر ڈالی جس میں ڈائری تھی۔ اس پر کئی پوائنٹ اس نے نوٹ کیے تھے۔ ازبک نے کچھ بھی بولے بغیر ڈش بورڈ سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونکی اور پھر اس کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔

"اوہ ازبک یہ تو ڈنر کا پروگرام ہے، اتنی رات گئے تو میرا آنا مناسب نہ ہوگا، آپ مجھے ٹی ٹائم یا پھر لنچ پر انوائیٹ کریں۔" ازبک نے چونک کر اسے دیکھا، ابھی کچھ دیر پہلے پارٹی میں وہ اسے "سر" کہہ کر بلا رہی تھی پھر اس نے



www.zemtime.com

ایک گہری سانس لی۔

"واقعی پلوشے کا سیکرٹری بننے سے پہلے مجھے ایک منٹ کے لیے صحیح مگر سوچ لینا چاہیے تھا۔"

❁.....☆❁☆.....❁

"دو سال بعد ایک ایسا ڈاکٹر مل گیا جو ساٹھ فیصد شمروز خان کو ٹھیک کرنے میں شیور تھا۔ شمروز خان کو اب امریکہ لے جانے کی تیاری ہو رہی ہے اور تبریز خان یقیناً وادی کا ذرہ ذرہ بیچ کر بھی شمروز خان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"توبہ ہے ورشے۔" وہ جھنجلائی تو ازبک نے چونک کر اسے دیکھا، ورشے کا یہ میسج اسے تب ملا جب وہ ازبک کے ساتھ کھانے پر مدعو تھی، اس کا میسج پڑھ کر اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"بندہ سوچ سمجھ کر منہ سے الفاظ نکالے۔" اب وہ سر جھکائے ٹائپنگ کر رہی تھی۔ ازبک برابر میں بیٹھے ایک شخص سے محو گفتگو تھا..... اس نے موبائل بیگ میں رکھا اور اپنے لیے جوس لینے اٹھی، وہ ازبک کے ساتھ کئی لنچ پارٹی اور ٹی پارٹی اٹینڈ کر چکی تھی۔ حالانکہ ازبک پیپرز کے بعد یونی نہیں آیا تھا اور اب یونی میں نئے یونین لیڈر کے الیکشن شروع ہو چکے تھے۔

"اس بار تم آرام سے لیڈر بنو گی، مقابلے کے لیے کھڑی ہو جاؤ۔" اسید نے اسے کہا۔

"میں پیدا ہی حکومت کرنے کے لیے ہوئی ہوں اسید رضا اور اس کے لیے مجھے کسی مقابلے کی ضرورت نہیں۔" سعید نے ستائش سے اس کا اعتماد دیکھا۔ اسید جو اس کی میز پر ہاتھ رکھے ذرا سا جھکا کھڑا تھا ہنستا ہوا سیدھا ہوا۔ اس وقت جب وہ ایک لنچ پر تھی، ورشے کا "میسج" اس کا دماغ گھما گیا، اس نے ورشے کے میسج کے بعد سفیر کو کال ملائی اور پھر ازبک کو ایکسکیوز کرتی وہ ایک طرف ہو گئی جہاں نسبتاً رش کم تھا۔

"یہ کون ہے شمروز خان کو ساٹھ فیصد ٹھیک کرنے والا آ گی؟" وہ سلگ کر بولی تو دوسری طرف سے جاندار قہقہہ لگایا گیا۔

"واہ ہماری ملکہ۔" دوسری طرف شمائل تھا۔

"یا اللہ شمائل خان..... تمہاری حرکتوں سے کہیں ہم پھنس نہ جائیں..... تم سفیر خان کے ساتھ کیا کر رہے ہو اس وقت؟" وہ جھلائی۔

"ملکہ میں آپ کے حکم کا پابند رہنے کا عادی نہیں رہا..... آخر ڈیڑھ سال سے آپ نے مجھے کوئی حکم نہیں دیا۔"

"پہلی بات میں ملکہ نہیں سردار ہوں تمہاری اور دوسری بات کہ میرا حکم وہی ہے شمائل خان، تبریز خان کے اسلحہ کاروبار اسے کبھی نفع نہ دے سکے۔"

"عبداللہ اور سفیر کو تو آئے دن حکم ملتے ہیں۔" وہ گویا ہوا جیسے وہ کوئی لاڈلہ بچہ ہو اور اسے نظر انداز کیا جا رہا ہو۔

"حکم تو ان دونوں کے لیے بھی وہی ہے کہ سفیر، تبریز خان کو اس کے مصاحبوں سے بدظن کرتا رہے اور عبداللہ کمپین چلاتا رہے، پہلے غریب لوگ اب امیر بھی شامل ہیں اس لیے کہ تبریز خان اپنی بدگمانی کے باعث بہت سے لوگوں کے ساتھ از خود دشمنی مول لے چکا ہے۔ اسی لیے ان دونوں کو کال کر کے تفصیلات سنتی رہتی ہوں..... اتنی سی بات ہے تم خوامخواہ رائی کا پہاڑ بنا رہے ہو حالانکہ....."

"حالانکہ آپ ان دونوں سے زیادہ میری قدر کرتی ہیں کہ جو میں نے آپ کے لیے کیا وہ ہمیشہ آپ کے کام آنے والا ہے۔"

"تم نے میرے لیے کیا کیا؟" اس کی آنکھوں میں شرارت چمکی، وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس ٹریننگ کی بات کر رہا ہے جو اس نے اسے دی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ میری ملکہ کی یادداشت اتنی کمزور ہے کہ وہ میری کارکردگی کو بھلا سکے۔" شمائل نے مزے سے کہا تو پلوشے نے اپنی ہنسی روکی۔

"یہ تم مجھے بار بار ملکہ کیوں کہہ رہے ہو، میں تمہاری سردار ہوں بھئی۔" وہ ذرا برہم ہوئی۔



www.zemtime.com

"ہرگز نہیں کہوں گا سردار..... ذہن میں داڑھی مونچھوں اور اونچے شملے والا شخص آجاتا ہے ملکہ کہنے سے زرق برق پوشاک میں سر پر تاج لگائے ایک خوب صورت عورت کا تصور بندھتا ہے تو بس آپ ہماری ملکہ ہیں اور یہ وادی اپنی ملکہ کی منتظر ہے....." اس نے کہا۔

پلوشے کا سر اپنے "غلام" سے تعریف سن کر بلند ہوگیا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"اور ہاں سنیں آپ شمروز خان کی موت نہیں چاہتیں حالانکہ یہ ایک پل کا کام تھا، وہ مرے گا نہیں لیکن وہ ٹھیک بھی نہیں ہوگا۔ یہ صرف ہمارا پلان ہے جتنی رقم اس کے علاج پر لگنی ہے تبریز خان کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہے۔"

"اور یہ پلان مجھ سے ڈسکس کیے بغیر تیار کرلیا؟" وہ بولی۔

"وہ اپنا اسلحے والا کاروبار ڈبو دے گا..... اسے پیسہ چاہیے ہوگا، وہ کچھ بھی کرے گا۔"

"یہی شمائل خان..... یہی تو، اس کو پیسہ چاہیے ہوگا، وہ کچھ بھی کرے گا تو ضروری نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں سے پیسہ وصول کرنے کی کوشش کرے جو اسلحے میں اس کے ساتھی ہیں۔ وہ میرے باپ کی جائیداد کو بھی تباہ کرسکتا ہے، وہ وادی کے غریب لوگوں کی زمینیں بھی ہتھیا سکتا ہے، وہ بچوں اور جوان لڑکیوں کو بیچنے کا گھناؤنا کام بھی کرسکتا ہے، وہ قہر بن جائے گا اگر اسے پیسہ نہ ملا تو۔" وہ ساری احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر چلائی..... آس پاس کے لوگوں نے اسے چونک کر دیکھا، دوسری طرف شمائل دم بخود تھا، یہ سب تو اس نے سوچا ہی نہ تھا، اس نے کال کاٹ دی اور ضبط کرتی پلٹی۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں۔" وہ تیز تیز چلتی ازبک کے پاس آکر رکی..... ازبک چونک کر اس کی طرف مڑا، اس کا چہرہ اس کی پریشانی کی ترجمانی کررہا تھا۔

"آپ تجربہ لینے نکلیں ہیں ناں تو آج اس بات کا تجربہ بھی کرلیں۔" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا یقیناً کسی بات نے بلکہ شاید کوئی بڑی بات نے اس مضبوط اعصاب کی لڑکی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"جب دماغ ہمیں کنٹرول کرتا ہے تو ہم مضبوط قدموں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں لیکن کسی صدمے کے باعث دماغ کام کرنا بند کردے تو پھر کیسے کھڑا ہونا ممکن ہوگا؟" پلوشہ نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اسے لگا اس کا دماغ جاگا ہو، وہ ایک گہری سانس لے کر آنکھیں موند کر خود کو پرسکون ہونے کی ہدایت دینے لگی ہاں یہ اس کی ٹریننگ کا حصہ تھا۔

"آپ سردار بنیں گی تو آپ کو بعض باتوں میں بہت سادباؤ سہنا ہوگا جو بعض اوقات دماغ بند کردیتا ہے..... یہ صرف سردار بننے سے ہی منسلک نہیں ہے، تحقیق کے مطابق یہ بیماری عام ہوچکی ہے گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔ وہ کچھ سوچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

❁.....☆❁☆.....❁

"سوری....." شمائل خان کا یہ میسج دوپہر کو ہی آگیا تھا، اس کے اپنے نمبر سے مگر پلوشے نے وہ کافی دیر کے بعد دیکھا تھا۔

"پلان بنانا میرا کام ہے اس پر عمل کرنا تمہارا کام۔" اس نے یہ نہیں لکھا تھا کہ "تم پلان نہ بنایا کرو" مگر شمائل خان کو خفت ہوئی، عبداللہ اور سفیر کی طرف سے "شیم آن یو" کی ایموجی۔

"اب اس ڈھول کا کیا کروں؟" اس نے بے چارگی سے چند منٹ بعد واٹس میسج کیا۔

"بجاؤ۔" شمائل نے دانت پیسنے کی ایموجی بھیجی، ان پانچوں کا واٹس ایپ گروپ ابھی حال ہی میں بنا تھا مگر ورشے نے کبھی اس میں بات نہ کی تھی البتہ وہ تمام صورت حال سے واقف ضرور رہتی تھی۔

"کیسے؟" سفیر کی طرف سے سوالیہ ایموجی آیا۔

"تیل کی دھار دیکھو اگر وہ دائیں طرف گرے تو پلان جاری رکھو لیکن اگر وہ بائیں طرف کا رخ اختیار کرلے تو تیل بہنے کی وجہ کو غائب کردو۔" کافی دیر تک تینوں میں سے کسی کا میسج نہ آیا، شاید وہ اس کے پیغام کو ڈی کوڈ کررہے



www.zemtime.com

تھے۔

"پہلے ہم نے آپ کو شمروز سے بہتر سردار کے آپشن پر قبول کیا تھا پھر ہمیں آپ سے محبت ہوگئی تھی اور آج ہم آپ کو ایک ذہین اور سمجھدار سردار جس کی ازحد ضرورت ہے ہماری وادی کو کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔" عبداللہ کا میسج آیا، ساتھ ہی سفیر اور شمائل خان کی طرف سے سرخم کرنے کی ایموجی۔ وہ مسکرادی۔ اس کے غلاموں نے جان لیا تھا وہ کہہ رہی ہے کہ تبریز خان پیسہ اگر اسلحے کے کاروبار سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پلان جاری رکھا جائے اگر وہ وادی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو ڈاکٹر کو غائب کردیا جائے..... نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

❁.....☆❁☆.....❁

"یہ پلوشے خان ہیں..... یونیورسٹی کی یونین لیڈر۔" ازبک نے چونک کر پارٹی کی سرگرم رہنما شمع نیاز کو دیکھا..... وہ پلوشے کا تعارف کروارہی تھیں۔

"یہ تو ازبک کی سیکرٹری ہے ناں؟" حیدر کا دوانی جو ازبک کے ساتھ کھڑے تھے۔ تعجب سے بولے، یونین لیڈر کا ان کی پارٹی میں ہونے کا مطلب تھا کہ یونی کے بہت سے ووٹ ان کے ہوئے، رات کی پارٹی میں آنا اسے مناسب نہیں لگتا تھا۔

"جی میں سر ازبک کی سیکرٹری ہوا کرتی تھی..... اب مستعفی ہوچکی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ازبک کو دیکھے بغیر وہ حیدر کا دوانی سے محو گفتگو تھی۔

"اوہ مجھے معلوم نہ تھا۔" حیدر کا دوانی نے کہا اور یہ تو ازبک کو بھی ابھی ابھی معلوم ہوا تھا کہ وہ مستعفی ہوچکی ہے۔

"ویسے پارٹی میں ویلکم..... یقیناً آپ اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔" انہوں نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی..... شمع نیاز کی طرف سے آج کی پارٹی تھی۔ پلوشے نے جس طرح اپنے رابطہ بڑھائے تھے وہ حیران کن بات تھی، یعنی اب لوگ ڈائریکٹ اسے انوائیٹ کررہے تھے۔

"ہیلو پلوشے۔" وہ رکی تو سامنے تنویر ہمدانی تھا، اس نے جواباً کچھ نہ کہا اور نہ ہی اس کے کچھ کہنے کی تنویر ہمدانی کو ضرورت تھی۔

"بڑی ترقی کرلی کل تک سیکرٹری تھیں اور آج ایک لیڈر ہو، ذرا سنبھل کر چلو بھئی سیاست ایک دلدل ہے ڈوب نہ جاؤ کہیں۔"

"تنویر ہمدانی اپنے ملک سے محبت ہے مجھے اور اپنے لوگوں کا خون اور حق بھی میرے دامن پر نہیں ہے اس لیے دلدل مجھے نہیں ڈبونے والی کیونکہ دلدل میں بھاری چیزیں ڈوبتی ہیں۔" وہ استہزائیہ بولی، تنویر ہمدانی کے لب بھنچے یعنی وہ گناہوں سے لبریز تھا اسی لیے ڈوب جاتا۔

"تمہارا تو میرے ہاتھوں وہ حشر ہوگا کہ یاد کروگی۔" وہ آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ بڑبڑایا کچھ دیر بعد وہ شمع نیاز سے اجازت لے کر واپس آگئی، راستہ کافی سنسان تھا، یہ ایک پوش ایریا تھا، بڑے بڑے بنگلے تھے کئی گز پر پھیلے، ان گھروں میں چند افراد ہی ہوں گے، پورا علاقہ سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا، سڑک پر بھی اکا دکا گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ ازبک کے ساتھ تو آدھی رات کو ایسا سفر کرنا پلوشے کے بس میں نہ تھا مگر آصف خان اس کا ڈرائیور اور اس کی وادی کا بندہ تھا..... یہ گاڑی اور بندہ اگرچہ بھیجا تو اس کی نگرانی کے لیے تبریز خان نے ہی تھا مگر وفادار وہ پلوشے خان کا تھا اور عبداللہ کی طرح بس وہ باتیں ہی تبریز خان تک پہنچاتا تھا جو پلوشے خان چاہتی تھی۔ یک دم اس کی گاڑی کو ایک جھٹکا لگا۔

"اللہ اکبر....." اس کے منہ سے نکلا ایک کتا ان کی کار کی زد میں آتے آتے بچ گیا تھا، ڈرائیور نے بروقت بریک لگایا تھا پر پچھلی گاڑی ان کی گاڑی کو بچاتی خود فٹ پاتھ پر چڑھ گئی تھی..... گاڑی کا مسلسل بجتا ہارن کہہ رہا تھا ڈرائیور ہوش میں نہیں ہے۔ وہ دونوں تیزی سے اپنی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر بے ساختہ اس گاڑی کی طرف بڑھے، قریب پہنچ کر پلوشے ٹھٹکی..... وہ ازبک کی گاڑی تھی۔ آصف خان نے دروازہ کھولا۔



www.zemtime.com

"سر آپ ٹھیک ہیں؟" آصف خان نے اس کا کندھا ہلایا..... ازبک سیدھا ہوا وہ بے ہوش نہیں تھا۔

"آصف خان گاڑی سے پانی لاؤ۔" پلوشے نے کہا۔

"ازبک آپ ٹھیک ہیں؟" پلوشے نے پوچھا، اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ازبک آپ کو چوٹ لگی ہے۔" پلوشے کی نظر اس کی کنپٹی سے بہہ کر گال تک آنے والے خون پر پڑی تو وہ چونکی..... ازبک نے اپنا گال چھوا تو خود بھی حیران ہوا۔

"آپ کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے میرا ڈرائیور آپ کو....."

"میں ٹھیک ہوں..... میں....." اس نے پلوشے کی بات کاٹ دی۔

"نہیں آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" پلوشے نے اس کی بات کو پورا نہ ہونے دیا۔

"آپ برابر والی سیٹ پر جائیں میرا ڈرائیور آپ کی گاڑی میں آپ کو لے جائے گا۔" وہ بضد ہوئی، ازبک کا سر بھی چکرا رہا تھا اس نے مزید بحث مناسب نہ سمجھی اور سائیڈ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"آصف خان..... ازبک کو کسی ہاسپٹل لے جاؤ۔" وہ اس کی طرف بڑھی۔

"اور آپ؟" وہ حیران ہوا۔

"مجھے ڈرائیونگ آتی ہے تم جانتے ہو۔" وہ مسکرائی تو وہ سر ہلاتا بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد وہ ایک قریبی ہاسپٹل آ گئے تھے۔ ڈاکٹر سے اس کے بارے میں تمام بات چیت پلوشے نے کی وہ لوگ کافی دیر وہاں رہے تھے، جب باہر نکلے تو وہ کافی بہتر تھا۔

"تھینک یو۔"

"ویلکم..... آئندہ گاڑی احتیاط سے ڈرائیو کیجیے گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو ازبک نے لب بھینچ لیے۔

"آصف خان آپ کو گھر تک ڈراپ کر دے گا..... آپ گھر پہنچ کر دودھ میں ہلدی ڈال کر ضرور پی لیجیے گا..... دوائیوں سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔"

"اٹس اوکے..... مزید کسی زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"زحمت کیسی؟ آپ کی جگہ میں ہوتی تو یقیناً آپ بھی یہی کرتے۔" وہ کہہ کر آصف خان کی طرف مڑی۔

"انہیں گھر تک ڈراپ کرنا ہوگا، ایڈریس ان سے پوچھ لینا اور گاڑی سلو چلانا..... میں تیز ڈرائیو نہیں کرتی۔"

"آپ ہوسٹل چلی جائیں میں ان کو ڈراپ کر کے گھر چلا جاؤں گا۔"

"گھر کیسے جاؤ گے؟ کار تو میرے پاس ہوگی۔" پلوشے نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"میں دیکھ لوں گا کوئی اور سواری۔"

"آصف خان مجھے اپنے لوگوں کو راستے میں چھوڑنے کی عادت نہیں ہے سمجھے۔" اس نے تڑخ کر کہا، آصف خان فوراً چوکنا ہوا۔ "آئندہ مجھے مشورے دینے سے پہلے سوچ لینا۔" اس نے مودب ہو کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❁.....☆❁☆.....❁

"پلوشے کیا ہوا..... تم ٹھیک ہو؟" اپنے نوٹس بناتے ہوئے وہ فائل پر سر رکھ کے سو گئی تھی، سمیرا اپنے بیڈ پر تھی جب کچھ دیر بعد وہ ہڑبڑا کر اٹھی، دسمبر کی سرد راتوں میں اس کی پیشانی پر پسینہ چمک رہا تھا۔

"میرا موبائل....." وہ سمیرا کو جواب دیے بنا تکیہ الٹ پلٹ کر موبائل تلاش کرنے لگی۔

"خیریت تو ہے ناں پلوشے، تم..... تم ٹھیک تو ہو ناں؟" پلوشے کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ سمیرا پریشان ہوئی..... وہ اٹھ کر پلوشے کے قریب آئی۔

"میری وادی، میرے لوگ سمیرا..... سمیرا میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔" اس کا موبائل مل گیا تو وہ کوئی نمبر ڈائل کرنے لگی تھی مگر دوسری طرف بیل جاتی رہی..... رات کے دو بجے اس کی وادی کے لوگ گہری نیند میں تھے۔

"ریلیکس پلوشے، تم آرام سے بیٹھو۔" سمیرا نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیا اور میز پر رکھا، سمیرا نے اسے بٹھانا



www.zemtime.com

چاہا۔

"میری وادی کے لوگ پریشان ہیں سمیرا، وہ مجھے بلا رہے ہیں، مجھے جانا ہوگا۔" وہ اپنے کندھوں پر سے اس کا ہاتھ ہٹاتی ہوئی وارڈروب کی طرف بڑھی، اپنا بیگ لیا اور ضروری چیزیں اس میں بھرنے لگی۔

"پلوشے ایک خواب تھا وہ..... اس کے لیے تم یہ کیا کرنے لگی ہو۔" سمیرا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ روکا۔

"اگر یہ صرف خواب ہوتا تو مجھے اس سے پہلے کیوں نہ آیا..... وادی میں کچھ ہوگیا ہے، کچھ ایسا جو نہیں ہونا تھا، میری وادی....."

"اگر کچھ ہوجاتا تو تمہارے لوگ تمہیں بتاتے نہیں۔" سمیرا نے کہا تو پلوشے نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہا سمیرا کہ مجھے وہاں کی اطلاعت ملتی رہتی ہیں، میرے لوگ....." وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو سمیرا ایک دم سے گڑبڑائی۔

"ایکچولی تم ہمیشہ میرے لوگ میرے لوگ....."

"تمہیں کس نے کہا سمیرا کہ میرے لوگ مجھے "وہاں" کی سب باتیں بتاتے ہیں؟" وہ پلوشے تھی اپنے سائے سے بھی محتاط، وہ اپنا خواب بھلائے اپنا خوف بے چینی بے قراری بھلائے سمیرا کو دیکھ رہی تھی وہ بات جو صرف چار لوگوں کے بیچ تھی وہ سمیرا کو کیسے پتا چلی؟

"میرا مطلب تھا تمہاری والدہ یا بہن تمہیں ضرور بتاتیں کہ....." سمیرا کی بات ادھوری رہ گئی پلوشے کا فون بجنے لگا تھا، دونوں نے چونک کر موبائل کو دیکھا، پلوشے نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا۔

"سردار ہماری وادی کے ایک چوتھائی حصے کا سودا کیا جارہا ہے۔" شمائل کا میسج تھا، پلوشے سن سی دیکھتی رہی۔

"پلوشے آر یو اوکے؟" سمیرا کی آواز پر اس نے چونک کر سمیرا کو دیکھا۔

"میں تیار ہوں۔" اس نے شمائل کو میسج کیا اور پھر بھاگ کر اپنے بیگ کی طرف آئی۔

وہ یہاں ڈگری لینے نہیں آئی تھی تجربہ لینے آئی تھی اور وہ اسے مل گیا تھا..... اب اسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی۔

"کیا ہوا پلوشے، تم اس طرح کہاں جارہی ہو؟" سمیرا اسے یوں بیگ میں سامان بھرتے دیکھ کر حیران ہوئی، اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے پھر وہ اس کی طرف مڑی جو اس کی دوست تھی اور دشمنوں کی ساتھی بھی۔

"تم کون ہو سمیرا؟" اس نے کہا تو سمیرا بس اسے دیکھتی رہی۔ "شکر کرو کہ وقت پر مجھے سب پتا چل گیا ورنہ تمہارا اور تمہارے پچھلوں کا برا وقت شروع ہوجاتا تھا۔" وہ تنفر سے کہہ کر پھر اپنا سامان پیک کرنے لگی، سمیرا برف سی وہیں کھڑی رہی اور پلوشے خان نے واپسی کے سفر پر قدم رکھ دیے..... وارڈن کو اس نے قریبی عزیز کی رحلت کا کہا، باہر اسے لینے آصف خان آچکا تھا۔ اسے صبح ہونے سے پہلے وادی پہنچنا تھا۔

❁.....☆❁☆.....❁

"اس معاہدے کی رو سے راجہ اشرف اور سردار تبریز خان اسلحے کے کاروبار میں پارٹنر ہیں اور راجہ اشرف اس وادی کے چوتھائی حصے کا مالک۔"

"معاہدہ کینسل۔" اس لمبی میز کے گرد بیٹھے لوگ بری طرح چونکے اور پھر انہوں نے کہنے والے کو دیکھا۔

"تبریز خان اس وادی کے سردار ہیں نہ مالک اور جو مالک ہے وہ اپنی وادی کا ذرہ بھی کسی دشمن کو دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"تم.....!" سردار تبریز خان کی آنکھیں حیرت سے پھٹیں۔

"خاناں یہ وادی میرے باپ کی ہے، اس کی وارث میں ہوں، آپ اسے کیسے بیچ سکتے ہیں؟" وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"تم یہاں کیسے آئیں؟" وہ متعجب تھے، یہ ان کا ڈیرہ تھا اور پرندہ بھی ان کی اجازت کے بغیر "پر" نہیں مار سکتا تھا..... پلوشے خان کا وہاں آنا صاف ظاہر تھا کہ ان کے اپنے اب ان کے نہیں رہے، ان کی پہلی نظر شمائل خان پر



www.zemtime.com

پڑی، وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

"حویلی چل کر بات کرتے ہیں۔" وہ ایک دم سے کھڑے ہوئے، گھر کے اندر وہ اسے قابو کر سکتے تھے، اس کی ماں، بہن اور پھوپو سب کے ذریعے اسے کمزور کر لیتے۔

"وہاں بھی بات ہوگی، پہلے یہاں کا معاملہ تو نبٹا لیں۔" اس کے چہرے پر سختی تھی۔ وہ اسے اب بھی بچی سمجھ رہے تھے یا پھر کوئی عام سی بزدل لڑکی۔

"ہم وادی کا ایک بنجر حصہ ان کو بیچ رہے ہیں پھر یہ جو رقم ہمیں دیں گے اس سے میں وادی کی ترقی کے لیے ہی کام کروں گا۔" انہوں نے کہا تو پلوشے خان بے ساختہ ہنس دی۔

"وادی کی ترقی کے لیے آپ جو کوششیں کرتے آئے ہیں میں ان "بہلاؤں" میں پہلے کبھی نہیں آئی تو آج کیا آؤں گی۔"

"یہ لڑکی کہاں سے آئی سردار؟" سامنے بیٹھا شخص بولا۔

"یہ پوچھو کہ یہ معاہدہ کینسل کرنے والی کون ہے؟" وہ مسکرا کر اس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ تبریز خان کے لب بھنچے۔

"شمائل خان اسے یہاں سے لے جاؤ ہم پھر بات کریں گے۔" تبریز خان نے پلوشے کی طرف اشارہ کیا، شمائل خان اسٹیچو بنا کھڑا رہا، تبریز خان اچھی طرح شمائل خان کو سمجھ گئے تھے مگر ایک آخری امید کے طور پر انہوں نے اس سے کہا۔

"تم حکم کرو سردار ہم لے جاتے ہیں۔" شمائل خان کو اپنی جگہ سے جنبش نہ کرتے دیکھ کر ایک شخص بولا، سب کرسیوں پر بیٹھے لوگوں کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ آئی۔

"مجھے کیا لے کر جاؤ گے۔" وہ کہنے والے کی طرف مڑی۔ "تمہارے لیے صرف اتنا کافی ہوگا کہ اس ڈیرے کو چاروں طرف سے گھیر لینے والے افواج پاکستان کے بہادر جوانوں سے اپنے آپ کو بچا کر کیسے لے جاؤ گے؟"

اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ گویا صور اسرافیل بن گئے۔ سب بوکھلا کر اٹھے کیونکہ ان کے سروں پر کھڑے، ان کی حفاظت پر مامور دستے نے ان پر اپنی گنیں تان لی تھیں۔

"کیا مطلب..... یہ کیا؟" ان سب کے چہرے دہشت سے پیلے پڑ گئے۔

"موت کا کاروبار کرنے والے موت کو دیکھ کر کس لیے خوف زدہ ہو گئے؟"

"ادیب خان تمہارے لیے کام کرنے والوں نے ہم پر گنیں کیوں تان لیں؟" وہ خوف زدہ ہو کر بولا۔

"سردار یہ ہمارے بندے نہیں ہیں، سردار خاناں کے اس چیف سیکیورٹی نے کہا تھا کہ سیکیورٹی کی وجہ سے سب کو ایک دروازے سے گزرنا ہوگا چونکہ ہم بڑوں پر انہیں اعتبار ہے اس لیے ہمیں یہ ڈائریکٹ اس کمرے میں لے آیا پھر باہر انہوں نے ہمارے آدمیوں کی جگہ اپنے آدمی کھڑے کر دیئے ہوں گے، اسی لیے یہ لوگ ہمارے سروں پہ گنیں تان کر کھڑے ہیں۔" ادیب خان نے شمائل خان کو نفرت سے دیکھا، تب ہی سردار راجا اشرف کے سر پر کھڑے فوجی جوان نے اپنا ماسک اتارا۔

"تھینک یو سردار پلوشے خان..... آج آپ کی وجہ سے ہم اس بندے تک پہنچ گئے جو دہشت گردی کے بہت سے واقعات میں ملوث ہونے کے باعث ہمیں ایک عرصے سے مطلوب تھا۔"

"شکریہ کی ضرورت نہیں ہے میجر طارق، ملک دشمن عناصر کو سولی تک پہنچانا ہم سب کا قومی فریضہ ہے۔"

"مجھے سولی چڑھا کے بھی سردار نہیں بن سکتی ہو تم..... میرے ایسے ایسے جاں نثار آدمی موجود ہیں جو تمہاری جان لینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور جرگہ بھی تمہیں کبھی سردار نہیں بننے دے گا۔"

"آپ صرف سولی چڑھنے کی تیاری کریں، باقی سب فکریں میرے لیے رہنے دیں۔" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی پلٹ گئی..... شمائل خان اس کے پیچھے مڑا پھر رک کر اس نے



www.zemtime.com

فوجیوں کو دیکھا جنہوں نے ایک ایک کو دبوچ کر ہتھکڑی لگانی شروع کردی تھی کیونکہ کچھ لوگوں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی، آخری نظر اس نے تبریز خان پر ڈالی جو نفرت سے اسے دیکھ رہے تھے، وہ اس پر بہت اعتبار کرتے تھے مگر وہ غلط تھے..... وہ پلوشے خان کے پیچھے آ گیا، وہاں سے وہ دونوں ایک بڑے قافلے کی صورت جرگے میں پہنچے تھے۔

"اس طرح سے ہمیں بلانے کا مقصد کیا ہے؟" جرگہ ہمیشہ لوگوں کو بلاتا تھا آج وادی کے لوگ اس جرگے کو بلا کر لائے تھے۔

"یہ وادی ابریز خان کی تھی، میرے بابا کی..... ان کے بعد میں اور میری بہن اس کی وارث تھے، اس کرسی کے حق دار ہم تھے لیکن یہ جرگہ کچھ نہ کرسکا، تبریز خان نے ہمارا حق چھینا، ہماری دولت و جائداد پر ناگ بنا بیٹھا رہا اور آپ لوگ دیکھتے رہے، وہ وادی کے غریب لوگوں پر ظلم کرتا رہا، آپ لوگوں میں سے کچھ اس کا ساتھ دینے لگے اور کچھ اس لیے چپ رہے کہ اس طرح ان کے گھر محفوظ تھے۔ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ انصاف کے پہرے دار بننے کے لائق ہی نہیں ہیں۔"

"تمہاری اوقات کیا ہے دو کوڑی کی لڑکی، کس طرح بات کررہی ہو ہم سے۔" چند سرپنچ جلال سے اٹھے۔

"وہ ٹھیک کہہ رہی ہے..... ہم سرپنچ تو بنے مگر ہم اس لائق نہیں تھے..... ہم نے تبریز خان کے خلاف جانے کا سوچا بھی نہیں کیونکہ ہم میں ہمت نہیں تھی۔"

"اے بوڑھے خاموش ہوجا..... کہاں ہے سردار بلاؤ اسے تاکہ یہ لڑکی اپنی شکل یہاں سے گم کرے۔"

"میجر طارق اس وقت جو میرے خلاف بول رہا ہے ان کے کرتوتوں کے سارے ثبوت میں آپ کو پہلے ہی دے چکی ہوں سو آپ ان لوگوں کو بھی لے جائیں تاکہ میں اپنی باقی بات جاری رکھ سکوں۔" اس کے کہتے ہی سادہ کپڑوں میں ملبوس جوانوں نے اپنے میجر کے اشارے پر تبریز خان کے خاص مصاحبوں کو بھی گرفتار کرلیا، باقی لوگ تبریز خان کے مصاحبین میں ہونے کے باوجود پچھلے کچھ عرصے سے اندر ہی اندر اس سے متنفر تھے اور عبداللہ کے باعث اس وقت دل سے پلوشے خان کے حمایتی بن گئے تھے مگر کچھ اور بھی تھے جن کے ہاتھ صاف تھے مگر دل نہیں۔

"ہماری وادی میں، ہماری روایتوں میں آج تک کوئی عورت ہماری سردار نہیں رہی اور یہ تو باکرہ (کنواری) بھی ہے۔" دل میں نفرت لیے ان اشخاص کو پلوشے نے نظر گھما کے دیکھا۔

"تو ان روایتوں کو بدل لیں جو ظالم کے ساتھ ہیں لیکن مظلوم کی دادرسی کے لیے نہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ "اور رہ گئی بات میرے باکرہ ہونے کی تو سن لیں میں شادی شدہ ہوں۔" سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تیمور خان کی بہو ہوں میں اور مجھے یہ پورا حق ہے کہ میں اس کرسی پر بیٹھوں جو میرے باپ کی ہے۔" اس نے کہا۔ وہ سارے لوگ جو ہمیشہ سے اسے سردار مانتے تھے جوش سے نعرے لگانے لگے۔ وہ شہر گئی تھی تجربہ لینے جو اسے مل گیا تھا۔ آج سے وادی میں خوشیوں نے دائمی ڈیرے ڈال لیے تھے، آج وادی کا ہر گھر سکھ کا سانس اور چین کی نیند سونے والا تھا کیونکہ آج سے وادی کا پہرہ دار کسی جانور پر بھی ظلم نہ ہونے دے گا..... اب یقین تھا کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پینے والے تھے، ہر طرف چہکار پھیلنے لگی تھی۔

"میں چاہتا ہوں کہ وادی میں ایک جشن ہو جس میں ہم ابریز خان کا شملہ پلوشے خان کے سر پر سجائیں۔" وہ سرپنچ کے بزرگ تھے، سب طرف خوشی سے ہلچل مچی تھی۔ وادی کا ہر گھر عرصے سے اس جشن کی تیاری کررہا تھا، وادی کی گلی گلی سج گئی تھی۔ بچے بڑے یوں تیار تھے گویا آج عید کا دن ہو۔

❀.....☆❀☆.....❀

"میں اپنے حصے کی جائیداد اپنی بہو کے نام کرتا



www.zemtime.com

ہوں۔" عصر کی نماز کے بعد اسے ابریز خان کا شملہ پہنایا گیا تھا۔ اس کا باپ جو ساری غلط روایتیں بدلنا چاہتا تھا اس کی بیٹی نے وہ کر دکھایا تھا، شملے کی رسم کے بعد تیمور خان نے جائیداد کے پیپرز اس کی طرف بڑھائے تو وہ حقیقتاً چونکی۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس حصے کو بھی تم ہی سنبھالو۔" ان کے ساتھ شاکر خان نے بھی اپنا حصہ پلوشے کے نام کر دیا۔

"ہماری نسل کے بیٹوں نے وہ کام نہیں کیا جو ہماری بیٹی کر گئی..... اس بیٹی کا یہ حق ہے ہم پر کہ اس کے آگے سر جھکایا جائے۔" شاکر خان نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔

"آپ یوں نہ کہیں ماما، یہ میں نے اپنے نام کے لیے نہیں کیا، نہ ہی کسی کے سر کو جھکا دیکھنے کے لیے..... یہ میرے لوگ ہیں، میرے اپنے، ان کے لیے کچھ بھی کرنا ایسا ہی ہے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کے لیے کرتے ہیں۔" اس نے شاکر کے دونوں ہاتھ تھام کر ان کو چوم کر باری باری دونوں آنکھوں سے لگایا۔

"آپ میرا ساتھ نہ دیتے تو میں آج یہاں نہ ہوتی۔" وہ مسکرا دیئے، ہاں سب خوش تھے سوائے ایک شخص کے، اور وہ تھیں پلوشے خان کی ماں..... کب ان کی بیٹی اتنی بہادر ہوئی کہ آج بلا کسی شرکت غیرے وہ وادی کی سردار بنی بیٹھی تھی، اپنے خلاف جانے والوں کے سر کچلنے کی ساری تیاری آخر کب کی اس نے؟ وہ کیسے غافل رہ گئیں اپنی اولاد سے اگر وہ لڑکا ہوتی تو انہیں فخر ہوتا کہ مرد تو سب کر لیتے ہیں لیکن ایک لڑکی ہو کر اس نے سب کیسے کر لیا؟ انہوں نے کہا تھا۔

"سر ڈھاپ کے رکھا کرو تم عورت ہو۔" اور اس نے تو جانے کیا کیا ڈھانپ لیا تھا، انہیں خبر ہی نہ ہوئی ان کی بیٹی ایک دنیا کو فتح کر آئی تھی، ایسی بے خبر ماں کسی کی ہو گی بھلا جو پلوشے کی تھی..... رات گئے تک وادی میں جشن کے ہنگامے جاگتے رہے، وہ رات گھر لوٹی تو ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"آپ سے سب کچھ اس لیے چھپایا کہ آپ مجھے اس سب کی اجازت نہ دیتیں۔" وہ خاموش رہیں۔

"تیمور لالا سے میں ناراض ہو گئی تھی کہ انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا، تم نے سب کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"

"مجھے شادی نہیں کرنی تھی، آپ میری سن لیتیں تو میرے ساتھ کھڑی ہوتیں لیکن آپ نے میری نہیں سنی، تیمور خان نے سن لی اور میں ان کی شکر گزار ہوں، وہ جو کچھ خود وادی کے لیے نہ کر سکے اس میں انہوں نے میرا ساتھ دیا اور میں ان کے روکنے سے رکنے والی بھی نہ تھی لیکن انہوں نے میری بہت بار مدد بھی کی..... آج فوج کے جوان انہی کی وجہ سے آئے تھے۔"

"گل جاناں اور شمروز..... وہ تو تبریز کا بدلہ لیں گے..... ہم کیا کریں گے؟" انہوں نے کہا، سراسیمہ سی ہو کر وہ چونکی پھر ہنس دی۔

"گل جاناں اور شمروز سے تو میں تب نہیں ڈرتی تھی جب تبریز خان سردار تھے، اب تو وہ سلاخوں کے پیچھے ہیں پھر بھی میں انہیں یہاں شفٹ کروا دوں گی تاکہ آپ کھل کر سانس لے سکیں۔"

"نہیں..... میرا وہ مطلب نہیں تھا پر پلوشے مجھے تمہاری فکر ہے۔"

"یہ مجھے کیا تکلیف دیں گے مورے، یہ اب اس قابل کہاں رہے ہیں۔" اس نے افسردگی سے شمروز کے کمرے کی طرف دیکھا، گل جاناں شمروز کے کمرے میں گنگ بیٹھی تھی، اس کا ظالم شوہر اور ظالم بیٹا اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے اور وہ جوان کی ساتھی تھی نیا حاکم اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا تھا اسے نہیں معلوم تھا، وہ باتیں کرتے کرتے مورے کی گود میں سو گئی تھی۔

❁.....☆❁☆.....❁

"ہم کہاں جا رہے ہیں کچھ بتاؤ گی مجھے؟" ورشے نے چڑ کر پوچھا۔

"ہم جا رہے ہیں اس وادی کی سب سے بلند چوٹی



www.zemtime.com

پر..... یہ دیکھنے کے لیے کہ ہماری وادی وہاں سے کیسی نظر آتی ہے اور اگلے چھ ماہ بعد اس میں کون سی تبدیلیاں سب سے اہم ہیں۔" وہ فجر کی نماز سے پہلے ورشے کو اٹھا کر لے آئی تھی اور ان پتھریلے راستوں پر خود ڈرائیونگ کر رہی تھی، مورے کو وہ بتا کر آئی تھی، اب ان سے کچھ نہیں چھپانا تھا کیونکہ وہ جان گئی تھیں کہ ان کی بیٹی کتنی بہادر ہے اور ہر فیصلہ درست کرتی ہے۔

"ہماری وادی کو کس چیز کی ضرورت ہے یہ دیکھنے کے لیے ہمیں کسی چوٹی پر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان چھوٹے چھوٹے گھروں میں جانے کی ضرورت ہے جن کے گھروں میں تین وقت کھانا بھی نجانے کیسے پکتا ہے..... ہمیں ان کے لیے کوئی ویلفیئر بنانا چاہیے جو غریب لوگوں کی بروقت مدد کر سکے۔"

"نہیں ورشے ویلفیئر نہیں فیکٹری بنانی ہے، ان معذور لوگوں کے ہاتھوں میں بھیک دینے کے بجائے بیساکھی دینی ہے تاکہ ہماری وادی ترقی کر سکے..... یہ ویلفیئر ان کو بھکاری بنا دیں گے۔ یہ وادی کے ساتھ ہمدردی نہیں ان پر ظلم ہوگا..... میں کمپنی بناؤں گی اور وہی سب کرواؤں گی جو میری وادی کے لوگ کر سکتے ہیں مگر بہت سے مسائل کی بناء پر کر نہیں سکتے۔" اس نے کہا تو ورشے نے اسے دیکھا۔

"تم اتنا اچھا کیسے سوچ لیتی ہو پلوشے؟" ورشے کے کہنے پر وہ ہنس دی۔

"جب تم ان سب معاملات میں پڑو گی تو تم بھی یہ سب سوچو گی۔" وہ وادی کی سب سے اونچی چوٹی پر پہنچ گئی تھی۔

"ہماری وادی کتنی بڑی ہے پلوشے۔" ورشے متحیر سی دیکھ رہی تھی اور وہ بس دیکھتی رہی پھر جس وقت حویلی آئیں صبح کے آٹھ بج رہے تھے..... اس نے ہنگامی اجلاس کے طور پر جرگہ بلایا اور آئندہ بھی اس طرح بلایا جانے لگا ان کا سردار کچھ بھی ان سے مشورے کے بغیر نہ کرتا تھا۔ فی الحال سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کا کام شروع کیا گیا اور وہ اسکول جو ابریز خان کے بعد گھوڑوں کے اصطبل میں بدل گیا تھا اسے پھر سے تعمیر کروایا جانے لگا، ایک ماہ کے عرصے میں سڑکیں اسکول قابل استعمال ہو گئے، بہت سی لڑکیاں جو شاکر کے حصے میں پڑھتی رہی تھیں وہاں معلم کے فرائض انجام دینے لگیں۔

وادی کے پھل اور میوہ تجارت کے لیے دوسرے شہروں میں لے جانا بھی سڑکوں کی وجہ سے عام ہوا جو جگہ اسلحہ کے کاروبار کے لیے استعمال ہوتی تھی وہ جگہ اب پھل اور میووں کی تجارت کے لیے استعمال ہونے لگی تھی۔ شمائل خان پہلے اسلحے کے کاروبار کا نگران تھا، اب اس کمپنی کا جو بہترین داموں میں غریب سے اس کا سودا خرید کر شہروں میں لے جانے لگے تھے، فقط تین ماہ کے عرصے میں غریبوں کے چہرے بھی چمک اٹھے تھے۔ وادی میں خوش حالی آ گئی تھی یہ تو پلوشے خان کے سفر کی شروعات تھی۔

کالج کی تعمیر کے لیے پیسوں کی تنگی ہوئی تو ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق حصہ ڈالنے آگے بڑھا مگر پلوشے خان کو وادی سے صرف حوصلہ چاہیے تھا، اس نے شہر میں اتنے لوگوں سے رابطہ بنا لیے تھے اور پھر نئی آنے والی حکومت سے اسے بے حد امیدیں تھیں اور ملک کے نئے وزیراعظم عمران خان نے ان لوگوں کو مایوس نہ کیا تھا، بہت سی سہولتوں نے وادی کا رخ کر لیا تو باہر سے بھی استاد آئے۔ اسپتال بنا تو گورنمنٹ نے خود ڈاکٹرز بھجوائے، کافی استاد بھجوائے۔ وادی ترقی کے نچلے درجے سے درمیانے درجے پر پہنچی اور یہ صرف پلوشے کی نہیں بلکہ اس کے ساتھیوں کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔

راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ زریں جانم نے بھی کالج میں پڑھانا شروع کر دیا تھا، ورشے نے اسکول کی ہیڈ مسٹریس کی کرسی سنبھال لی تھی۔ اس ساری جدوجہد میں جو اس کا بھرپور حصہ دار تھا وہ شمائل خان تھا۔ آٹھ ماہ شمائل خان کو پلوشے خان کے از حد قریب لے آئے تھے۔ سمیر خان کی نگرانی میں کمپنی چھوڑ کر وہ پلوشے خان کا سایہ بن گیا تھا۔ ان کے بیچ کبھی بھی حاکم و محکوم کا معاملہ نہیں رہا



www.zemtime.com

تھا۔ وہ پلوشے کو سردار تو کہتا تھا مگر وہ اسے سردار جیسا احترام ہرگز نہ دیتا تھا، وہ اسے تنگ کرتا رہتا دوبدو جواب دیتا لیکن اتنا مخلص کہ پلوشے اب اس پر بے انتہا اعتبار کرنے لگی تھی کہ وہ حویلی تک آنے لگا تھا..... زریں اور ثانیہ بھی اس کی منتظر رہنے لگی تھیں۔ یوں جیسے وہ حویلی کا حصہ ہو، اس کی آمد پر اس کی پسند کا کھانا بھی پکتا، شمائل خان کے ماں باپ نہیں تھے اور اس کا کس خاندان سے تعلق تھا یہ پلوشے نے جاننے کی ضرورت نہ سمجھی تھی، شاکر بھی اس سے شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان آٹھ مہینوں میں وادی کے ہر شخص کا چہرہ خوشی سے چمکتا رہا۔

سب سے پہلے جس چہرے پر اداسی آئی وہ ثانیہ خان تھیں۔ ابریز خان کا ہمیشہ اصول رہا تھا کہ وادی میں سے جس شادی کا بلاوا آتا..... وہ اگرچہ دس منٹ کے لیے جاتے لیکن جاتے ضرور تو پلوشے خان نے اس اصول کو بھی زندہ کیا، شادی میں دس منٹ کے لیے ہی سہی جانے کی ذمہ داری ثانیہ خان کے حصے میں آئی اگر کوئی زیادہ قریبی رشتہ ہوتا تو ورشے اور زریں بھی چلی جاتی تھیں۔

"زریں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جانے کس کی بددعا ہے اس حویلی کی تینوں بیٹیاں اپنی ازدواجی زندگی نہیں گزار رہی ہیں اور نازنین بھی کون سا خوش ہے، وہ یہاں آنے کے لیے مچل رہی ہے اور حشام انکاری ہے، بیٹا پڑھنے کے لیے امریکہ چلا گیا، تم نے صبر کرلیا اور پلوشے اس کے لیے تو کوئی امید ہی بیکار ہے، وادی چھوڑنا اس کے لیے موت کے مترادف ہے رہ گئی، ورشے تو..... اس کا کیا کروں؟ نازنین سے کچھ کہنا عجیب لگتا ہے وہ تو خود اپنے شوہر کو یہاں لانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"ارے شمائل آؤ۔" زریں کی نظر اس پر پڑی تو وہ بولیں، ثانیہ خان بھی چونکیں، ورشے نے بھی اس کو دیکھا، وہ اس طرح گھر کے اندر تو نہ آتا تھا کہ انہیں پتا نہ چلے لیکن اس کے پیچھے شاکر خان کھڑے تھے اور ان کا چہرہ کہہ رہا تھا کہ وہ ثانیہ خان کی تمام باتیں سن چکے ہیں تو پھر یقیناً شمائل


naeyufaq.com
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ماہنامہ آنچل کراچی
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
سانسوں کے اس سفر میں
محبت میں ہاری عورت بہت خطرناک ہوتی ہے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے، ام ایمان کی خوبصورت کہانی
مجھ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے
محبت انسان کو ایسے مقام پر لے آتی ہے جب وہ خود کو تسلیم کرانے پر مجبور ہو جاتا ہے
ہمارا آنچل
قارئین کے تعارف پر مبنی سلسلہ جس میں بہنیں سوالوں کے جواب دے کر شرکت کرسکتی ہیں
Info@naeyufaq.com
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں ہمیں کال کریں (03008264242)

خان نے بھی سن لی ہوں گی، ورشے کے لب بھنچے۔

"بے چاری ورشے جس کا نہ کوئی حال تھا اور نہ ہی مستقبل۔" وہ لب بھینچتی وہاں سے اٹھی اور پلوشے کے کمرے میں آ گئی، پلوشے اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھی، ایک ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے اس وقت اس کے سر پر دوپٹا بھی نہ تھا شاید وہ نہا کر نکلی تھی سو لمبے سنہرے بال کمر پر ناگن کی طرح پڑے تھے، وہ دیکھتی رہی پھر سر جھٹکا۔

"سنو پلوشے....."

"ہوں....." وہ مصروف انداز میں بولی۔

"مجھے بہرام خان سے طلاق چاہیے۔" پلوشے نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا۔

"ورشے.....!" وہ متعجب ہوئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وادی سے صرف تمہیں ہی محبت ہے مجھے نہیں، تمہارے جتنا کچھ تو نہیں کر سکتی تو کیا یہاں رہ بھی نہیں سکتی؟ مجھے نہیں جانا یہاں سے کہیں بھی، تم سن لو پلوشے، اسے تم کس طرح ممکن بناؤ گی مجھے نہیں پتا لیکن میں یہاں سے نہیں جانا چاہتی کبھی بھی۔" وہ روہانسی ہوئی، پلوشے نے اسے دیکھا اور پھر اپنا لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کر دیا۔

"زرینہ مامی نے مجھ سے بات کی تھی، زریں جانم کے لیے وہ اپنے بھائی کا رشتہ لانا چاہتی ہیں، وہ زریں جانم کے ہم عمر ہیں ایک پانچ سال کا بیٹا ہے، بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ حارث خان کو تم بھی جانتی ہو اور میں بھی لیکن زریں جانم انکاری ہیں مسئلہ وہی کہ وہ شہر میں رہتے ہیں۔"

"مسئلہ شہر کا نہیں ہے پلوشے..... زریں جانم آج تک اکبر ماما کو بھول نہیں سکی۔" وہ افسردگی سے بولی، پلوشے اسے دیکھتی رہی۔

"اور وہ کون ہے جسے بھلانے کی کوششوں میں تم خود کو بھولنے لگی ہو۔" اس نے کہا تو ورشے نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"ورشے تم اس وادی سے نہیں جانا چاہتی ہو تو بہرام خان بھی کون سا تمہیں لے جانے آ رہا ہے پھر تم طلاق کا مطالبہ کیوں کر رہی ہو؟" ورشے نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا، پلوشے مشکوک ہوئی۔

"وہ بات نہیں ہے پلوشے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"ایسی ہی بات ہے ورشے اور اگر کوئی ہے تمہاری زندگی میں تو اچھی بات ہے، اگر میری زندگی میں بھی کوئی آیا جس کے ساتھ مجھے لگا کہ میں ساری زندگی جینا چاہوں گی اور وادی بھی مجھے نہیں چھوڑنی پڑے گی تو میں تیمور خان سے کہہ دوں گی کہ مجھے آزادی چاہیے..... جب میری زندگی میں کوئی ہے ہی نہیں تو پھر مجھے کیا پڑی خود پر طلاق کا "ٹیگ" لگوانے کی۔" وہ رکی پھر اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"میری جان اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو تو کہو ناں اپنی بہن سے۔" ورشے سے ضبط کرنا مشکل ہونے لگا، وہ یک دم اس کے کندھے سے لگی۔

"میں بہت کمزور ہوں پلوشے، میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں، تمہاری جیسی ہمت نہیں ہے مجھ میں..... نہ ہی میں زریں پھوپو کی طرح تنہا جی سکتی ہوں اور نہ ہی نازنین پھوپو کی طرح ناپسندیدہ زندگی جینا چاہتی ہوں۔" وہ روتی رہی، پلوشے دھیرے دھیرے اس کے سر کو تھپکتی رہی، بہت دیر وہ روتی رہی اور پلوشے کا بوجھ بڑھتا رہا۔

"پھر وہ کون ہے جس کے ساتھ تمہاری خوشی ہے ورشے؟" وہ چپ ہوئی تو پلوشے نے پھر پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" وہ نظر چرا گئی۔

"پلوشے کھانا لگ گیا۔" باہر سے ثانیہ خان کی آواز آئی۔

"چلو کھانا کھا لیں۔" پلوشے نے اسے پانی لا کر دیا اور خود باہر نکلنے لگی۔

"باہر شمائل خان ہے۔" اس نے اسے لاپروائی سے دوپٹا کندھے پر ٹکاتے دیکھ کر کہا تو پلوشے رکی اور پھر چادر



www.zemtime.com

اٹھالی۔

"پلوشے شمائل خان کو اتنا فری کیوں کرلیا ہے تم نے، اب بھی باہر مورے میری شادی سے متعلق باتیں کررہی تھیں اور وہ چلا آیا جیسے اس گھر کا بیٹا ہو یا پھر اسی گھر کا حصہ۔"

"وہ اچھا لڑکا ہے ورشے۔"

"مگر ہمارے نجی معاملات میں اس طرح دخل اندازی....." وہ منہ بنا کر بولی۔

"وہ اس کا انداز ہے۔" وہ ہنس دی اور پھر اپنی چادر ٹھیک سے اوڑھتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

❁.....☆❁☆.....❁

"شمائل کورٹ کی طرف کار موڑلو۔" وہ لوگ وادی کے ایک کام سے شہر آئے تھے جب پلوشے نے کہا۔

"کورٹ.....مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"مجھے ورشے کی جانب سے خلع کا نوٹس بھیجنا ہے لندن۔"

"واٹ.....؟" وہ جیسے دم بخود ہوا۔

"تم اتنا حیران کیوں ہورہے ہو، کیا تمہیں نہیں پتا کہ ورشے کا نکاح ہوچکا ہے ہماری پھوپو کے بیٹے بہرام خان سے.....اب جبکہ وہ لوگ یہاں نہیں آنا چاہتے تو مجھے ورشے کے بارے میں کچھ سوچنا تو ہوگا ناں۔"

"مگر کورٹ جانے کی کیا ضرورت ہے یہ بات آپ ان لوگوں سے پرسنل کیجیے؟" وہ فوراً بولا۔

"ان سے تو ہمیشہ پھوپو یا مورے بات کرتی ہیں میری تو آج تک بات ہی نہیں ہوئی زیادہ سے زیادہ نازنین پھوپو ورشے سے بات کرلیتی ہیں؟" اس نے اطمینان سے کہا۔ "اور ویسے بھی میں کیا بات کروں شمائل کہ وہ آکر میری بہن کو لے جائیں جب مجھے اور میری بہن کو اس وادی سے جانا ہی نہیں ہے تو پھر ان لوگوں سے کیوں بات کریں۔" وہ اپنے موبائل میں مصروف تھی۔

"آپ بھی طلاق مانگ لیں گی؟" شمائل نے مڑ کے اسے دیکھا، وہ ہمیشہ پیچھے ہی بیٹھا کرتی تھی۔

"شمائل مجھے طلاق کی ضرورت نہیں ہے.....ورشے کو ہے، اب ہم چلیں کورٹ یا تم یہیں سوال یہ سوال کرتے رہو گے۔" اس نے کہا تو شمائل نے ایک گہری سانس لی اور اسے کورٹ لے آیا.....انہوں نے ورشے کی طرف سے خلع نامہ بھیجا اور پھر واپس وادی آگئے اور یہ اس کے ایک ہفتے بعد ہوا، حویلی پر ایک بجلی گری تھی۔

"نازنین.....!" سب متحیر تھے، نازنین کو دیکھ کر نہیں بلکہ ان کے بیٹے کو دیکھ کر۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ میں وادی کی محبت اپنے بیٹے کے دل میں اتار دوں گی، یہ اپنے کالج کی لائف میں ہی وادی آگیا تھا، حشام یہی سمجھتے رہے کہ یہ امریکہ میں ہے۔" وہ فخر کے ساتھ گردن اٹھائے شمائل خان کے پہلو میں کھڑی تھیں۔ ورشے کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہوگیا تھا۔

"کیا بن مانگے بھی دعائیں پوری ہوجاتی ہیں۔ وہ جو اپنی پہلی ملاقات سے اس کے اندر بس چکا تھا تو کیا وہ اس کا تھا؟" یقین مشکل تھا۔

"تم.....تم نے ہمیں بتایا نہیں کہ تم کون ہو؟" زریں خفا تھیں اور ثانیہ بس نازنین سے لپٹی رو رہی تھیں۔

"میں مما کے کہنے پر بس چند دن کے لیے آیا تھا..... مجھے تو اس وادی میں رہنا ہی نہیں تھا، یہاں سے چلے جانا تھا لیکن میں نے وادی کو دیکھا تو مبہوت رہ گیا اور ورشے کو دیکھا تو پھر جا ہی نہ سکا۔" وہ مسکرا کر بولا۔ ورشے تیزی سے اٹھ کر وہاں سے جانے لگی۔

"اوہ نہیں مسز.....آج نہیں۔" شمائل اس سے بھی تیزی سے اٹھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تو وہ بھونچکا ہی رہ گئی۔

"ہاتھ چھوڑو میری بہن کا۔" پلوشے شرارت سے چہکی۔

"میری بیوی ہے تمہاری بہن۔" پلوشے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تمہاری....." اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔ "ایک

www.zemtime.com
ZEMTime.com

بندہ تھا آج صبح بھی بڑے ادب سے مجھ سے مخاطب تھا۔"
وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی تو وہ ہنس دیا، زریں بھی ہنس دیں۔ ورشے نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔
"یار میرے نکاح میں ہو تم۔"
"وہ نکاح جو اس کے اور تمہارے بابا نے قبول کیا تھا۔" پلوشے نے ٹکڑا لگایا۔ ثانیہ اور نازنین بھی اب کافی رونے کے بعد ان کی طرف متوجہ تھیں سو مسکرا دیں۔
"تم نے ہمیں کیوں نہ بتایا شمائل؟" اب ثانیہ خفا ہوئیں۔
"مورے یہ میں نے تبریز ماما کی وجہ سے کیا ورنہ ابریز ماما کو تو پتا تھا کہ میں بہرام ہوں لیکن اگر یہ بات تبریز ماما کو پتا چل جاتی تو وہ اور گل جاناں پاپا کو بتا دیتے اور پھر پاپا مجھے یہاں سے لے جاتے۔"
"لیکن مجھے تو بتا سکتے تھے..... کتنے راز تھے ہمارے بیچ یہ بھی رہتا۔" پلوشے نے ناراضی سے کہا۔
"تمہیں بتا تو دیتا اور بہت بار بتانا بھی چاہا مگر پھر نہیں بتا سکا..... تم پھر مجھے اپنے غلاموں میں شامل نہ کرتیں اور شاید تم اس بات سے ڈرتیں کہ میں بھی شمروز جیسا یا پھر تیمور خان جیسا ہوں۔" پلوشے ہنس دی۔
"خیر تیمور خان کو میں اتنا برا نہیں سمجھتی کہ ان سے کوئی کام نہ کہہ سکوں۔" ورشے نے پھر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا۔
"رک جاؤ یار پہلے تمہاری بہن کو وضاحتیں دے لوں پھر تمہیں بتاتا ہوں تو خلع چاہیے تمہیں اپنے شوہر سے۔" ثانیہ نے چونک کر اس کی بات پر ورشے کو دیکھا۔
"کیا مطلب..... کیا کہہ رہے ہو تم؟" پھر وہ بوکھلا کر شمائل خان کی طرف مڑیں۔
"یہ تو آپ اپنی بیٹیوں سے پوچھیں جنہوں نے بہرام خان کو خلع کا نوٹس بھیجا ہے۔" وہ خفگی سے بولا اور ورشے کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔
"اور اس کام میں شمائل خان نے ہمارا پورا پورا ساتھ دیا ہے۔" پلوشے نے مزے سے کہا تو نازنین ہنس دیں۔ وہ بھی بے چارگی سے ہنسا۔
"کیا ہو رہا ہے یہ؟" ثانیہ بے چارگی سے بولیں۔
"کچھ نہیں ہوگا میری بھابی۔" نازنین نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالے۔ "بس کل سے ہم ان کی شادی کی تیاری کر رہے ہیں جب تیاری مکمل ہو جائے گی ہم لوگ سب کو دعوت دیں گے اور خوب دھوم دھام سے ان کی شادی کریں گے۔" انہوں نے اپنے پروگرام کا اعلان کر دیا۔
"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ دن دکھایا۔" ثانیہ کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہوئیں۔ پھر شاکر اور زرمینے آ گئی، جب پلوشے کو یہ پتا چلا کہ شاکر اس کے بارے میں جانتے تھے وہ مزید خفا ہوئی۔
"میں آپ لوگوں سے کچھ راز نہیں رکھتی اور آپ لوگ....." وہ منہ بنا کے بیٹھ گئی۔ شاکر اسے منانے لگے..... وادی پر ہی نہیں حویلی پر بھی خوشیوں نے پر پھیلا دیئے تھے۔

❁.....☆❁☆.....❁

"سردار کی سواری آج کس طرف چلی ہے؟" اسے عبایا اور اسکارف میں ملبوس دیکھ کر وہ چونکا کیونکہ اس نے اسے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا۔
"میں سوچ رہی تھی کہ کالج کے لیے وین کا انتظام کرلوں یہ پرائیویٹ ڈرائیور بہت پیسے لیتے ہیں اگر کالج کی طرف سے ٹرانسپورٹ کی سہولت بھی ہو جائے تو زیادہ دور رہنے والے بھی آرام سے آ جائیں گے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ شمائل نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔
"تمہیں یہ انوکھے آئیڈیے کہاں سے آتے ہیں؟"
"محبت..... بے پناہ محبت سے۔" وہ مسکرائی تو شمائل نے تعجب سے اسے دیکھا۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

www.naeyufaq.com

www.zemtime.com

# اچھا رشتہ

## مہرین کنول

''ارے بہن کیا تم نے بتایا نہیں تھا تاج ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا جو نوکری کرتی ہو۔'' عفیفہ نے رشتے والی شگفتہ سے اچنبھے سے کہا۔ آج کل انہیں اپنے یتیم بھتیجے کے لیے ایک عدد سگھڑ لڑکی کی تلاش تھی جو کہ مل کے ہی نہیں دے رہی تھی۔

''میں نے سوچا آپ پہلے لڑکی پسند کرلیتیں تو باقی باتیں بعد میں ہوجاتیں اور تاج شادی کے بعد نوکری چھڑا بھی سکتا ہے، بیوی کو شوہر کے حکم پر ہی چلنا ہوتا ہے۔'' شگفتہ خالہ جھجکتے ہوئے بولیں۔

''کیا کہہ رہی ہو شگفتہ خالہ، ہماری بیٹی کی بڑی مشکل سے گورنمنٹ جاب لگی ہے وہ کیسے چھوڑ سکتی ہے، ہمیں معاف کرنا ہم یہاں رشتہ نہیں کریں گے۔'' لڑکی کی والدہ نے پہلے شگفتہ کو ترشی سے کہا پھر عفیفہ سے معذرت کرتے ہوئے دسترخوان سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نجانے آج کل کی رشتے والیوں کو کیا ملتا ہے اپنی من مانی کرتی ہیں، ایک بھی ڈھنگ کا رشتہ نہیں دکھایا..... ہنہہ۔'' ان کے انداز میں غصہ تھا۔

''لو ہوگئی ایسے تاج کی شادی اور مل گیا اچھا رشتہ، میں پوچھتی ہوں بہو آخر رشتے والیوں کے چکر میں کیوں پڑ گئیں، سارے خاندان میں بھی اچھے رشتے ہیں تم آنکھ کھول کر تو دیکھو۔'' زہرہ بی بی نے تسبیح

www.zemtime.com

پڑھتے ہوئے بے اختیاری سے کہا۔ انہیں اپنا یہ پوتا بے حد عزیز تھا پر وہ عفیفہ سے بھی دبتی تھیں جب ہی کھل کر بات نہیں کی۔

اسی اثناء میں گھر کے داخلی دروازے سے وہ دونوں اندر آئے تھے۔

''آہم.....م، بچھا ہوا دستر خوان بتا رہا ہے ضرور میرے رشتے والے آئے تھے۔'' تاج نے شرارتی نگاہوں سے مسکرا کر کہا۔

''تو بات بنی چچی جان۔'' کتابیں ایک طرف رکھتی ہانیہ نے عفیفہ سے پوچھا۔

''ارے بات بنتے بنتے بگڑ گئی۔'' زہرہ بی بی نے عفیفہ کی جگہ جواب دیا۔

''یہ تو بہت اچھا ہوا، میرا مطلب ہے تاج کی بہت ساری بیگمات ہیں۔'' ہانیہ شوخی سے بولی۔

''یہ کیا بول رہی ہو بدتمیز۔'' زہرہ بی بی نے اس کی کمر پر دھپ رسید کی۔

''صحیح کہا دادی، یہ تو ہے ہی ایسی، اکیڈمی میں میری اسٹوڈنٹ ہے یہ، وہاں بھی اس کی شرارتیں آسمان کو چھوتی ہیں۔'' تاج بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ ایک چپت اس نے بھی اس کے سر پر جڑ دی اور وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔

''ہاں جیسے تم تو بڑے شریف ہو، یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔'' ہانیہ اب اس کے کان کھینچ کر زہرہ بی بی کے کندھے پکڑ کر دباتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا ہوا ہے چوہیا سب میری وجہ سے۔'' تاج کی شوخی سے بھرپور آواز ابھری۔

''یہی اکیڈمی کی ساری لڑکیاں آپ کو سرتاج سرتاج کہتے نہیں تھکتیں۔'' اس کی بات پر تاج نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ وہاں عفیفہ کی بھی دبی دبی ہنسی کی آواز آئی۔

''واہ دادی نام بھی آپ نے چن کے رکھا ہے اور میرا پروفیشن میں میرے نام سے پہلے سر لگتا ہے لڑکیوں کی زبانی نام سننا کافی اچھا لگتا ہے۔'' ہنستے ہوئے تاج نے زہرہ بی بی سے کہا۔

''چپ کر کلموہے، میں تیرا نام بدلتی ہوں ابھی۔'' وہ غصہ ہوئیں۔

''نہیں دادی اتنا پیارا نام ہے، اس کو بدلیں نہیں۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر منت کرنے لگا۔

''میں تو انہیں تاج سر کہتی ہوں۔ تاج سر۔'' وہ اپنی عقل پر فخر کرتے ہوئے بولی۔

''بس ان ہی کی زبان سے سرتاج سننا حسرت رہ گئی۔'' اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ جہاں ہانیہ اپنی جگہ جھینپی وہیں زہرہ بی بی اور عفیفہ چونکی تھیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا تاج؟'' عفیفہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''دادی آپ میرا نیا نام بتائیں۔'' اس نے بات کو آئی گئی کرنے کی خاطر کہا جب کہ عفیفہ اس کو دیکھتے گہری سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

''ہانیہ اسے آج سے ''اچھے میاں'' کہنا۔'' زہرہ بی بی نے اپنے دور کا نام تجویز کیا۔

''یہ کیا دادی، میاں اور وہ بھی اچھے یہ تو سرتاج ہی کی طرح معنی دے گا۔'' ہانیہ جھاں جز بز ہو کر بولی وہیں عفیفہ مسکرائی جبکہ زہرہ بی بی اچھے میاں کا نام بگاڑنے لگی تھیں۔



www.zemtime.com

.....☆☆☆.....

''لگتا ہے شریف لڑکیوں کا کال پڑ گیا ہے، یہ دیکھو واٹس ایپ پہ کیسے دوپٹے سے ندارد کھلے گلے پہنے لڑکیوں کی تصویریں۔'' عفیفہ نے ہانیہ کو ایک سے ایک لڑکی کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔

''ایسا کریں یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں اکیڈمی میں میری بہت ساری دوستیں ہیں ان ہی میں سے کسی اچھی لڑکی سے شادی کر دیجیے۔'' ہانیہ نے پیشکش کی۔

''رہنے دو میں نے تاج سے کہا تھا وہ منع کر رہا ہے جانے اسے کیسی لڑکی چاہیے۔'' وہ الجھن کا شکار ہوئیں۔

''بہو تم اس طرح رشتے ڈھوڈتی رہ جاؤ گی، یہ رشتے والیاں تمہیں نچا کر رکھ دیں گی، جب جی بھر جائے گا تو کسی سے بھی بات بنانے کی کوشش کریں گی، ہمارے وقت کی رشتے والیاں جوڑ دیکھا کرتی تھیں، اب تو وہ کمائی پر توجہ دیتی ہیں۔'' زہرہ بی بی چھواروں کی پلیٹ اپنی طرف کھسکا کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

'اماں میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ کوئی اچھا رشتہ مل جائے تاج کے لیے، جسے تاج بھی پسند کر لے۔ نہ جانے کیا چاہتا ہے یہ لڑکا پہیلیاں بوجھواتا رہتا ہے، پتہ نہیں کون سی لڑکی چاہیے۔'' انہوں نے اپنی الجھن ظاہر کی۔

''کیا ہوا دادی، کیا کھا رہی ہیں؟'' تاج لاؤنج میں داخل ہوا۔

''نر چھوارا۔''

''اور میں مادی اخروٹ کھا رہا ہوں۔'' تاج نے چھیلے ہوئے اخروٹ کی تھالی اپنی طرف گھسیٹ کر کہا۔ لاؤنج میں ہنسی کی جلترنگ بجنے لگی۔ عفیفہ نے اس کو بغور دیکھا اور پھر دل میں ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

.....☆☆☆.....

ڈھولکی کی خوب تھاپ پر لڑکیاں بالیاں ہلہ گلہ کر رہی تھیں گھر بھر میں رونق بجی ہوئی تھی۔ اسٹیج کے مرکزی صوفے پر تاج دلہا کے لباس میں خوب صورت سی موہنی صورت والی کوئی اور نہیں وہی ہانیہ کے ساتھ براجمان تھا جو دلہن کے روپ میں الگ ہی چھب دکھا رہی تھی۔

''ماشاء اللہ دونوں کتنے پیارے لگ رہے ہیں، چاند سورج کی جوڑی ہے دونوں کی۔'' زہرہ بی بی نے بلائیں لیتے ہوئے عفیفہ سے کہا۔

''مان گئی اماں، آپ ٹھیک کہتی تھیں اچھا رشتہ گھر میں ہی مل گیا، باہر کی خاک چھان کر بھی ہانیہ جیسا ہیرا مجھے نہیں ملتا۔''

''جب ہی تو کہتی ہوں جب گھر میں گوہر نایاب ہو تو خاندان سے باہر کیا منہ مارنا، کبھی کبھی اچھا رشتہ بغل میں ہوتا ہے۔'' انہوں نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہا اور اسٹیج پر رسم کی ادائیگی کے لیے بڑھ گئی تھیں۔

www.naeyufaq.com

www.zemtime.com

# دل میں بسا لیں گے

## سارہ عمر

مرینہ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ازیان شہباز جس پہ یونیورسٹی کی آدھی لڑکیوں کا کرش تھا وہ مرینہ حسن کی زلفوں کا اسیر ہو جائے گا۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے ازیان میں اگر کچھ خاص تھا تو وہ اس کی دل موہ لینے والی باتیں اور پرکشش شخصیت تھی۔ ذہانت نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا رکھے تھے۔ مرینہ حسن کافی الگ تھلگ رہنے والی اپنی ذات میں گم گم گوسی لڑکی تھی۔ پہلے سمسٹر میں اس کے نام کا ڈنکا تب بجا تھا جب کئی اسائنمنٹ میں اس کے نمبر ازیان شہباز سے زیادہ آئے تھے، تب ازیان کی کھوجتی نظروں نے کونے میں الگ تھلگ بیٹھی اس معصوم سی لڑکی کو پہلی بار دیکھا تھا مگر اس کی نظریں پھر اس کے چہرے سے ہٹنے سے انکاری ہو گئی تھیں۔ دل اس کی طرف کھنچتا چلا گیا تھا۔

ازیان کے والد سرکاری ملازم تھے۔ ازیان کو یونیورسٹی کے بعد جیسی ہی اچھی نوکری ملی وہ اپنے والدین کو مرینہ کے گھر لے آیا تھا۔ ازیان کے رشتے کا سن کر تو مرینہ نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ رب مہربان ہے اسے یقین تھا مگر وہ اتنا مہربان ہوگا کبھی سوچا ہی نہ تھا۔

مہندی والے دن جب نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تو دلہن دلہا ایک دوسرے کو دیکھ کر اس قدر ہنس رہے تھے کہ بڑی بوڑھیوں نے تو منہ میں انگلیاں داب لی تھیں پھر اسی پہ بس نہیں ہوا دونوں نے اپنی پوری کلاس کو شادی پہ مدعو کیا تھا۔ خوب ڈھول باجے بجے، ساری کلاس کے لڑکے لڑکیاں دلہن دلہا سمیت پنڈال میں ناچتے رہے۔ ان

www.zemtime.com

کے کلاس کے ٹاپرز کی شادی تھی کوئی عام بات تو نہ تھی۔

شادی والے دن جہاں سرخ جوڑے میں مرینہ کسی دور دیس کی شہزادی لگ رہی تھی تو ازیان گرے شیروانی میں کسی ریاست کا شہزادہ لگا رہا تھا۔ محبت زندگی کی ہم سفر بن جائے تو دن گزرتے پتا ہی نہیں چلتا۔ مرینہ کو بھی دن گزرتے پتا نہ چلا تھا جب مہینوں سالوں کی پرت میں چھپتے چلے گئے تھے۔

پہلے اس کی ساس کا انتقال ہوا اور پھر کچھ ہی عرصے بعد سسر کا تب تک اس کی گود میں دو بچے آچکے تھے۔ ازیان کی کمپنی نے اس کا ٹرانسفر دوسرے شہر کیا تو مرینہ اپنے میکے کو بھی خیر باد کہہ کر اس کے ساتھ آ گئی تھی۔ میکے میں اب امی اور دو بھائیوں کے علاوہ تھا ہی کون۔ سات مہینے بعد چکر لگا لیتی تو بچے بھی خوش ہو جاتے۔ دوسرے شہر میں شفٹ ہونے کے دوسرے سال ایک اور بچے میں اضافہ ہو گیا تھا۔ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ اس کی فیملی ایک آئیڈیل فیملی بن گئی تھی۔ نو سالہ شایان، آٹھ سالہ شانزے اور چھ سالہ شامل میں اس کی جان بستی تھی۔ سب کچھ خواب جیسا تو تھا۔ خوب صورت شوہر، مکمل گھر، بچے، دولت، عزت، سسرال کے جھنجھٹ سے آزاد اپنی ذاتی زندگی مگر خوابوں کی یہ دنیا جیسی لوگوں کو نظر آتی ویسی تھی پر زندگی کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو جائے اس میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور رہتی ہے۔

ازیان اس کے ہاتھ کے علاوہ کسی کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاتا سو کھانا، ناشتہ تو سب وہ خود پکاتی اوپر سے بچوں کو سنبھالنے سے لے کر گھر میں کیک، ڈیکوریشن کا کام بھی وہ خود کرتی۔ بیکنگ اس کا شوق تھا۔ مختلف رنگوں کے کیک ڈیزائن کرتے، پھولوں اور چیزوں سے آرائش کرتے وہ اندرونی طور پہ خوشی محسوس کرتی۔ بس یہ کام اسے پسند تھا تو وہ اپنے کئی کام چھوڑ کر بھی اسے مکمل وقت دیتی تھی۔ پہلے پہل تو یہ شوقیہ شروع ہوا تھا مگر پھر کیک کے آرڈرز آنے لگے تو وہ اس کام پہ زیادہ توجہ دینے لگی۔ بچوں کو وہ اب بھی بھرپور توجہ دیتی کہ کہیں وہ ماں کی ممتا سے محروم نہ رہیں۔ بس اس ساری فلم جیسی کہانی میں ایک چیز حقیقت پہ مبنی تھی کہ اس کا تیزی سے وزن بڑھنے لگا تھا۔ پچاس کلو کی مرینہ اب نوے کلو کی مرینہ بن چکی تھی اور یہ وزن دن بدن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے بچوں کے بعد خود پہ توجہ نہ دینا اور سارا وقت گھر کے کاموں اور بیکنگ میں گزرنا بھی تھا۔ کیک خراب ہو جاتا تو مرینہ کھا لیتی ضائع نہیں کرتی تھی بچے کھانا بچا دیتے تو وہ کھا لیتی۔ اس کی وجہ سے اس کا وزن بڑھ رہا تھا اور اب وہ اکثر ٹانگوں میں درد، پاؤں میں سوجن اور کمر درد کی شکایت بھی کرتی تھی۔

''دن بدن موٹی ہوتی جا رہی ہو۔'' وہ سارے کام نبٹا کر صوفے پہ بیٹھنے ہی لگی تھی کہ اس کی بات سن کر کلس کر رہ گئی۔ وہ صوفے پہ بیٹھ کر آرام سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہوئی۔ بچے چپس کھا رہے تھے جنہیں دیکھ کر اس کا دل للچایا تو اس نے چپس کے پیکٹ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

''ایسے ہی کھا کھا کر تم نے چربی چڑھالی ہے اب اترنے کا نام نہیں لے رہی۔'' ازیان کی بات پہ وہ چونکی اگر وہ موٹی تھی بھی تو کون سا ایک دن میں ہوئی تھی، ان کی شادی کو دس سال ہونے والے تھے۔ کیا دس سال میں اب دیکھا تھا کہ وہ موٹی ہے، وہ ازیان سے کبھی بھی بحث نہیں کرتی تھی اسی لیے ان کی لڑائی خاصی کم ہوتی۔ اس نے چپس سے ہاتھ پیچھے کھینچتے ازیان پہ ایک نظر ڈالی اور لاؤنج سے باہر نکل گئی پھر یہیں پہ بس نہ ہوئی تھی۔ آئے دن ازیان کی طرف سے کوئی نہ کوئی بات ضرور کہی جاتی۔

''یہ موٹاپا ایک دن تمہیں کھا جائے گا اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا۔'' وہ برگر پہ چیز سلائس رکھ رہی تھی جب ازیان نے اسے ٹوکا۔



www.zemtime.com

''آپ کو تو پتا چل جائے گا بس اتنا ہی کافی ہے۔'' اس نے غصے سے کہتے برگر کا لقمہ لیا مگر ذرا سا ہی کھا کر اس کی بھوک مر گئی تھی۔ برتن سمیٹتے کئی آنسو گالوں سے لڑھکتے اس کے چہرے کو بھگو گئے تھے۔

''کیا میں موٹی اور بھدی ہو گئی ہوں، کیا ازیان کو اب مجھ سے محبت نہیں رہی ہے، کیا محبت جسم کی محتاج ہوتی ہے اگر میں تین بچوں کی ماں بن کر موٹی ہو ہی گئی ہوں تو آخر مظائقہ ہی کیا ہے؟'' سوچتی ہوئی برتن دھوتی رہی۔

''کیا کہیں ازیان کی زندگی میں کوئی اور نہیں..... نہیں۔'' اس نے سر ہلا کر اپنی سوچوں کی نفی کی۔ پسند کی شادی میں بھلا ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ کوئی اور اس کی مسند پہ آ بیٹھتا۔

''نہیں..... میں غلط سوچ رہی ہوں، ازیان ایسا نہیں کر سکتے، وہ میرے علاوہ کسی کے نہیں ہو سکتے۔'' وہ تمام منفی سوچوں کو پس پشت ڈال رہی تھی۔ برتن دھو کر جیسے ہی وہ کمرے داخل ہوئی موبائل پہ مصروف ازیان کے چہرے پہ ابھرنے والی مسکان مرینہ سے پوشیدہ نہ رہ سکی، تمام منفی سوچیں ایک بار پھر دماغ پہ حاوی ہوئیں۔ انگلیاں موبائل کی اسکرین پہ حرکت کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ کتنی دیر دروازے کی چوکھٹ پہ ہی کھڑی رہی۔ ازیان اس کی آمد کا احساس تک نہ کر سکا۔ دل میں بے چینی کی لہر اٹھی۔

''ازیان۔'' وہ اپنی جگہ پر لیٹ گئی اور اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ ''ازیان مجھ سے ناراض ہیں؟'' اس نے نظر اٹھا کر مرینہ کو دیکھا۔

''سو جاؤ کل بات کریں گے۔'' وہ رخ پھیر گیا اور وہ اس کی کمر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیک کے آرڈرز مکمل کرتے کئی بار اس کا ہاتھ غیر دانستہ طور پہ منہ کے قریب گیا مگر ہر بار کانوں میں کوئی نہ کوئی طنزیہ جملہ سنائی دیتا اور اس کا ہاتھ رک جاتا۔

اکثر وہ کیک کی مختلف اشکال بناتے بچ جانے والا کیک کھا لیتی تھی، اکثر وہ بچے کھا جاتے۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وقت بے وقت کھانے کی عادت اور پھر اس پہ بارہا کیک کا چکھنا اسے موٹا کر دے گا۔ یہ وزن کوئی ایک دن میں نہیں بڑھا تھا، اسے بڑھنے میں سالوں لگے تھے اس لیے وہ جانتی تھی کہ اب سلم ہونے میں بھی سالوں نہیں تو مہینے ضرور لگیں گے۔

آج چاہتے ہوئے بھی وہ کیک کو چکھ نہ پائی تھی۔ نجانے کیوں دل بجھا بجھا سا تھا۔ بے حد اداس اور غمگین۔ ازیان کی باتیں اسے تکلیف دینے لگی تھی۔ شروع شروع میں وہ اپنے وزن سے بہت پریشان ہوتی تھی جب جہیز کے سارے کپڑے اسے تنگ ہو گئے تھے۔ ازیان بھی تو شروع کے سالوں میں کئی بار اسے احساس دلا چکا تھا کہ ''موٹی ہو تو کیا ہوا میری ہی تو ہو۔'' بس یہ بات سن کر وہ شرم سے سرخ پڑ جاتی اور مطمئن ہو کر ڈائیٹ کا خیال ہی دل سے نکال دیتی تھی۔ اس کی محبت نے احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ اس کا وزن دن بدن بڑھ رہا ہے۔ نجانے اب کیوں ایک دم ہی رویہ بدل گیا تھا۔

''ٹرن..... ٹرن۔'' فون کی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

''کیسی ہو مرینہ؟ میں نے ایشین مال جانا ہے کیا ساتھ چلو گی؟'' فون کی دوسری جانب سے عذرا آپا کی آواز ابھری۔ وہ مرینہ کی پڑوسن تھیں۔ ان کا سسرال بھی دوسرے شہر میں تھا تب ہی دونوں ہمسائیوں کی خوب بنتی تھی۔ دونوں کا آنا جانا لگا رہتا۔ وہ دونوں اکثر شاپنگ پہ اکٹھی ہی چلی جاتیں۔ عذرا آپا کے بچے مرینہ کے بچوں سے بڑے تھے تب ہی وہ مرینہ کے بچوں کو سنبھال لیتے۔ ایشین مال ان کے علاقے کا بڑا مال تھا۔ دونوں اکثر اوقات وہاں جاتی تھیں۔ ایک ہی جگہ سے گھر کا سب سامان مل جاتا ساتھ ہی کچھ کھا پی کر بھی ضرور آتیں۔



www.zemtime.com

''جی عذرا آپا..... میں ازیان سے اجازت لے کر آپ کو بتاتی ہوں پھر ساتھ چلیں گے۔'' اس نے خود بھی بیکنگ کی کچھ چیزیں لینی تھیں۔ ازیان کو تو آفس کے بعد بستر پر لیٹے رہنے، ٹی وی دیکھنے یا موبائل پہ وقت ضائع کرنے کا شوق تھا۔ باہر سے آکر دوبارہ باہر جانے سے بہت ہی کوفت محسوس ہوتی تھی اور اب تو بات بے بات مرینہ کی موٹاپے پہ تنقید کرتا رہتا تھا۔ اس لیے بہتر تھا خود ہی شاپنگ کر آئے۔

ازیان کو بتا کر وہ بچوں کو تیار کرتی جلدی جلدی گھر سمیٹتی عذرا آپا کے گھر پہنچی۔ ان کے دونوں بچے بھی ان کے ساتھ ہی تیار کھڑے تھے۔ ٹیکسی کروا کر جب تک وہ مال پہنچے تھے مال کے باہر چہل پہل کافی کم ہوگئی تھی۔ دوپہر کے وقت شاپنگ کرنا ان دونوں کو ہی آسان لگتا کیونکہ ان دونوں کے شوہر مغرب تک ہی گھر آتے تھے اس طرح شاپنگ کے لیے وقت بھی مل جاتا اور بچوں کو سنبھالنا بھی آسان ہو جاتا ورنہ رش کے وقت تو شاپنگ سے زیادہ بچوں کے گم ہونے کا ڈر لگا رہتا تھا۔ وہ کافی شاپنگ کر چکی تھیں جب ہمیشہ کی طرح انہیں بھوک ستائی اور وہ بچوں کو لیے فوڈ ایریا کی جانب آگئیں۔ بچے آئسکریم کی ضد کر رہے تھے مرینہ نے بیٹھنے کے لیے جگہ کی تلاش شروع کی مگر نگاہیں ساکت رہ گئی تھیں۔

وہ وہی تھا..... بالکل وہی..... وہ صرف اس کا سائڈ پوز دیکھ سکی تھی۔ سامنے بیٹھی لمبے سلکی بالوں والی پتلی دبلی لڑکی کی بات پہ قہقہے لگاتا وہ شخص اس شخص سے خاصا مختلف لگا جو اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہتا تھا۔ وہ دونوں کچھ کھاتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے ایک بار نظر اٹھا کر اس جانب دیکھا بھی تھا جہاں وہ بچوں کو لے کھڑی تھی مگر وہ نگاہ اتنی اجنبی تھی کہ اسے لگا کہ شاید وہ ازیان نہیں کوئی اور ہے، کوئی اور ہو بھی سکتا تھا اگر اس نے وہی کپڑے نہ پہن رکھے ہوتے جو صبح ازیان پہن کر آفس گیا تھا۔ اس کی شرٹ، ٹائی، پینٹ، گھڑی سب چیزیں یہی کہتی تھیں کہ وہ ازیان ہے مگر اس کی بے رخی مرینہ کا دل چیر گئی تھی۔

''تو یہ ہے وہ وجہ جس کی خاطر سے مجھ سے خار کھائے بیٹھے ہیں۔'' وہ ازیان کے سر کے اوپر جا کر چلائی۔

''تم یہاں.....؟'' ازیان نے حیران ہو کر پوچھا۔

''پہلے میری بات کا جواب دیں، اس چڑیل کی وجہ سے مجھے دن رات طعنے دے رہے ہیں ناں۔'' مرینہ اس لڑکی کا منہ نوچنے کے لیے آگے بڑھی۔

''کیا کر رہی ہو مرینہ، اپنی حد میں رہو۔'' ازیان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''میں عورت ہوں، میں حد میں رہوں اور خود گھر سے باہر ساری حدیں پار کرتے رہیں۔'' وہ غصے سے بولی، سب لوگ ہی ان کی جانب متوجہ تھے۔

''تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ رہا جائے، انتہائی بدتمیز، بدزبان خود سر عورت ہو جسے اپنے شوہر کی عزت کی پرواہ ہی نہیں۔''

''جیسے آپ کو بہت پرواہ ہے۔'' وہ دوبدو بولی۔

''تم گھر چلو میں تمہیں سبق سکھاتا ہوں۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''کیا سبق سکھائیں گے آپ مسٹر ازیان شہباز؟ جو کہنا ہے یہیں کھل کر کہیں۔'' اس نے چلا کر کہا۔

''میں ازیان شہباز تمہیں باہوش و حواس طلاق.....''

''نہیں..... نہیں..... نہیں۔'' وہ دھیرے دھیرے بولتی حیرت سے آنکھیں کھولے کھڑی تھی۔

عذرا آپا نے بچوں کو آئسکریم خرید کر پکڑائی تو مرینہ کو عجیب کشمکش میں مبتلا پایا جو منہ کھولے کسی سوچ میں گم وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا مرینہ کوئی بھوت دیکھ لیا ہے کیا، کیوں



www.zemtime.com

ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑی ہو؟'' وہ خالی کرسیوں کی طرف بڑھتی بولیں کہ مرینہ نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما۔

''عذرا آپا گھر چلیں مجھے کچھ یاد آگیا ہے۔''

''ارے ایسے کیسے گھر چلیں، اچانک کیا یاد آگیا تمہیں؟'' وہ حیرت سے بولیں۔

''وہ آپا میں آنے سے پہلے جو کیک بنا رہی تھی وہ آج ہی ڈیلیور کرنا ہے مگر مجھے یاد آیا کہ میں تو اوون بند کرنا بھول گئی ہوں۔ اب مجھے جا کر دوبارہ سے بنانا پڑے گا اور اس کی ڈیکوریشن بھی کرنی ہے۔'' وہ ہونٹ کاٹتے پریشانی سے بولی۔

''ایک تو تم نے مفت میں دردسری پالی ہوئی ہے، اچھا خاصا میاں کماتا ہے مگر نہیں بھئی بچوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ کام لگا رہے۔'' وہ بدمزہ ہو کر بڑبڑائیں اور بچوں کو تھامے لفٹ کی جانب بڑھنے لگیں۔

واپسی پہ مرینہ کے قدم خاصے سست تھے اس جواری کی طرح جو جوئے میں اپنی سب سے قیمتی شے ہار بیٹھے۔ محبت کا رشتہ بھی سب سے قیمتی ہے جو وہ دن دھاڑے گنوا بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے کھانے پہ ازیان کا رویہ بالکل نارمل تھا مگر مرینہ نے کچن میں کام کرتے آج کئی چیزیں توڑی تھیں۔ ماربل کی پلیٹ، کانچ کا گلاس، شیشے کی نمک دانی، دانستہ یا غیر دانستہ طور پہ چیزیں توڑ کر بھی غصہ تھا کہ کم ہی نہ ہو رہا تھا۔

''آج ماما کو کیا ہوا ہے؟'' ازیان نے سرگوشی میں بیٹے سے پوچھا تھا تو اس نے کندھے اچکائے تھے۔

''ماما آج بہت غصہ میں ہیں باہر سے آنے کے بعد۔'' شانزے نے اپنے انداز میں بیان کیا تو ازیان نے بے ساختہ اسے گود میں اٹھا کر چوم لیا۔ آج واقعی اس کا بی پی ہائی تھا۔ کچن میں اب بھی برتن ٹوٹنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ازیان کمرے میں آکر لیٹا تو


آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ نئے اُفق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پہ فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
23000 روپے

مڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے
21500 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام و ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

بنگلہ نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ
بلاک A نارتھ ناظم آباد کراچی 74700

فون نمبرز: 0300-8264242
naeyufaq.com
Info@naeyufaq.com


www.zemtime.com

ہمیشہ کی طرح موبائل تھامے اس میں مصروف تھا۔ اس نے تھوڑی دیر ازیان کے پرسکون چہرے کی جانب دیکھا۔

''دھوکہ دے کر زندہ رہنا بھی ایک فن ہے اور یہ فن ہر کسی کو نہیں آتا۔'' اس نے ازیان کے ہاتھ سے موبائل لے کر ایک جانب رکھا تو اس نے الجھ کر مرینہ کو دیکھا۔

''کون تھی وہ؟'' وہ براہ راست مدعا پہ آئی۔

''کون..... کس کی بات کر رہی ہو؟'' اس نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔

''وہ جس کی زلفوں کے آپ اسیر ہو چکے ہیں۔'' وہ غرائی۔

''میں تو سدا سے تمہاری زلفوں.....''

''ازیان شہباز..... میں سیدھی اور سچی بات سننا چاہتی ہوں۔ کوئی جھوٹ یا فریب نہیں۔'' اس کی آنکھوں آج ازیان کو چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ شادی کے اتنے سالوں میں پہلی بار اس نے اسے ازیان شہباز کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ کتنی بے گانگی تھی اس کے لہجے میں۔ ازیان نے ٹھنڈی آہ بھرتے اسے دیکھا اور تکیے سے ٹیک لگاتے گویا ہوا۔

''تو بالآخر تم نے دیکھ ہی لیا، ایک نہ ایک دن تو تمہیں بتانا ہی تھا۔'' اس کی بات سن کر مرینہ چکرا کر رہ گئی، بس ایک بھرم تھا وہ کہے گا نظر کا دھوکہ ہے۔ ایسا کچھ نہیں مگر..... بھرم ٹوٹ گیا اور اس کا وجود بھی۔

''ایرج نام ہے اس کا۔ ایرج یوسف میرے ساتھ ہی کام کرتی ہے، کولیگ ہے، اچھی انڈرسٹنگ ہے ہماری اور.....'' وہ کچھ دیر کو رکا۔

''شادی کرنا چاہتے ہیں اس سے؟'' مرینہ نے فوراً پوچھا۔ ازیان نے کچھ سوچتے فقط سر ہلایا۔

''جب آپ اپنی محبت دوسری عورت پہ نچھاور کرنے کا سوچ ہی چکے ہیں تو میرے وجود کے متعلق بھی فیصلہ کر لیجیے جس میں اب سوکیڑے دکھائی دیتے ہیں آپ کو۔'' وہ غصہ سے چیخی۔

''مرینہ ایسی بات نہیں۔'' وہ ہولے سے بولا۔

''تو پھر کیسی بات ہے؟''

''تم میرے بچوں کی ماں ہو اور.....''

''اور کیا؟ آج میں بچوں کی ماں ہوں کل کو وہ بن جائے گی تو؟ میری محبت، میری قربانی، میری وفا کس کام کی بتائیے، جواب دیجیے؟''

''تم غلط سوچ رہی ہو، تمہارا مقام کبھی بھی کم نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک ہے کہ تم پہلے جیسی حسین نہیں رہی، تمہارے جسم میں وہ لچک نہیں جو مجھے اپنی جانب کھینچ سکے مگر میں نے تمہیں کبھی چھوڑنے کا سوچا بھی نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''نہیں سوچا تو اب سوچ لیں، ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔'' وہ غصے سے بولی۔

''تم جلد بازی سے کام لے رہی ہو۔ اچھا چلو ایک ڈیل کرتے ہیں۔'' وہ کافی دیر بعد مسکرایا اور اس مسکراہٹ میں کوئی راز پنہاں تھا۔

''کیسی ڈیل؟''

''اگر تم تین ماہ میں پچیس کلو وزن کم کر لو تو میں ایرج سے شادی نہیں کروں گا۔'' مرینہ کے تو سر میں لگی تلوں پہ بجھی۔

''واہ جناب کیا کہنے، نہ ڈھولا ہوسی نہ رولا ہو سی..... نہ وزن کم ہوگا نہ آپ شادی سے رکیں گے..... بہتر ہے اسی پتلی کمر سے بیاہ رچا لیں مجھے معاف کریں۔'' وزن کم کرنے کی بات سن کر مرینہ نے فوراً سرنڈر کر دیا۔

''اب پیچھے کیوں ہٹ رہی ہو، چیلنج قبول کرو، وزن کم کر لو یا سوکن لانے کی تیاریاں کرو کیونکہ طلاق کے متعلق تو میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ بچے مجھے بھی اتنے ہی عزیز ہیں جتنا کہ تمہیں۔''

''کیوں نہیں چھوڑیں گے، میں ہرگز دوسری عورت کی موجودگی میں آپ کے ساتھ نہ رہوں گی۔''



www.zemtime.com

وہ بدک کر پیچھے ہوئی۔

''مجھے تو شریعت نے اجازت دی ہے دو شادیاں کروں یا تین، تم اتنے بھاری بھرکم وجود کو لے کر کدھر خوار ہوگی؟ اپنی امی کے پاس یا بھابیوں کے پاس یا اس عمر میں کوئی اور مرد تمہیں تین بچوں سمیت قبول کرلے گا؟ تھوڑا نہیں پورا سوچا کرو مرینہ بیگم..... بہتر ہے کہ ڈیل قبول کرلو تمہارا ہی فائدہ ہے۔'' وہ سکون سے کہتا اس پہ بم گرا گیا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا، دس سال بعد بھی ازیان تو ویسا ہی تھا جیسا یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ۔ لوگ تو دیکھ کر یقین نہ کرتے کہ تین بچوں کا باپ بھی ہے البتہ مرینہ کو آئے دن کسی نہ کسی تنقید کا نشانہ بننا پڑ جاتا۔ جب میکے جاتی بھابیاں بھی اس کے وزن پہ چوٹ کرتیں۔

''مرینہ کچھ بچوں کی رفتار کو بریک لگا کر اپنے اوپر توجہ دو ایسا نہ ہو کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو جائے۔'' وہ بے شک اس کے بھلے کے لیے کہتی ہوں مگر اسے یہی لگتا کہ وہ شاید اس سے جلتی ہیں، کبھی کوئی رشتے دار دیکھتے ہی اسے پہچانے سے انکاری ہو جاتا۔

''ارے یہ مرینہ ہے، توپ کا گولا بن گئی ہو بچی بالکل گول مول۔''

''بس بچے بھی تو ساتھ ساتھ کے ہیں وزن کم کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔'' وہ بچوں کا بہانہ بنا کر ہمیشہ ٹال جاتی۔

ایسی صورت حال میں طلاق لے کر اس کی ذات مذاق ہی بن جاتی۔ اب بھی زندگی نے اس کے ساتھ بہت بڑا مذاق کیا تھا مگر طلاق کے بعد تو وہ واقعی دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتی۔ گھر، بچے، خاندان، عزت سب ہی ملیا میٹ ہو جاتا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے سر جھکا دیا۔

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے مگر میری کچھ شرائط ہیں۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

''میں اس سفر کو اکیلا طے نہیں کرسکتی، مجھے اس سفر میں آپ کے طعنوں اور طنز کی نہیں بلکہ آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے۔'' اس نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

''کیسا ساتھ؟'' وہ سمجھ نہ سکا۔

''سب سے پہلے مجھے حلف لکھ کر دیجیے کہ اگر میرا وزن کم ہوگیا تو آپ ایرج یا کسی بھی اب ج سے شادی نہیں کریں گے۔'' ازیان نے سٹپٹا کر اسے دیکھا جو آنکھوں میں نمی لیے انگلیوں کی پروں پر شرائط گنوا رہی تھی۔

''تین ماہ میں ہر روز جم جاؤں گی مگر لانے اور چھوڑنے کے ساتھ ساتھ بچے سنبھالنا بھی آپ ہی کی ذمہ داری ہوگی، آپ کی فرمائش پہ کسی قسم کا میٹھا اور مرغن غذائیں نہیں پکیں گی۔ تین ماہ آپ بھی میرے ساتھ ابلی ہوئی سبزیاں ہی کھائیں گے۔'' ازیان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا مگر وہ ٹوک گئی۔

''ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی، روز ایک گھنٹہ میرے ساتھ واک کریں گے تاکہ کوئی میرا ساتھ دینے والا ہو۔ گھر میں جم کی طرح مشینیں لا کر رکھیں تاکہ میں فارغ اوقات میں انہیں استعمال کرسکوں اور ہاں یہ جو گن گن کر سبزیاں اور پھل لاتے ہیں اس کا تناسب بھی بڑھانا پڑے گا۔ اس سارے عرصے میں مجھ پہ ایک بھی طعنہ یا جلا کٹا جملہ نہیں بولا جائے گا بلکہ صرف میری تعریف کی جائے گی تاکہ میں وزن کم کرنے کی جدوجہد جاری رکھوں۔'' وہ سیاستدانوں کی طرح اپنے مطالبات گنوا رہی تھی۔

''اور بھی کچھ رہ گیا ہے تو وہ بھی کہہ دو۔'' وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ ضبط کرتا بولا۔

''جی بالکل یہ سب اصول لکھ کر آپ کے حوالے کیے جائیں گے تاکہ آپ اس پہ دستخط کریں اور کسی بھی دن آپ اپنے قول سے پھر نہ سکیں۔'' ازیان نے ٹھنڈی آہ بھرتے سر جھکایا۔

''میں کئی بار وزن گھٹانے کی کوشش کرچکی ہوں مگر جب تک آپ میرا ساتھ نہیں دیں گے تب تک یہ کبھی



www.zemtime.com

ممکن نہیں ہوسکے گا۔'' وہ ہولے سے بولی۔ وہ خاموش رہا تھا۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

آنے والے دن ازیان کے لیے بے حد مشکل تھے۔ مرینہ کو جم لے جانے اور واپس لانے کی ذمے داری کے ساتھ بچے سنبھالنا خاصا مشکل کام تھا۔ کبھی بھائیوں کی بہن سے لڑائی ہوتی تو کبھی بھائی بہن کی پونی کھینچ دیتے۔ کبھی تینوں کو ایک ہی وقت میں ایک ہی کھلونا چاہیے ہوتا۔ جم کے تین گھنٹوں میں ازیان کی بس ہو جاتی۔ نجانے مرینہ ان آفت کے پرکالوں کو کیسے سارا دن قابو کرتی تھی۔ کیک کے آرڈرز بھی مرینہ نے خاصے محدود کردیئے تھے۔ اس کی پوری توجہ اس وقت اپنا وزن کم کرنے کی جانب تھی۔ وہ مرینہ جو وزن کے معاملے میں ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیتی تھی شوہر کی دوسری شادی کا سن کر دن رات اپنی چربی گھلانے میں مشغول ہوگئی تھی۔

''گر جو اس ساری محنت کے بعد بھی ازیان نے دوسری شادی کرلی تو ساری محنت تو گئی نہ چولہے میں۔'' ٹریڈمل پہ دوڑتے اس کے اندر کی ضدی مرینہ نے سوال اٹھایا۔

''کر بھی لی تو کیا ہوا سوکن کا مقابلہ کرنے کے لیے طاقت تو ہوگی ناں مجھے میں، موٹاپا تو بس ہزار بیماریوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔'' دل نے تسلی دے کر ضدی مرینہ کو تھپک کر سلا دیا کرتی۔ جم کے ساتھ، واک اور سلاد کھاتے، قہوے پیتے کب مہینہ گزرا پتا نہ چلا تھا۔

پہلے مہینے پانچ کلو وزن میں کمی اس کے لیے بڑی کامیابی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ سفر رکا نہ تھا۔ پانچ کلو گرنے سے اپنا آپ اسے ہلکا ہلکا محسوس ہوا تھا۔ اس کی روٹین دوسرے، تیسرے اور پھر چوتھے مہینے تک پہنچی تو وہ واقعی اٹھارہ کلو وزن کم کرچکی تھی۔ پہلے پہل کچھ دوستوں نے حیرت کا اظہار کیا مگر میکے جا کر وہ حیران ہی رہ گئی جب اس کی امی اور بھابیوں نے اس کے اقدام کو بے حد سراہا تھا۔ بھائی الگ حیران تھے، کہاں وہ سالوں سے خود پہ توجہ نہ دے سکی تھی مگر اب نجانے کس چیز نے اسے کچھ ماہ میں اپنے آپ میں تبدیلی لانے پہ مجبور کردیا تھا۔ یہ راز کی بات تو بس مرینہ اور ازیان کے درمیان ہی تھی مگر اپنی تعریفیں سن کر اسے دل سے خوشی محسوس ہوئی تھی۔ ازیان کا رویہ تو اب بالکل بدل چکا تھا۔ وہ مرینہ کی کوششوں کو نہ صرف سراہتا بلکہ ہر ممکن کوشش کرتا کہ اس سفر میں اس کا ساتھ دے سکے تاکہ اس کا وزن دوبارہ بڑھ نہ سکے۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

ازیان نے فیروزی رنگ کی پشواز اس کے ہاتھ میں تھمائی تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ فیروزی پشواز پہ نہایت خوب صورت نگوں کا کام تھا۔

''یہ کس لیے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے بہت اچھے دوست کی شادی ہے تو ہم نے لازمی شرکت کرنی ہے۔ میں چاہتا ہوں تم بھی بہت اچھے سے تیار ہوکر جاؤ۔ پچھلے سارے سوٹ تو کھلے ہوگئے ہیں اس لیے میں یہ نیا خرید کے لایا ہوں۔ اچھا لگے گا تم پہ۔'' مرینہ نے مسکرا کر سر ہلاتے پشواز الماری میں لٹکائی۔

''اور ہاں ذرا پارلر سے اپائنٹمنٹ لے لینا ہفتے کی رات کو بارات ہے۔'' ازیان نے اسے یاددہانی کروائی۔

''پارلر سے مگر کیوں؟ میں خود ہی تیار ہو جاؤں گی۔'' وہ الجھ کر رہ گئی۔

''تم نہیں جانتی کہ میرے کتنے عزیز دوست کی شادی ہے۔ بس میں چاہتا ہوں تم سب سے زیادہ حسین لگو۔''

''کیا مطلب ہے اس بات کا کہ حسین نہیں؟'' اس نے گھورا۔

www.zemtime.com

''اب بھی ہو مگر سب سے زیادہ حسین۔''
''دلہن سے بھی زیادہ؟'' وہ ہنسی۔
''ہاں دلہن سے بھی زیادہ۔''
''نجانے یہ کون سا عزیز دوست نکل آیا ہے جس کے متعلق مجھے پتا بھی نہیں اور آپ اس قدر خوش ہیں جیسے آپ کی اپنی شادی ہو رہی ہے۔'' وہ ہاتھوں پہ کریم کا مساج کرتے ہنسی۔
''تم نہیں جانتی اسے..... مگر میرا بہت ہی قریبی دوست ہے امید ہے جلد ہی جان جاؤ گی۔'' وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

شادی کی رات ازیان نے اسے پارلر سے پک کیا تو منہ کھولے اسے دیکھتا ہی رہا۔ بلاشبہ وہ موٹاپے میں بھی خوب صورت لگتی تھی مگر وزن کم کرنے کے بعد یہ پہلی بار تھا کہ وہ اتنا تیار ہوئی تھی۔ وہ آج اتنی حسین لگ رہی تھی جتنی اپنی شادی کے روز لگ رہی تھی۔ فیروزی پشواز اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ بھاری کام والا دوپٹا سلیقے سے ٹکائے، لمبی ہیل کی سینڈل پہنے وہ سج سج چلتی گاڑی تک پہنچی۔ کچھ آوارہ لٹیں اس کے حسین چہرے پہ جھول رہی تھیں تو باقی بالوں کو کرل کر کے شانے پہ اس طرح جمایا گیا تھا کہ سفید موتیے کی لڑیاں بھی اپنی جھلک دکھا رہی تھیں۔ لمبی دراز پلکیں جو نفاست سے کیے میک اپ کے بوجھ تلے جھک کر رہ گئی تھیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ وہ سارے زمانے کو بھولے اس پہ ایسے نظریں جمائے کھڑا تھا کہ جیسے آج پہلی بار دیکھا ہو۔
''بابا آج یہیں کھڑے رہیں گے یا شادی پہ بھی جائیں گے؟'' بڑا بیٹا گاڑی کا ہارن بجا کر اسے ہوش میں لایا ورنہ آج ازیان کا دل اور نگاہیں اس کے قابو میں کہاں تھیں۔
''واؤ..... مما تو پرنسس لگ رہی ہیں۔'' اس کی بیٹی شانزے نے کمنٹ دیا۔ اسے ہر خوب صورت لڑکی پرنسس ہی لگتی تھی۔

''ماشاء اللہ بولتے ہیں بیٹا۔'' ازیان نے اپنی نگاہیں اس پہ جمائے کہا۔
''ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ۔'' بچے یک زبان ہو کر بولے تو وہ ہنس پڑی۔ وہ لوگ جب تک شادی ہال میں پہنچے تب تک نکاح ہو چکا تھا۔
''دیکھا دیر کر دی آپ نے۔'' مرینہ نے نکاح کے چھوارے بٹتے دیکھ کر ازیان سے شکوہ کیا۔
''تو آپ کو دیکھنے سے فرصت ملے گی تو دیر سویر دیکھیں گے۔'' وہ شوخ نظروں سے اسے دیکھتے بولا تو مرینہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
اسٹیج پہ بیٹھے دلہا کے ساتھ موجود مولوی صاحب اور دیگر مرد حضرات نیچے اترے تو کچھ لڑکیاں ہاتھوں میں دوپٹا تھامے دلہن کے ساتھ ہال میں داخل ہوئیں۔ سب کی توجہ دلہن کی جانب تھی جو بلاشبہ بے حد خوب صورت تھی۔
''دلہن تو بے حد خوب صورت ہے۔'' مرینہ نے سرگوشی کی۔
''نہیں آج آپ سے کم ہی لگ رہی ہے۔'' مرینہ نے ازیان کی بات پہ توجہ نہ دی، وہ دلہن کی جانب متوجہ تھی جو اب دلہا کا ہاتھ تھامے اسٹیج پہ کھڑی تھی۔ فوٹو گرافر اور مووی میکر کے ساتھ ساتھ کئی لوگ ہاتھوں میں کیمرہ لیے ان کی تصاویر کھینچ رہے تھے، کچھ افراتفری کم ہوئی تو ازیان ہاتھ میں گفٹ تھامے مرینہ اور بچوں کے ساتھ اسٹیج کی جانب بڑھا۔
دلہن دلہا کے ساتھ فیملی فوٹو کھنچوانے کے بعد ازیان مرینہ کو اپنے دوست کا تعارف کروانے لگا مگر وہ تعارف نہیں تھا بلکہ بم تھا جو اس کے سر پہ پھوٹا تھا۔
''مرینہ ان سے ملو یہ ہیں میری بہت اچھی کولیگ ایرج یوسف جو اب ایرج افتخار بن گئی ہیں اور یہ ہیں ان کے شوہر افتخار حسن جو ایرج کے کزن بھی ہیں اور بہت اچھے دوست بھی مگر آج سے دوستی والا چیپٹر تو کلوز ہو گیا۔'' ازیان نے جس شوخ لہجے میں تعارف کروایا

www.zemtime.com

تھا مرینہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایرج کو دیکھتی رہی۔

''ایرج تو ازیان سے..... پھر ایرج نے اپنے کزن سے کیوں شادی کی؟ ازیان اس سب میں اس قدر خوش کیوں ہے، کیا وہ ایرج کو پسند نہیں کرتا تھا؟ ایرج اور ازیان..... نہیں ایرج افتخار.....''

''اب ایسے تو نہ کہیں ناں ازیان بھائی۔ نکاح کے بعد دوستی ختم تو نہیں ہوسکتی ناں۔'' افتخار نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بھئی یہ ہم نہیں ہمارا دس سالہ تجربہ کہہ رہا ہے۔ ابھی تو شروعات ہیں بعد میں پوچھیں گے بچو۔'' ازیان نے افتخار سے افسردہ لہجے میں کہا تو ایرج اور افتخار بھی اس کی بات پہ ہنس دیئے تھے۔

وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے اور مرینہ بس ساتھ دینے کو موجود تھی۔ وہ اسٹیج سے اترے تو وہ بالکل خاموش تھی۔ نہ ہنس رہی تھی نہ مسکرا رہی تھی، نہ ہی ڈھنگ سے کھانا کھایا نہ ازیان سے کوئی بات کی۔ ازیان وجہ جانتا تھا مگر اب بات گھر جا کر ہی ہونی تھی۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

اس نے کمرے میں آتے ہی اپنی جیولری بے دردی سے نوچ کر اتاری تھی۔

''ارے کیا کر رہی ہو میری بات تو سنو۔''

''کیا بات سنو..... ہاں بولیں، میرے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں..... گیم کھیل رہے ہیں، کبھی کہتے ہیں ایرج سے شادی کروں گا کبھی اس کے شوہر سے خوش گپیاں ہو رہی ہیں..... کیا، کیا ہے یہ سب، مجھے اس سارے کھیل میں آپ نے کیوں استعمال کیا؟''

''کیا استعمال کیا تمہارا، بتاؤ..... جواب دو؟''

''میرے وزن کو کم کروانے کے لیے جھوٹ کا سہارا کیوں لیا، ایرج کی تو شادی یہیں ہونی تھی پھر اس کا نام لے کر مجھے کس لیے مشقت پہ مجبور کیوں کیا؟'' وہ سخت برہم ہوئی۔

''اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر بتاؤ کیا وزن کم کرنے سے تمہیں نقصان ہوا؟'' ازیان کے سوال پہ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ دیکھو۔'' اس نے مرینہ کو تھام کر آئینہ کے سامنے کیا۔

''دیکھو کتنی اسمارٹ اور خوب صورت ہوگئی ہو تم۔'' ازیان کی بات سن کر مرینہ نے خود کو دیکھا، وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔

''آؤ ادھر بیٹھو میں تمہیں سب کہانی سناتا ہوں۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پہ بیٹھایا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''پتا ہے یہ کہانی کب شروع ہوئی تھی؟ جب موٹاپے کے باعث میری خالہ کا چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا تھا۔'' مرینہ نے نظر بھر کر ازیان کی جانب دیکھا وہ کتنے سال سے اس کے ساتھ تھی مگر اس کا کبھی ویٹ گین نہیں ہوا تھا۔

''ارے اپنی نہیں اپنے خاندان والوں کی بات کر رہا ہوں۔ میں بھی اگر اپنے کھانے پینے کا خیال نہ رکھوں تو یقیناً میرا حال بھی کچھ مختلف نہ ہوگا۔ بہرحال میں تمہیں خالہ کا بتا رہا تھا جو اپنے وزن کی وجہ سے بہت مشکل میں آگئی تھیں۔ ان کے جوڑوں اور ٹانگوں کا درد انہیں بے حال کر دیتا تھا۔ ڈاکٹر نے انہیں وزن کم کرنے کے متعلق ہدایات دیں مگر وہ کامیاب نہ ہوسکیں۔ خالہ درد سے روتیں تو میں اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے تیل لے کر ان کی ٹانگوں کی مالش کر دیتا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کی ٹانگوں پہ پڑے یہ نیلے اور جامنی دھبے کیسے ہیں؟ کیلسٹرول لیول بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے ان کے دل کی شریانیں بند ہوگئیں اور ان کی ہارٹ اٹیک سے موت ہوگئی تھی۔'' وہ بولتے ہوئے افسردہ ہوا۔

''امی ان سے کافی چھوٹی تھیں، خالہ کی وفات کے بعد امی کافی پریشان رہتی تھیں، ان کی اچانک



www.zemtime.com

موت نے سب کو ہی غم زدہ کر دیا تھا۔ میں بڑا ہوا تو اپنی امی کا بہت خیال رکھتا۔ ان کے کھانے پینے، واک، ورزش سب کی مکمل روٹین تھی مگر میری شادی کے بعد وہ اس سب سے لاپروا ہو گئیں۔ چلنا پھرنا بالکل چھوڑ دیا، بس زیادہ وقت بیٹھ کر ذکر اذکار ہی کرتی رہتی تھیں یا قرآن پاک کی تلاوت کرتیں، تب ہی ان کے بھی پاؤں میں گلٹیاں سی بننے لگیں۔ مستقل پاؤں میں درد رہتا ساتھ ہی تکلیف اور سوجن بھی رہتی۔'' مرینہ نے سر ہلایا، یہ سب اس کے سامنے کا قصہ تھا، اس نے بھی ساس کی مالش کرتے ان کی ٹانگوں پہ نیلے گلابی نشان دیکھے تھے۔

''امی کو بھی بی پی ہائی رہنے لگا تھا ساتھ ڈیپ وین تھرومبوسس کی شکایت بھی تھی پھر ایک روز وہ بہت کوشش کے باوجود اپنے پاؤں پہ کھڑی نہ ہو سکیں اور ہم انہیں فوری طور پہ ہسپتال لے آ گئے تھے، ڈاکٹر ان کا بڑھا ہوا بی پی اور پوری ٹانگ میں جما ہوا خون دیکھ کر بے حد پریشان ہوا تھا۔ یاد ہے ان کی ٹانگ سے بھی جمے ہوئے خون کی صفائی کی گئی تھی اور آپریشن کامیاب بھی رہا تھا مگر جہاں کچھ گھنٹے ہم پرسکون رہے تھے۔ محض چند گھنٹوں بعد ان کے جان لیوا ہارٹ اٹیک کی خبر آ گئی تھی۔ پتا ہے ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟'' وہ رکا تو اس کی آنکھیں نم تھیں۔ مرینہ نے نفی میں سر ہلایا، ساری بھاگ دوڑ تو ازیان ہی کرتا رہا تھا وہ بچوں کے ساتھ کبھی گھر میں ہوتی کبھی انہیں کسی کے حوالے کر کے ہسپتال کا رخ کرتی۔ اس سارے قصے میں اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ انہیں ہارٹ اٹیک کیسے ہوا تھا کیونکہ ان کی وفات کے فوراً بعد تو وہ جنازے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

''جب ان کی ٹانگ سے جمے ہوئے خون کی صفائی کی گئی تو ایک پائپ اندر ڈالا جاتا ہے جس سے صفائی کی جاتی ہے، اس وقت خون کی رفتار کے ساتھ کچھ ذرے خون میں شامل ہو گئے اور یہی ذرے


naeyufaq.com
آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ حجاب کراچی
سلسلہ وار ناول
محبت نفرت کی آمیزش سے مزین ناقابل فراموش کہانیاں
مرگ تمنا
محبت اور تلخ رویے کیسے مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں
مادر اطلحہ کے قلم سے نکلی ایک شاہکار تحریر
عشق نگر کے مسافر
ایک حادثے نے اسے عشق نگر کا مسافر بنا دیا
نداحسنین کی دلکش اور مدتوں یاد رہ جانے والی کہانی
آنگن کی چڑیا
قارئین کے تعارف پر مبنی سلسلہ
عالم میں انتخاب
ہر ماہ ایک شاعر کا انتخاب
اس کے علاوہ
ہر ماہ حجاب کا پیغام اسے منتخب اشعار، غزلیں، اقتباسات اور دیگر قارئین کی دلچسپی کے مدنظر مستقل سلسلے
Info@naeyufaq.com
(021)35620771/2
0300-8264242


www.zemtime.com

ہارٹ اٹیک کا باعث بنے۔ ان ذرات کی وجہ سے برین اسٹروک اور فالج کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔'' مرینہ نے کچھ سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا مگر یہ سب باتیں وہ مرینہ سے کیوں کررہا تھا مرینہ کا اس سے کیا تعلق؟

''میں یہ نہیں کہتا کہ دبلے لوگوں کو بی پی، شوگر یا دل کے امراض نہیں ہوتے مگر ان کی شرح موٹے لوگوں کی نسبت خاصی کم ہے۔ موٹاپا کئی بیماریوں کی آماجگاہ ہے۔ جب پہلی بار میں نے تمہاری ٹانگوں پہ ویسے دھبے دیکھے تو میں ڈر گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جو کچھ پہلے ہوچکا ہے وہی تاریخ پھر دہرائی جائے۔ ٹانگوں میں درد اور سوجن تو تمہیں مستقل رہتی تھی اور جب بھی کام وغیرہ زیادہ ہوتا تو تم ہمیشہ گھٹنوں میں درد کی بھی شکایت کرتیں۔ میں نے کئی بار اظہار کیا کہ تم خود سے اپنا وزن کم کرو، اپنا خیال رکھو، کتنی بار دوائیاں بھی لاکر دیں مگر تم نے کبھی بھی اس مسئلے پہ سنجیدگی سے غور نہیں کیا تب ہی تنگ آکر میں نے اس کا ذکر ایرج سے کردیا تھا اور آگے جو ہوا اس سب سے تم واقف ہو۔ میں تمہارے سامنے اسی سے چیٹ کرتا رہتا، اس دن مال میں جانا اور تمہاری موجودگی کا فائدہ اٹھانا ہمارے منصوبے کا حصہ تھا۔ عورت سب کچھ برداشت کرلیتی ہے مگر اپنی محبت کا بٹوارہ برداشت نہیں کرتی اس لیے مجھے امید تھی تم سوکن سے بچنے کے چکر میں اپنے وزن سے ضرور چھٹکارا پالوگی اور دیکھو میں غلط تو نہ تھا۔ بس تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا اس لیے یہ سنگین قدم اٹھایا، امید ہے تم مجھے معاف کردوگی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''درست کہا آپ نے، شاید میں خود بھی کبھی اندازہ نہ کرپاتی اگر آپ مجھے یہ چیلنج نہ دیتے۔ ہمیں خود بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہم جانے انجانے میں بہت سی بیماریوں کو خود ہی اپنے جسم میں مہمان بنالیتے ہیں۔ بس مجھے یہی لگتا تھا کہ میں جیسی ہوں ویسے ہی خوش ہوں۔ اس وزن کے ساتھ اگر کوئی میری باڈی شیمنگ کررہا ہے تو وہ غلط ہوسکتا ہے میں نہیں۔ کیک کھا کھا کر جہاں میں نے جسم پہ فالتو کی چربی چڑھائی وہیں بیٹھے بیٹھائے کئی اور بیماریوں کو بھی دعوت دے ڈالی اگر آپ مجھے احساس نہ دلاتے تو سچ یہی ہے کہ میں ڈائٹنگ کرنے اور اپنا وزن کم کرنے کی جانب کبھی دھیان نہ دیتی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ وہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر خود سے قریب کرتے بولا۔

''تمہارا بہت شکریہ کہ میری خاطر خود کو اتنا بدل لیا، پتا ہے میرا کیا دل چاہتا ہے؟'' وہ سوالیہ نظروں سے کہتا دھیمے لہجے میں بولا۔

تم کو ہم دل میں بسالیں گے تم آؤ تو سہی
ساری دنیا سے چھپالیں گے تم آؤ تو سہی
ایک وعدہ کرو اب ہم سے نہ بچھڑو گے کبھی
ناز ہم سارے اٹھالیں گے تم آؤ تو سہی
بے وفا بھی ہو ستم گر بھی جفا کش بھی
ہم اپنا تم کو بنالیں گے تم آؤ تو سہی
راہ تاریک ہے اور دور ہے منزل لیکن
محبت کی شمعیں جلالیں گے تم آؤ تو سہی

مرینہ نے کھلکھلاتے ہوئے اپنا سر اس کے کندھے پہ ٹکا دیا تھا۔ ازیان کے چہرے پہ ڈھیروں اطمینان اتر آیا تھا۔ اس کی محنت رائیگاں نہ گئی تھی۔

www.naeyufaq.com

www.zemtime.com

# اعلیٰ ظرفی

## شاہدہ ذاکر

پیغام صبا لائی ہے گلزار نبی سے
آیا ہے بلاوا مجھے دربار نبی سے

کلام پاک کی تلاوت کرتے ہوئے یہ روح پرور الفاظ ان کی سماعت کا حصہ بنے تو ان کی پلکیں نم ہو گئیں، دربار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری ہی تو ان کی اولین خواہش اور دلی آرزو تھی۔ بے ساختہ ان کی نظریں آسمان کی جانب اٹھیں اور انہوں نے خاموشی کی زبان میں اپنی عرضی مالک دو جہاں کے حضور پیش کر دی۔

"پھوپو! امی آپ کو کچن میں بلا رہی ہیں۔" ثمرہ کی آواز پر انہوں نے قرآن پاک کو چوم کر غلاف میں لپیٹا اور شیلف پر رکھ کر ثمرہ کے ساتھ چل دیں۔

نام تو ان کا روشن آرا تھا لیکن زیست کا سفر روشنیوں اور خوشیوں کے برعکس زیادہ تر غموں کے اندھیروں میں بسر ہوا، شعور کی دنیا میں قدم رکھتے ہی یتیمی اور مفلسی کو دیکھا۔ والدہ دن رات مشین پہ کپڑے سیتی تو دونوں ماں بیٹی کے لیے بہ مشکل دو وقت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کپڑا نصیب ہوتا۔ سر چھپانے کو جو ایک چھوٹا سا کمرہ، برائے نام کچن اور واش روم پر مشتمل ٹھکانہ میسر تھا اس کا کرایہ بروقت ادا کرنا ہوتا تھا۔ رشتوں کے معاملے میں بھی وہ مفلس ہی ثابت ہوئیں۔ ددھیال نے تو کبھی پلٹ کر خبر ہی نہ لی البتہ والدہ کی ایک بہن تھیں نجمہ خالہ جو دوسرے شہر میں اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ رہتی تھیں۔ دلی محبت اور شدید خواہش کے باوجود بھی دونوں بہنیں کبھی عید، بڑی عید پر ہی مل پاتیں کیونکہ دونوں ہی اپنی اپنی زندگی میں بے حد مصروف تھیں۔ خالہ کی دونوں بیٹیاں روشن آرا کی تقریباً ہم عمر تھیں جب کہ ان کا بیٹا سمیع اللہ چھ سال کا تھا۔ اپنے حالت زندگی کو دیکھتے ہوئے روشن آرا کے بہت بلند عزائم تھے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اور اپنی والدہ کو دنیا کی ہر خوشی اور سہولت فراہم کرنا ان کا خواب تھا لیکن میٹرک کرتے ہی امی نے ان کے لیے دن رات رشتے کی تلاش شروع کر دی۔ وہ چاہتی تھیں کہ جلد از جلد

www.zemtime.com

اپنے فرض سے سبکدوش ہوجائیں اور اپنی زندگی میں انہیں اپنے گھر میں ہنستا بستا دیکھ لیں۔ لہٰذا ان کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے پرائیویٹ انٹر کروا کے سادگی سے ہم پلہ خاندان میں ان کی شادی کردی۔

روشن آرا کی شادی کے تین ماہ بعد ہی وہ معمولی بخار کے بعد خالق حقیقی سے جاملیں۔ اس ناگہانی صدمے نے انہیں غم سے نڈھال کردیا۔ میکے میں ماں کے سوا ان کا تھا ہی کون۔ فاروق ان کا شوہر نہ صرف نکما اور ہڈحرام تھا بلکہ نشے کا عادی بھی تھا چار دن بھی کہیں ٹک کر کام نہ کرتا تھا اور کسی نہ کسی بہانے لڑ جھگڑ کر نوکری چھوڑ آتا یا پھر کسی نہ کسی غلطی کی بنا پر نکال دیا جاتا تھا۔ شوہر کی عدم توجہی کی وجہ سے ساس نندوں نے بھی روشن آرا کو ملازمہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ صبح سے لے کر رات تک مسلسل کام لینے کے باوجود طعنوں تشنوں سے کلیجہ چھلنی کرتی تھیں، میکے میں کون تھا جو خبر گیری کرنے آتا۔ شوہر سے تو ہمدردی کی توقع ہی عبث تھی۔ دن بھر نشے میں پڑا رہتا، شدید نشے کی طلب اسے روشن آرا سے پیسے مانگنے پر مجبور کردیتی اور نہ ملنے پر گالی گلوچ اور مار پیٹ پر اتر آتا، گھر والے محض خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتے۔

گزرتے وقت کے ساتھ روشن آرا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا گیا۔ ایک دن ایسے ہی جھگڑے میں جب فاروق نے ان پر ہاتھ اٹھانا چاہا تو انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا۔ روشن آرا کی اس جرأت نے اسے چراغ پا کردیا۔ اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے اس نے پوری طاقت سے روشن آرا کو دھکا دیا لیکن نشے نے اسے اندر سے کھوکھلا کردیا تھا لہٰذا وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پیچھے کی جانب گرا جہاں اس کا سر میز کے کونے سے ٹکرایا اور لمحوں میں اس کا چہرہ لہولہان ہوگیا۔ بہتے خون نے اسے پاگل کردیا اور وہیں کھڑے کھڑے تین الفاظ نے دونوں کے مابین ہر تعلق ختم کردیا۔ روشن آرا خالہ نجمہ کے گھر آگئی تھیں۔

"خالہ یہ کیا ہوگیا، امی بھی مجھے دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ میرا تو کوئی ٹھکانہ بھی نہیں تھا، اب میں کہاں جاؤں گی۔" روشن آرا ان کی گلے لگی زار و قطار رو رہی تھیں، خالہ نجمہ دھیرے دھیرے ان کو تسلی دیتی رہیں۔

خالہ نجمہ کا گھر ہی روشن آرا کا مستقل ٹھکانہ بن گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ وقت ہر زخم کا مرہم ہے۔ گزرتے وقت نے جب صدمے کی شدت کو قدرے کم کیا تو روشن آرا کو اپنے مستقبل کی فکر ہوئی۔ خالہ نجمہ کے گھر کمانے والا ایک تھا اور کھانے والے چھ۔ خالہ اپنی دونوں بیٹیاں بیاہ چکی تھیں۔ گھر میں سمیع اللہ، اس کی بیوی، تین بچے اور خالہ کھینچ تان کر سمیع اللہ کی تنخواہ میں گزارا کررہے تھے۔ اس مہنگائی کے دور میں ایک اور فرد کا اضافی بڑھ گیا تھا۔ خالہ تو مرحومہ بہن کی مروت میں اسے رکھ لیتی لیکن باقی سب اس کو برداشت نہ کرتے لہٰذا کچھ عرصے بعد لہجوں کو بے مروت اور زبانوں کو بے لگام ہونے سے روکنا مشکل ہوجاتا..... روشن آرا نے عدت کے دوران خاموشی سے حالات کا جائزہ لیا تو ایک خوب صورت، جوان، طلاق یافتہ عورت کا ایسے معاشرے میں جہاں قدم قدم پر بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے ہوں تنہا رہنا ناممکن لگا، خالہ کی اجازت سے انہوں نے ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں گھر کا فالتو سامان پڑا تھا، قدرے صاف کرکے ایک طرف اپنا بستر لگالیا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی تعلیم کو بروئے کار لاکر ایک قریبی پرائیویٹ اسکول میں نوکری شروع کردی۔ جب پہلی تنخواہ ملی تو ذاتی اخراجات کے لیے معمولی سی رقم رکھ کر باقی پیسے خالہ کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا تھا۔

"تم میری رفعت کی واحد نشانی ہو۔ میری بیٹی ہو، مجھ پر بوجھ نہیں ہو، میں یہ ہرگز نہیں لے سکتی۔" انہوں نے پیسے واپس کرنے چاہے تو روشن آرا نے ان کی مٹھی بند کرکے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

"آپ میری خالہ نہیں ماں ہیں، اسی لیے تو میں پریشانی میں بنا سوچے سمجھے آپ کے پاس چلی آئی، میں یہ جاب مجبوری میں نہیں کررہی بلکہ فالتو بیٹھ کر پریشان ہونے سے بچنے کے لیے کررہی ہوں اور یہ تو میرے پیارے پیارے بچوں کے تحفے کے لیے ہیں، آپ کو تھوڑی دے رہی ہوں۔" یوں اپنی دانش مندی سے روشن آرا نے اپنے لیے نہ صرف ایک محفوظ پناہ گاہ حاصل کرلی بلکہ اپنی خودداری اور عزت نفس کو بھی بچالیا تھا۔

اسکول سے وہ تھکی ہاری گھر آتیں، تھوڑی دیر آرام کرکے شام کا وقت دردانہ بھابی کے ساتھ گھر کے کاموں میں مدد کرکے گزارتیں اور باقی وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتیں۔ انہوں نے اللہ سے لو لگالی تو دنیاوی پریشانیوں نے ان کو تنگ کرنا چھوڑ دیا، زندگی کی گاڑی خاموشی سے چلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے دس برس کا عرصہ بیت گیا۔ اس دوران کئی ہاتھ



www.zemtime.com

ان کی رفاقت کی خواہش لیے ان کی جانب بڑھے لیکن پہلا تجربہ اس قدر تلخ ثابت ہوا تھا کہ دوسرا کرنے کی وہ خود میں ہمت نہ کرسکیں۔

پرسکون زندگی کی جھیل میں پہلا پتھر خالہ کی وفات سے پڑا اور پھر تو پتھروں کا کوئی شمار ہی نہ رہا۔ خالہ جنہوں نے اسے ماں کی طرح سنبھالا ہوا تھا ان کی جدائی ہی اس کے لیے سوہان روح تھی کجا کہ گھر والوں کا بدلتا رویہ۔ تب اسے ادراک ہوا کہ خالہ تو ایک سائبان کی طرح تھیں جنہوں نے اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ اسے تو صرف خالہ کی مروت میں برداشت کیا جاتا تھا ورنہ اس کا تو گھر میں کوئی مقام ہی نہ تھا۔ دردانہ بھابی تو شروع سے ہی اسے مستقل رکھنے کے حق میں نہ تھیں لیکن ساس سے اختلاف کی جرأت نہ کرپائی تھیں۔ اب جو انہیں گھر میں آزادی اور خودمختاری کا موقع ملا تو اپنا اصلی روپ دکھانے میں انہوں نے دیر نہ کی۔ سمیع اللہ ان کی عزت کرتے تھے مگر وہ صبح کے گئے رات کو دیر سے گھر لوٹتے اور انہیں علم ہی نہ ہوتا کہ دن بھر سب کا رویہ روشن آرا کے ساتھ کیسا رہتا ہے۔ بھابی کی زبان کے تیر اور بچوں کے بے اعتنائی انہیں کچوکے لگاتی رہتی تھیں۔

"ہماری ہمت ہے جو ہم نے عمر بھر کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے ورنہ آج کل تو کوئی سگی بیٹیوں کو نہیں رکھتا۔" بھابی ہر آئے گئے سے کہتیں تو ان کا دل کٹ جاتا۔ وہ تو شروع سے ہی نہ صرف اپنا خرچا خود اٹھا رہی تھیں بلکہ گھر کے کاموں میں بھی بھرپور مدد کرتیں لیکن اس کا کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ وہ چھوٹا سا اسٹور نما کمرہ جو ان کے استعمال میں تھا اس پر بھی ان کو اتنا کچھ سننا پڑتا کہ انہوں نے راہداری میں اپنا بستر لگالیا تھا۔ سمیع اللہ کے استفسار پر انہوں نے کہہ دیا کہ انہیں کمرے میں گھٹن اور گرمی محسوس ہوتی ہے تو وہ بھی ان کی مرضی سمجھ کر خاموش ہوگئے تھے۔

اسکول کی نوکری ان کی گھٹن زدہ زندگی میں تازہ ہوا کا جھونکا تھی جہاں اپنی کہہ کر اور دوسروں کی سن کر وہ دل کا بوجھ ہلکا کرلیتیں۔ اپنی خوش اخلاقی، ان تھک محنت اور بچوں سے محبت کے باعث وہ اساتذہ اور بچوں میں یکساں مقبول تھیں۔ مس جمیلہ جنہوں نے ان کے ساتھ ہی ملازمت شروع کی تھی گزرتے برسوں میں روشن آرا کے لیے دوست سے بڑھ کر بہن بن چکی تھیں۔ ان کی زندگی کا کوئی باب ایک دوسرے سے


naeyufaq.com

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے نکل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)

Info@naeyufaq.com

0300-8264242


www.zemtime.com

پوشیدہ نہیں تھا۔ روشن آرا ہر چھوٹی بڑی بات ان کے گوش گزار کرتیں اور وہ بھی ایک بڑی بہن کی طرح پوری ہمدردی اور توجہ سے ان مسائل کو حل کرنے میں مدد کرتیں۔ یہ ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ روشن آرا نہ صرف ڈٹ کر زندگی کا مقابلہ کررہی تھیں بلکہ پرائیویٹ گریجویشن بھی کرچکی تھیں جس سے ان کو ملازمت میں بھی ترقی مل گئی تھی۔

مکہ، مدینہ کی حاضری اور مقدس مقامات کی زیارت روشن آرا کی دیرینہ خواہش تھی جو وسائل کی کمی کے باعث ابھی تک پوری نہ ہوئی تھی۔ گزرتے وقت نے ہوا دے کر اس ننھی سی چنگاری کو بھڑکا کر شعلہ بنادیا تھا، اب تو اٹھتے بیٹھتے وہ اللہ سے یہی دعا کرتیں کہ ایک بار انہیں اپنے گھر کا دیدار کرادے۔

جمیلہ آپا کی فیملی نے رمضان میں عمرے کا پروگرام بنایا تو روشن کی دلی مراد بر آئی۔ روشن نے بھی ان کے ساتھ جانے کا قصد کیا اور اس مقدس سفر کے اخراجات کے لیے انہوں نے الگ سے کمیٹی ڈال لی جس کی ادائیگی کے لیے وہ شام کے اوقات میں ٹیوشن پڑھانے لگیں کیونکہ اپنی تنخواہ تو وہ تقریباً پوری بھابی کے حوالے کردیتی تھیں، تب انہیں مجبوراً گھر میں برداشت کیا جاتا تھا ورنہ تو شاید سامان سمیت اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا۔ عمرے کی لگن انہیں ان تھک محنت کا حوصلہ دیتی ورنہ اسکول، ٹیوشن اور گھر کے کاموں سے رات تک وہ تھکن سے نڈھال ہوجاتیں۔ گھر میں تو ان کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ چبھتی نظریں اور طنزیہ جملے ان کی تمام تر محنت کا صلہ تھے۔ سمیع اللہ بھائی بھی گھر کے سکون کی خاطر قصداً خاموش رہتے۔

اللہ اللہ کرکے روشن کا انتظار ختم ہوا اور روانگی کا وقت قریب آیا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ عمرے کے تمام انتظامات جمیلہ آپا کے شوہر نے کیے روشن کو تو ان معاملات کی کچھ خبر ہی نہ تھی۔ انہوں نے تو بس اپنی تیاری مکمل کی، کمیٹی بھی ان کو حسب وعدہ مل چکی تھی اب تو فقط اپنے حصے کی رقم ادا کرنا باقی تھا جس کے چند روز بعد وہ اللہ کے گھر میں موجود ہوتیں۔ انہیں تو اپنی خوش نصیبی پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

ایسے میں سمیع اللہ بھائی کے ایکسیڈنٹ کی خبر نے ان کی خوشیوں کے محل کو مسمار کردیا۔ انتہائی پریشانی کے عالم میں بھاگم بھاگ وہ ہسپتال پہنچیں تو وہاں کے حالات نے انہیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔ ڈیوٹی سے واپسی پر غلط سمت سے آنے والی کار نے ان کی بائیک کو ٹکر مار کر گرایا تو تیز رفتار بس نے ان کی ٹانگ کو کچل دیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ان کی جان بچانے کے لیے فوری آپریشن کا کہا تھا اور بھابی سکتے کے عالم میں چند ہزار مٹھی میں دبائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا شوہر کو دیکھ رہی تھیں، بچے بھی سہمے ہوئے ان سے چپکے کھڑے تھے۔

روشن آرا نے بڑھ کر انہیں گلے لگایا تو وہ بے دم ہوکر ان کے بازوؤں میں جھول گئیں۔ روشن آرا کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بچے بھی ماں کی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے تھے۔ روشن آرا نے انہیں بٹھا کر پانی پلایا اور دلاسا دیا لیکن وہ خود بے حد پریشان ہوگئی تھیں۔ گھر کے سربراہ کی زندگی داؤ پر لگی تھی جس کے بعد بیوی بچوں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔ عزیز واقارب میں بھی کوئی اتنا صاحب حیثیت نہ تھا جو اس مشکل کی گھڑی میں دادرسی کرتا۔ وقت نے روشن آرا کو ایک امتحان میں ڈال دیا تھا، ایک طرف بھائی کی زندگی کا سوال تھا اور دوسری طرف ان کی عمر بھر کی خواہش تھی جو طویل انتظار اور ان تھک محنت کے بعد پایہ تکمیل تک پہنچنے والی تھی۔

سوچنے کا تو وقت ہی نہ تھا حالات فوری فیصلے کے متقاضی تھے۔ وسعت قلبی اور خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی خواہش کو پس پشت ڈال دیا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ حقوق اللہ کی تو معافی ہے لیکن حقوق العباد کی کوئی معافی نہیں اور وہ خود ہی تو بچوں کو پڑھاتی تھیں۔

"اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔" تو وہ اس موقع پر اپنے فرض سے کیونکر نظریں چراتیں، عمرہ تو اللہ کے حکم سے وہ بعد میں بھی کرسکتی تھیں لیکن اگر اس مشکل وقت میں وہ اس دکھی گھرانے کے لیے امید کی کرن نہ بنتیں تو شاید پچھتاوا تاعمر ان کا پیچھا کرتا، جب انہوں نے اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی لاکر بھابی کے حوالے کی تو اپنے گزشتہ رویے پر ندامت اور روشن آرا کی اعلیٰ ظرفی نے انہیں گنگ کردیا اور وہ آنکھوں میں نرمی لیے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئیں۔ روشن آرا نے ان کے ہاتھ کھول کر انہیں گلے سے لگالیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے دور افق سے خالہ انہیں نہایت محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی ہوں۔

www.naeyufaq.com

www.zemtime.com

# ایک مکمل ایک زندگی

عالیہ شمیم

بیگم ضیاء کی احتیاط پسندی میں کسی کو شک نہ تھا حتیٰ کہ اپنی وہمی طبیعت کی بناء پر ان دواؤں کو بھی پھینک دیا کرتیں تھیں جن کی ایکسپائری ڈیٹ میں ابھی پندرہ دن باقی رہتے ہوں کہ ایسا نہ ہو کوئی دیکھے بغیر کھالے اور بیمار پڑ جائے۔ اصل مشکل تو اس وقت ان کے بچوں کو محسوس ہوتی جب فرمائشی طور پر پکوائی گئی چائنیز کی ڈش سامنے آتی اور اس کے ساتھ ہی بیگم ضیاء کی عقابی نظریں شروع ہو جاتیں۔

''اس میں سرکہ ہے، اس کے ساتھ کولڈ ڈرنک نہ استعمال کرو، نری فریش کریم ہوتی ہے۔ اوہوں یہ آئس کریم کیوں منگوالی سرکہ کے ساتھ دودھ اور اس کی بنی ہوئی چیز کا استعمال کرنا مضر صحت ہے۔'' حد تو یہ کہ عرفان نے اس دن چائے بنوا کر پی اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد جب گرم گرم چکن کارن سوپ حنا نے سرو کرنا چاہا تو بیگم ضیاء بول اٹھیں۔

''نہیں عرفان کو تو مت دو ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی تو چائے پی ہے اور یہ بغیر سوس ڈالے نہیں لے گا جبکہ اس کے ساتھ تو تم نے ہری مرچوں والا سرکہ بھی علیحدہ سے رکھا ہے۔'' انہوں نے سرکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہو امی! تو کیا ہوا کون سا چائے میں پیالی بھر کر دودھ شامل تھا۔'' بے زاری و جھنجلاہٹ عرفان کے لہجے سے ہویدا تھی۔

''نہ بیٹا میں رسک نہیں لے سکتی۔ پیالی بھر نہ سہی چمچے بھر تو دودھ تھا ناں اور دودھ اور سرکہ کا ایک ساتھ استعمال مضر صحت ہے۔'' جتنی جھنجلاہٹ سے سوال کیا گیا تھا اتنے ہی آرام سے بیگم ضیاء کہہ کر خاموش ہو گئیں تھیں اور ان خاموش نظروں میں چھپی تنبیہ حنا کو سوپ واپس لے جانے میں مجبور کر گئی تھی۔ گو دل میں وہ بے انتہا بدمزہ ہو چکی تھی۔ حنا کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر عرفان خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے کچن تک آیا تھا۔

''اوہوں اپنی آنکھوں پر اتنا ظلم نہ کرنا، تمہیں پتا ہے ناں کہ مجھے یہ بہت پسند ہیں۔'' عرفان نے جان بوجھ کر مسخرے لہجے میں حنا سے کہا جس کی ڈبڈباتی آنکھوں سے بس آنسو نکلنے کو تیار تھے۔ جواب میں حنا کچھ نہیں بولی بس خاموشی کے ساتھ ٹرے خالی کر کے دوپہر کا پکایا ہوا مٹر قیمہ گرم کر کے رکھنے لگی۔

''نا بھئی مجھے یہ نہیں کھانا، میں ایک گھنٹہ مزید انتظار کرلوں گا مگر اپنی بیگم کے خوب صورت ہاتھوں سے پکایا ہوا سوپ ہی پیوں گا پھر کچھ گنجائش بنے گی تو کھانے کو چکھ لیا جائے گا۔'' عرفان کا انداز اب شاہانہ تھا۔

''جب تک تو یہ ٹھنڈا بھی ہو جائے گا اور وہ مزہ نہیں رہے گا آپ کو پتا تھا ناں کہ آج میں نے یہ بنانا ہے تب پھر چائے نہیں پینی تھی۔ اس قدر چائے کے رسیا ہیں، منٹ منٹ میں آپ کو چائے پینی ہوتی ہے۔'' حنا بول پڑی۔

''ارے تو کیا ہوا۔ مائیکرو اوون سلامت۔ کون سا اتنا مزہ بدل جائے گا۔ کہا ناں کہ پی لوں گا اس میں دل چھوٹا کرنے کی کون سی بات ہے۔ اب اگر امی کچھ کہتی ہیں تو یہ ان کی محبت ہی تو ہے۔ چلو اب اپنا موڈ ٹھیک کرو۔'' عرفان نے کہا۔

''ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو۔'' بیگم ضیاء کی پریشان کن چیخ پر چکن دھوتی حنا اچھل پڑی۔

''کچھ نہیں امی سوئٹ اینڈ ساور چکن بناؤں گی اس کے لیے مرغی دھو رہی ہوں۔'' حنا کا لہجہ حیرت زدہ ہوا۔

''ارے وہ تو میں بھی سمجھ گئی ہوں معلوم ہے مجھے چائنیز بنانے کا جنون ہے تم کو تو مگر کیا تم دنیا جہاں سے بے خبر ہو۔ ٹی وی پکار پکار کر برڈ فلو کا شکار لوگوں کی حالت زار بتا رہا ہے۔ اخبارات کے صفحے کے صفحے سیاہ ہو رہے ہیں اور تم لوگ اپنی دنیا میں مگن ہو۔'' بیگم ضیاء غصے سے بولیں۔

''تو مما برڈ فلو کی خبر تو ابھی حال ہی میں آئی ہے اور یہ چکن تو میں نے فریزر سے نکالا ہے جو غالباً آٹھ دن پہلے کی آئی ہوئی ہے۔''

''ہاں شروع کر دو اب بحث کرنا، حجت کرنا تو کوئی تم سے سیکھے بے شک ہفتہ بھر پہلے کی گروسری کے سامان کے ساتھ چکن بھی لی گئی تھی مگر اخبار میں تو اس وقت خبر آئی ہے ناں جب لوگ برڈ فلو کا شکار ہو چکے تو کون جانے یہ کب کا پھیلا ہوا ہو اور یہ چکن بھی تبھی کی ہو۔'' بیگم ضیاء اپنی وہمی طبیعت کی وجہ سے مجبور تھیں۔

www.zemtime.com

"تو اب کیا کروں؟" حنا حسرت سے دھلی ہوئی چکن کو دیکھ کر بولی۔ اب تو یہ بس آخری ہی پیس رہ گیا تھا وہ اس کو بھی چھلنی پر رکھتے ہوئے بولی۔

"اب کیا کروں؟"

"ارے بتا تو رہی ہوں کہ خبر ہم نے دیر سے پڑھی ہے اور یہ چکن جبھی کی ہوگی بہرحال اسے ضائع کردو اور اب چکن نہیں پکے گی اس کے علاوہ جو دل چاہے پکالوں۔" وہ حکمیہ لہجے میں کچن سے کہتی باہر چلی گئیں۔

"ہونہہ جو دل چاہے پکالوں اور یہ ضائع کردوں۔ جیسے معلوم نہیں ہے کہ علاوہ چکن کے یہ لوگ کیا مٹن اور بیف کھاتے ہیں۔" وہ اب غصے خفت و پریشانی سے بڑبڑا رہی تھی۔

"اب کیا پکاؤں، شیراز کیا کھائے گا؟ وہ تو کسی بھی ایسی ڈش کو ہاتھ تک نہیں لگاتا جس میں چکن نہ ہو۔ اس کو اب اپنے نو سالہ بیٹے کی فکر ستانے لگی تھی۔ حد ہوگئی وہم کی، اب کیا برڈ فلو کے جراثیم آٹھ دن پہلے کی کئی ہوئی فریز ہوئی مرغی تک میں بھی آگئے۔ جراثیم نہ ہوگئے ہوا میں چھپے ذرات ہوگئے۔" الٹی سیدھی سوچیں اب اس کے دماغ میں آنے لگی تھیں جب ہی "مما" کی تیز پکار پر وہ باہر نکلی۔ شیراز ہاتھ میں رزلٹ کارڈ لیے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس سے لپٹ گیا تھا۔

"دیکھ لیں اے ون گریڈ آیا ہے اور اسی خوشی میں آج پیزا ہٹ جانے کا پروگرام ڈن، کیوں ٹھیک ہے ناں؟" حنا کی اپنی طبیعت بہت مکدر ہو رہی تھی مگر بیٹے کی خوشی کو دیکھتے ہوتے وہ زبردستی کی مسکراہٹ سے اثبات میں سر ہلا بیٹھی۔

"کوئی کہیں نہیں جائے گا۔" لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی بیگم ضیاء کی کڑک دار آواز پر جیسے وہ دونوں ماں بیٹا چونکے تھے۔

"کیوں دادی..... کیوں نہیں جائیں گے؟ آپ بھی چلیے گا ناں، اتنا اچھا تو میرا رزلٹ آیا ہے۔" اب شیراز ماں کو چھوڑ کر دادی کی جانب لپکا۔

"میں اس لیے منع کر رہی ہوں کہ تم یا تو چائنیز کے دیوانے ہو یا پیزا کے اور یہ دونوں جگہوں پر کچھ عرصے اس لیے نہیں جانا کہ ان ڈشز میں زیادہ تر مرغی کا گوشت استعمال ہوتا ہے۔" بیگم ضیاء اب شیراز کے گالوں کو چومتے ہوئے بولیں۔

"تو کیا ہوا اگر چکن استعمال ہوتی ہے۔ مجھے تو بہت پسند ہے ناں۔"

"وہ اس لیے بیٹا کہ مرغیاں بیمار ہوگئی ہیں اور ان کو کچھ عرصہ تک کھانا نہیں ہے۔" بیگم ضیاء نے پوتے کو پیار سے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"مگر دادی ابھی بقرعید سے ایک دن پہلے جب میرا بکرا بیمار ہوگیا تھا تو اس کو تو آپ نے کٹوا دیا تھا۔ وہ بھی تو ہم نے کھایا تھا پھر یہ کیوں نہیں کھا سکتے۔" الجھن آمیز لہجہ میں شیراز نے کہا۔

"بالکل ہی ماں پر گیا ہے۔ ہر بات میں حجت اگر مگر بس کہہ دیا ناں کہ نہیں تو نہیں۔ اگر کچھ دن چکن نہیں کھائی گئی تو کیا آفت آجائے گی۔" اب بیگم ضیاء پوری طرح غصے میں آچکی تھیں۔ ان کے غصے سے شیراز خائف ہوکر منہ بسورتا کمرے میں چلا گیا اور اس کے پیچھے پیچھے حنا فرنچ فرائز اور نوڈلز لے کر چلی آئی تاکہ شیراز کے خراب موڈ کو ٹھیک کرسکے۔ آج عرفان کو بہت دیر ہوگئی تھی۔

"اللہ خیر کرے۔" بیگم ضیاء نے فکرمندی سے حنا سے کہا جو لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

"سوری امی۔ وہ مجھے آپ سے کہنا یاد نہیں رہا۔ یہ کہہ کر گئے تھے آج دیر سے آئیں گے۔" حنا نے معذرت بھرے لہجے میں ساس کو جواب دیا۔

"خیریت..... دیر سے کیوں آئے گا؟" بیگم ضیاء نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ان کے کوئی دوست ہیں جس نے قرآن ترجمہ کی کلاس جوائن کی ہے تو یہ بھی جایا کریں گے۔"

"کیا روزانہ جائے گا؟" بیگم ضیاء نے پوچھا۔

"نہیں روز تو نہیں ہے ہاں ہفتہ میں چار دن ہے۔" حنا نے جواب دیا۔

"لو یہ نیا مشغلہ اس لڑکے کو بھی نئی نئی دلچسپیاں پالنے کا شوق ہے۔" بیگم ضیاء نے آہستہ آواز میں جیسے اپنے آپ سے کہا اور اندر کمرے میں چلی گئیں۔

"حنا..... حنا پلیز دو کپ چائے تو بنا دو۔" عرفان کی آواز پر حنا جھنجلائی۔

"اللہ کیا ہے آپ کو دو منٹ تو چین سے بیٹھنے دیا



www.zemtime.com

کریں۔ ابھی تو سب کچھ سمیٹ کر آئی تھی کہ اپنا یہ کام کرلوں گی اب پھر کچن میں گھس جاؤں۔" وہ اب بڑبڑائی۔

"اوہو۔ کتنی دیر لگتی ہے چائے بنانی ہے کوئی پائے تو نہیں گلانے اور ویسے بھی آخر ایسا کون سا کام ہے جس کے نہ ہونے کا اتنا غصہ ہے۔" وہ نزدیک آیا۔

"کام تو کچھ ایسا خاص نہیں بس آپی کے یہاں شادی میں بنانے کے لیے کپڑے سوچ رہی تھی۔" وہ ہاتھ سے میگزین رکھتے ہوئے بولی جس میں سے وہ اپنے نئے بنائے جانے والے سوٹوں کے لیے ڈیزائن منتخب کررہی تھی۔

"چلیں آپ جائیں اپنے دوست کے پاس بیٹھیں میں چائے بھجوادیتی ہوں۔" کچن کی جانب بڑھتے ہوتے حنا نے کہا۔

عرفان وہیں کھڑا کچھ دیر تک حنا کے اس شوق کے متعلق سوچتا رہا وہ اس کو بہت عزیز تھی اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کپڑوں اور پھر ان کی تراش خراش کے معاملے میں کتنی شدت پسند ہے اور پھر سر جھٹک کر اندر موجود نعمان کے پاس چلا گیا جس کے ساتھ اس نے چند دن پیشتر قرآنی کلاس جوائن کی تھی۔

"حنا آپی کے یہاں شادی کس تاریخ کو ہے؟" عرفان نے لان میں چائے پیتے ہوتے پوچھا۔

وہ اس دن آفس سے جلدی آگیا تھا اور چونکہ موسم بہت اچھا ہورہا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی نے موسم کی خوشگوار ریت میں مزید اضافہ کردیا تھا تو عرفان نے حنا کو لان ہی میں نہیں چائے لگانے کا کہہ دیا تھا۔

"ارے آپ بھول گئے؟" حنا جوش سے بولی۔ "اگلے ماہ کی پچیس کو نیہا کی رخصتی ہوجائے گی اور خوب ہلا گلا ہوگا مہندی، میوزیکل پروگرام پورے سات دن تک روزانہ جانا ہوگا۔ جبھی تو کپڑوں کی فکر ستا رہی تھی۔ کام والے بھی ایک ماہ سے کم میں آرڈر پورا نہیں کرتے۔" یہ حنا کا من پسند موضوع تھا جس پر وہ بلا تکان بول سکتی تھی۔

"سنیں آپ کو کیا ہوا ہے؟" وہ بولتے ہوئے عرفان کو دیکھ کر چونکی جو انتہائی خاموشی سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں تم کو بولتا دیکھ رہا تھا۔ بولتی ہوئی اچھی لگتی ہو ناں۔" عرفان دھیمے لہجے میں کہا۔

"نہیں مجھے کچھ محسوس سا ہورہا ہے جیسے آپ کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔ کیا بات ہے، کافی دن سے میں آپ کو دیکھ رہی ہوں پہلے جیسی بات ہی نہیں رہی۔" اب حنا بھی سنجیدہ ہوگئی تھی۔

"کیا محسوس کررہی ہو؟ کیا چینج آگیا ہے بتاؤ۔" عرفان نے کہا۔

"یہی کہ اب آپ نے فرمائشیں کرنا چھوڑ دی ہیں، چلو وہ تو برڈ فلو کی وجہ سے چکن کھانے پر پابندی لگ گئی تو اس کی وجہ تو میں یہی سمجھی مگر اب آپ رات گئے تک ٹی وی بھی نہیں دیکھتے، موویز بھی دیکھنی چھوڑ دی ہیں، کتنے دن ہوگئے ہم لوگ باہر کھانے بھی نہیں گئے، حتیٰ کہ ابھی ویلنٹائن ڈے بھی ایسے ہی گزر گیا، نہ تو آپ نے وش کیا اور نہ ہی کہیں باہر لے کر گئے۔" حنا نے گویا شکایتوں کا دفتر کھول دیا تھا۔

"تو ان سب سے تم نے یہ سمجھ لیا کہ میں بدل گیا ہوں یا میرے اندر اب تمہارے لیے پہلے جیسے احساسات نہیں رہے، نہیں ایسا نہیں ہے۔"

"اچھا اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر بتائیں یہ اتنی آدم بیزاری کیوں ہوگئی ہے۔" حنا نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بھئی تم صرف اس بات پر غصہ ہورہی ہو ناں کہ تم کو اتنے دنوں سے وقت نہیں دیا تو چلو آج تمہیں شاپنگ کرالاتے ہیں مگر یہ ذہن میں رہے کہ ہم دونوں "میاں بیوی" کے درمیان کسی "ویلنٹائن ڈے" جیسی مخصوص دنوں کی رسم نہیں ہے جب چاہیں جیسے چاہیں ایک دوسرے کے لیے نہ صرف وقت نکال سکتے ہیں بلکہ پھول، گفٹ سب کچھ دے سکتے ہیں۔ یہ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں تھا جس پر موڈ خراب کرلیا جائے کہ جی ویلنٹائن ڈے ایسے ہی گزر گیا اور کچھ نہیں دیا۔" وہ حنا کی نقل اتارتا ہوا بولا۔

اتنے دنوں کے بعد عرفان کی مخصوص شرارت والے لہجے کی کھنک کو دیکھ کر حنا نے مزید بات کرنی مناسب نہیں سمجھی اور چپ کرگئی حالانکہ اس کو یہ سن کر کافی اچھنبا ہوا تھا کیونکہ عرفان تو ان تمام دنوں کا دیوانہ تھا۔ شادی کو گیارہ سال گزر گئے تھے اور اتنے عرصے میں ایسا کم ہی ہوا تھا کہ ان دونوں نے ویلنٹائن ڈے پر آپس میں ایک دوسرے کو وش نہ کیا ہو اور عرفان تو اس دن خصوصیت سے اس کے لیے

www.zemtime.com

خوب صورت گلابوں کے گجرے بنوا کر لاتا تھا اور اس بار حنا انتظار ہی کرتی رہ گئی تھی اور عرفان حسب معمول ترجمہ کی کلاس اٹینڈ کرنے چلا گیا تھا اور بات چونکہ قرآنی ترجمہ کی تھی اس لیے حنا نے چاہتے ہوئے بھی شکوہ نہیں کیا تھا۔

''اوہ بھئی کن سوچوں میں گم ہو، اس سے پہلے کہ مابدولت کا ارادہ بدل جائے چلنا ہے یا نہیں۔'' عرفان کی آواز پر حنا اپنی سوچوں سے چونکی اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سنو.....سر تو ڈھانپ لو۔''

''ہیں.....آپ کو کیا ہوا؟'' حنا نے عرفان کی بات سن کر حیرت سے کہا۔

''کچھ نہیں میں کہہ رہا تھا باہر چل رہی ہو یا تو سر پر دوپٹہ لے لو ورنہ یہ پھسلتا رہے گا تو کوئی بڑی چادر اوڑھ لو۔'' عرفان نے پھر متانت سے کہا۔

''ارے میں یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ خیریت تو ہے؟ میں اسی طرح تو چلتی تھی آج آپ چادر لینے کی بات.....''

''پلیز حجت نہیں کرو اور اب کب تک پہلے دنوں کا آج کے دنوں سے مقابلہ کرتی رہو گی ضروری تو نہیں کہ جو کام پہلے نہیں کیا وہ اب بھی نہیں کرو۔ آپ سے کہا ہے کہ سر ڈھانپ لیں تو ڈھانپ لیں۔'' اب کے عرفان نے برہمی سے کہا اور یہ اس کی عادت تھی کہ جب بھی غصے میں ہوتا تو ناراضگی کے اظہار کے طور پر حنا سے آپ جناب میں گفتگو کرنے لگتا اور حنا نے عرفان کے بگڑے تیور دیکھتے ہوئے خاموشی کے ساتھ سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا۔

حالانکہ بادل برسنے کو تیار تھے مگر خریداروں کے رش میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ شاپنگ مال میں حسب معمول خوب رش تھا اور حنا عرفان کی طرف سے کسی شوخ جملے کا انتظار ہی کرتی رہ گئی جو وہ مختلف خواتین کی ڈریسنگ یا کپڑوں کو دیکھ کر کیا کرتا تھا۔ حالانکہ اس نے عرفان کے موڈ کو خوشگوار کرنے کے لیے ایک دو خواتین کی طرف اشارے بھی کیے مگر عرفان نے نظر بھی نہ ڈالی اور حنا خاموش سی ہوگئی۔ پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر کے وہ دونوں دکان میں داخل ہوگئے تھے۔

''یہ سوٹ کیسا لگ رہا ہے؟'' حنا نے آتشی گلابی سوٹ اپنے سے لگا کر پوچھا۔

اس کی آستین نہ ہونے کے برابر تھی۔ عرفان نے ریجیکٹ کر دیا پھر حنا نے کتنے ہی لباس نکالے مگر سبھی میں آستین کا مسئلہ تھا اور جو فل آستین کی شرٹس تھیں وہ حنا کو اچھی نہیں لگ رہی تھیں کیونکہ بقول حنا کے ان کے کام موٹے تھے یا کلر سخت ڈل۔

''چلیں اب گھر چلتے ہیں۔'' حنا کا دل پوری طرح اچاٹ ہو چکا تھا اور عرفان نے بھی باہر کھانے پر اصرار نہیں کیا اور حنا سوچتی رہ گئی شاید عرفان کھانا پیک کروالیں اور کچھ نہیں تو شیراز کے لیے آئس کریم ہی لے لیں مگر شاید عرفان بھول گیا تھا۔ عشاء کی اذانوں تک وہ لوگ گھر پہنچ چکے تھے اور بیگم ضیاء حیران تھیں۔

''اتنی جلدی آگئے میں تو سوچ رہی تھی کہ حسب معمول باہر کھا کر آؤ گے۔'' عرفان نے کچھ جواب نہیں دیا اور نماز پڑھنے کا کہہ کر گھر سے نکل گیا۔

''مما آپ بھی محسوس کر رہی ہیں ناں، پتا نہیں انہیں کیا ہوگیا ہے؟'' حنا نے ساس سے معاملہ ڈسکس کرنا چاہا۔

''ہاں پتا نہیں کچھ آفس میں مسئلہ نہ ہو، آئے گا تو پوچھوں گی۔'' بیگم ضیاء نے فکرمندی سے کہا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

''سنیں آج جلدی آجایئے گا۔'' ناشتہ تیار کرتے ہوئے حنا نے عرفان سے کہا۔

''کیوں کوئی کام ہے؟'' عرفان نے گرم چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''کام.....'' حنا نے شکایتی انداز میں عرفان کو دیکھا۔

''نہیں کام تو کچھ نہیں کل رات کو مینا آپی کا فون آیا تھا وہ آج نیہا کی شادی کا کارڈ دینے آئیں گی۔ مسعود بھائی بھی ہمراہ ہوں گے۔''

''چلو ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا سات بجے تک پہنچ جاؤں۔''

''سوری آپی۔ میں منگنی اور مایوں مہندی میں نہیں شریک ہوسکوں گا۔ ہاں ان شاء اللہ نکاح و دعوت ولیمہ میں آپ لوگ مجھے سب سے پہلے پائیں گے اور مجھے خوشی ہوگی اگر آپ کچھ کام بھی میرے سپرد کردیں میں ان شاء اللہ ذمہ داری سے اپنی ڈیوٹی سنبھالوں گا۔ کھانا پکوانا ہو اور ہال کے اندر کی نگرانی کرنی ہو کچھ بھی۔'' عرفان نے مودبانہ انداز



www.zemtime.com

میں اپنے بڑی سالی سے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی، کیوں شریک نہیں ہوں گے، کیا کہیں جارہے ہو؟'' مینا اور ان کے شوہر مسعود بھائی دونوں ہی ایک ساتھ بولے اور حنا بھی شاک کی کیفیت لیے عرفان کو دیکھ رہی تھی۔

''نہیں جانا تو کہیں نہیں ہے مگر اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں صرف نکاح، ولیمہ میں جایا کروں گا بقیہ رسمیں غیر اسلامی و ہندوانی ہیں۔''

''واہ میاں آج ہماری عزتوں کا وقت آیا تو یہ سب غیر اسلامی و ہندوانی ہوگیا اور کل جب اپنی بہن بیاہی تھی تب وہ ''اسلامی'' ہوگیا تھا۔'' اب کے آپی چمک کر بولیں۔

''میری آپی اتنی جذباتی نہ ہوں، میں مانتا ہوں سمیرا کی شادی پر یہی دعوتیں ہم نے بھی دیں تھیں مگر اب.....'' بات ابھی عرفان نے پوری بھی نہ کی تھی کہ آپی بولیں۔

''اب کیا..... صاف کہو ناں کبھی کے جلے کبھی پھوٹتے ہیں، لگی ہوگی کوئی بات بری۔ دل پر لے گئے ہوں گے جب ہی تو بدلہ لینے کا اچھا وقت چنا ہے۔ اسلام کا تو بہانہ ہے۔'' مینا آپی بے حد بدگمان ہوچکی تھیں۔

''میں آپ سے عرض کررہا ہوں ناں کہ میں کوئی بدلہ نہیں لے رہا نہ ہی مجھے کسی کی کوئی بات دل پر لگی ہے اور میں یہ بھی مانتا ہوں کہ سمیرا کی شادی پر میں نے کوئی کسر بھی نہیں چھوڑی تھی مگر اب میں نے ان تمام رسموں پر جانے سے توبہ کرلی ہے۔'' عرفان نے نہایت عاجزی کے ساتھ کہا۔

''رہنے دو میاں، توبہ کرلی، جیسے پتا نہیں کتنا بڑا گناہ تھا۔ ارے سب ہی قرآن پڑھتے ہیں، سب ہی جانتے ہیں، ہمارے یہاں بھی ماہانہ تبلیغ ہوتی ہے مگر اتنا جذباتی کوئی نہیں ہوتا۔'' مینا آپی کا موڈ بری طرح خراب ہوگیا تھا۔

''بس اتنی مہربانی کرنا تم چاہے نہ آؤ مگر میری بہن کو ضرور بھیج دینا۔'' جاتے ہوئے مینا آپی نے اتنا ضرور کہا۔ ان کے جانے کے بعد حنا نے بے حد شکایتی نظروں سے عرفان کو دیکھا۔

''اب اللہ کے واسطے تم شروع نہ ہوجانا۔'' اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی عرفان نے کہا۔

''مگر آپ یہ سب کیوں کررہے ہیں؟'' حنا آہستہ سے بولی۔

''کیا کررہا ہوں میں؟'' عرفان اس نے سوال کیا۔

''کسی کا دل دکھا دیا اور کہہ رہے ہیں کیا کررہا ہوں۔ کیا آپ کے اسلام میں کسی کا دل دکھانا جائز ہے، کیا دعوت کو قبول کرنے والا اچھا مومن نہیں کہلاتا۔'' حنا نے منہ بگاڑ کر کہا۔

''یہ میرا اسلام اور تیرا اسلام کیا؟ تم لوگ غلط سمجھ رہے ہو۔'' عرفان نے کہا۔

''بس میں نے کہہ دیا۔ غلط سمجھیں یا صحیح۔ آپ میرے ساتھ چلیں گے۔'' حنا کا انداز وہی تھا جس پر کبھی عرفان فدا تھا اور اس کی کوئی بات نہیں ٹال سکتا تھا لیکن عرفان اپنے موقف پر ڈٹا رہا اور اگلے روز تو حد ہوگئی جب عرفان نے حنا کو عبایا دیتے ہوئے کہا۔

''میری خواہش ہے کہ جو چیز میری ملکیت ہے اس کو کوئی نہ دیکھے، اس پر کسی غیر کی نگاہ نہ پڑے، تم کل منگنی کے فنکشن پر جاؤ گی۔ میرے نہ جانے سے تم تو نہیں رکو گی لیکن وہاں مکس گیدرنگ ہوگی اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم یہ پہن کر شریک ہو۔'' عرفان نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

''کیا ہوگیا ہے عرفان آپ کو؟ کیوں اتنا جنونی ہورہے ہیں، میں یہ پہنی رہوں گی تو اتنا کچھ جو میں نے اپنی جیولری، کاسمیٹکس اور لباس پر خرچ کیا ہے۔ وقت لگایا ہے تو یہ سب کچھ بیکار۔'' اب حنا پھٹ پڑی اور بیگم ضیاء کو بلا لائی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

''کیا بات ہے بیٹا، کیا واقعی تم کل نہیں جارہے اور یہ حنا کیا کہہ رہی ہے کیا تمہاری ماں، بہنیں پہنتی ہیں عبایا جو اس کو پہنا رہے ہو، کیا ہمارے خاندان میں رواج ہے برقع پہنے کا سب میں کیوں مذاق اڑواؤ گے۔ تمہاری اپنی بہنوں کے سسرال والے کیا کہیں گے، کل تک جو سامنے آتیں تھیں۔ خاطریں کرتی تھیں آج پردے کی بوبو بن کر بیٹھ گئیں اور بیٹا پردہ تو دراصل آنکھ کا ہوتا ہے۔ ہر چیز کو اتنا سر پر تھوڑا ہی سوار کرلیتے ہیں اور کل کی دعوت میں تو تمہاری اپنی ماں، بہنیں بھی جائیں گی تو جس کے منہ رشتہ داری بنتی ہے وہ ہی غائب، کیا خوب سوچ ہے۔ کیا تمہاری اس حرکت سے تہمینہ کے ہونے والے رشتے پر اثر نہیں پڑے گا؟''



www.zemtime.com

''بات صرف اتنی ہے مما کہ میں نے آپ نے قرآن پڑھا تو ہے مگر سمجھا نہیں اور یہی بات مجھے اس وقت سمجھ میں آئی جب سے میں نے ترجمہ سے پڑھنا شروع کیا اور اس وقت سے میرے دل کی کیفیت بدلنی شروع ہوگئی۔ مما ایسا کیوں ہے، آپ باہر کے وائرس سے گھبرا کر چکن منگوانا چھوڑ دیتی ہیں، پسند ہونے کے باوجود صرف بیماری کے ڈر سے بچوں کو کھانے نہیں دیتیں، دودھ اور سرکہ کو ایک ساتھ استعمال نہیں کرنے دیتیں، حنا تم اپنی دلچسپی پر روک ٹوک کو دل پر لے لیتی ہو۔ رونے بیٹھ جاتی ہو لیکن جو غیر اسلامی چیزیں ہیں جن کے متعلق ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ چیز تمہارے ایمان کو بگاڑ دے گی تو ہم محتاط نہیں ہوتے۔ ہم حجت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم کو یقین ہے دودھ اور سرکہ کی آمیزش سے خون پھٹ جاتا ہے اس لیے پرہیز ضروری ہے مگر ہمارا یقین کیوں اتنا متزلزل ہو جاتا ہے کہ اپنے ایمان میں۔ اپنے اسلام میں اللہ کے دین میں شرک کی آمیزش کر ڈالتے ہیں۔ بہر حال آپ اپنا ٹمپر لوز مت کریں، جیسے آپ چاہیں گی وہی ہوگا بس ایک بات کہنا تھی کہ اپنے دل و دماغ سے جگ ہنسائی اور دنیا کا خوف نکال دیں۔ وہ کیا سوچے گی، فلاں کیا کہے گا وغیرہ وغیرہ آج کل کے تیز رفتار زمانے میں صبح کی بات شام تک یاد نہیں رہتی تو بھلا ہمارے گھر کی بات کس کو یاد رہے گی۔'' اس دن کے بعد سے عرفان نے چپ سادھ لی تھی۔ حنا نے بھی اس کے بدلتے مزاج و تلخی کو دیکھتے ہوئے شادی تک اپنی من مانی کرنے کی وجہ سے حکمتاً الجھنا چھوڑ دیا تھا۔ مہندی میں جانے کے لیے حنا صبح ہی سے پارلر گئی ہوئی تھی۔ چار بجے کے قریب وہ بالکل تیار تھی، نئے نئے فیشل اور ہیر کٹنگ نے اس کے چہرے کو خوب نکھار دیا تھا۔ عرفان کو آتا دیکھ کر حنا نے فوراً نعرہ لگایا۔

''پہلے آپ مجھ کو چھوڑ آئیں پھر واپس آ کر اپنی مصروفیت میں لگیے گا ورنہ میری مہندی لگنے کی باری دیر سے آئے گی۔ دو بجے کا ٹائم تھا اور اب چار بج چکے ہیں۔'' اپنی دھن میں تیزی سے بولتے ہوئے وہ عرفان کے بھنچے لب اور درشت چہرہ نہ دیکھ پائی جو اس کو بغیر آستین کی قمیص میں دیکھ کر غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔ اپنے اوپر ضبط کرتے ہوئے عرفان نے بائیک کی چابی اٹھائی اور کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ گاڑی نہ دیکھ کر حنا نے استفہامیہ نظروں سے اس کو دیکھا تو جواب میں عرفان نے کہا۔

''گاڑی خراب ہوگئی تھی اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی تمہاری بار بار کال سے دوست کی موٹر سائیکل لایا ہوا اور اب لا کر پچھتا رہا ہوں کاش نہ لاتا۔'' آخری جملہ اس نے زبان دانتوں تلے دبا کر کہا ورنہ جانتا تھا کہ پھر نیا محاذ کھڑا ہو جانا ہے۔ عرفان کے ساتھ بیٹھتے ہوتے حنا نے جیسے ہی اپنا ہاتھ رکھا عرفان ایک دم اچھلا اور ڈپٹ کر بولا۔

''ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھو۔'' اور حنا کوئی جواب دیتے ہوئے خاموش ہوگئی۔ اسکوٹر رواں دواں تھی کہ اچانک زور دار جھٹکے سے رک گئی وجہ وہ ہی کراچی کے بدلتے حالات تھے۔ چند لڑکے غالباً بجلی کی بندش پر، ٹائر جلا کر سڑک بلاک کر چکے تھے اور نعرے لگا رہے تھے جبکہ کچھ لوگ دکانوں سے باہر جمع تھے۔ کالا دھواں اور ہجوم اس میں حنا کو پہلی بار اپنے اوپر شرم سی آئی۔ اس نے طائرانہ نظر اپنے اوپر ڈالی۔ شانے پر پڑا دوپٹہ، عریاں بازو، پہلی بار اس کا دل چاہا کہ کاش وہ کہیں چھپ جائے۔ اس نے لوگوں کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا جن میں احترام ہرگز نہ تھا بلکہ ان میں ہوس کی چمک نظر آ رہی تھی۔ وہ باادب نظر بھی کہیں مفقود تھیں۔ اس نے اپنے سر کے سائباں کی جانب دیکھا جو اس سے بے نیاز روٹھا کھڑا تھا۔ اچانک ہی اس کے دل میں خواہش ہونے لگی کاش وہ ایک چادر میں لپٹ جاتی جو تحفظ بھری ہوتی۔ اس کو بے ساختہ اپنے شوہر کی روٹھی نظر پر پیار آیا جو بات اتنے عرصے سے عرفان سمجھانا چاہ رہا تھا وہ اب اس کے سمجھ میں آ گئی تھی۔ گلے میں پڑا دوپٹہ اس نے کھینچ کھانچ کر سر پر لے لیا تھا پانچ منٹ بعد ہی راستہ صاف ہو گیا تھا مگر وہ چند لمحے حنا کی سوچوں میں انقلاب لا چکے تھے۔

www.naeyufaq.com

www.zemtime.com